بوڑھے لوگ، چیزیں جو گزرتی ہیں

(ناول)



لوئی کوپیرس

مترجم: غلام احمد بشیر

تدوین و حواشی: فاروق خالد

ذخیرہ کتب

انیس نقوی

بوڑھے لوگ، چیزیں جو گزرتی ہیں

(ناوِل)

لوئی کوپیرس

مترجم: غلام احمد بشیر

تدوین وحواشی: فاروق خالِد

SCHEHERZADE

بوڑھے لوگ، چیزیں جو گزرتی ہیں

مصنّف، لوئی مَری انّا کوپیرس

ولندیزی سے اُردو میں ترجمہ: غلام احمد بشیر

تدوین وحواشی: فاروق خالد

سرورق: ناول پر مبنی فلم (ہدایت کار، والٹر فان درکمپ) میں اوتیلی دیریکس (اداکارہ، کاروفان آئک) اور ایمل تکمہ (اداکار، پاؤل ستین برخن) محوِ گفتگو ہیں۔

طبعِ اوّل ولندیزی: ۱۹۰۶ء

طبعِ اوّل اُردو: ۱۹۸۵ء

طبعِ دوم اُردو: ۲۰۱۶ء

اس کتاب کے ترجمہ واشاعت میں "ادارۂ ترقیِ تراجم ولندیزی ادبیات"، نیو پرنسن خراخت ۸۹، ۱۰۱۸ وی آر، استردم، نیدرلینڈ نے تعاون کیا۔

Van oude mensen, De dingen, die voorbijgaan

(Urdu title: Borreh log, Cheezien jo guzerti hein)

Author: ***Louis Marie Anne Couperus***

Translated from Dutch into Urdu: Gulam Ahmed Bashir

Editing and foot notes: Farooq Khalid

1st Dutch edition, 1906

1st Urdu edition, 1985

2nd Urdu edition, 2016

Cover: In a movie (Directed by Walter van der Kamp), based on the novel, Ottile Dereeksz (Actress, Caro van Eyck) and Emile Takma (Actor, Paul Steenbergen) are in a conversation.

This book has been translated and published with the collaboration of "The Foundation for the Promotion and Translation of Dutch Literature", Nieuwe Prinsengracht 89, 1018 VR Amsterdam, Nederland.

This Edition Composed by *Ahmed Grafics*

Printed by

Published by, Scheherzade, B-155, Block-5, Gulshan-e-Iqbal, Karachi, Pakistan.

فہرست

پیش رس
(طبعِ اوّل)

ولندیزی ادب کی یہ دوسری مشہور کتاب ہے جس کا اُردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔
اس کتاب کے ترجمے میں زیادہ دشواری اس لیے پیش نہیں آئی کہ اس کا مزاج اُردو سے ملتا جلتا ہے۔ اسی لیے یہ توقع بھی ہے کہ یہ ناول اُردو داں طبقے میں پسند کیا جائے گا۔

کوپیرس کا کمال یہ ہے کہ اس نے قصہ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے اِرد گرد بسنے والے لوگوں کے مذہبی نظریات، رسوم و رواج اور معاشرتی امور پر عالمانہ اور فلسفیانہ انداز میں تنقید کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، لیکن ایسا کرتے ہوئے اس نے ادب کا دامن کہیں بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔

کتاب کی روح کو اُردو میں زندہ رکھنے کی بھرپور کوشش کی گئی ہے پھر بھی ترجمے میں کوئی خامی رہ گئی ہو تو میں معذرت خواہ ہوں۔ کوئی قابلِ اصلاح بات نظر آئے تو ناشر کی معرفت اطلاع دے کر مشکور فرمائیں۔

یونیورسٹی آف لائیڈن، ہالینڈ — غلام احمد بشیر

۱۰ر جون ۱۹۸۴ء

پیش رس
(طبعِ دوم)

"کیا سب کچھ الفاظ میں ادا کر دیا گیا تھا، یا پھر دونوں نے سمجھا کہ ان کے دل و دماغ میں ایک جیسی بات ہے، چناں چہ اِسے با آواز کہنے کی ضرورت نہیں ہے، بہتر ہوگا کہ بالکل ہی نہ کہنے کی۔"

[فیودر دوستوفسکی کے ناول، "جرم وسزا" (۱۸۶۶ء) میں سے ایک اقتباس]

"راکھ راکھ میں، خاک خاک میں[۱]۔"

لوئی کوپیرس ہمیشہ ولندیزی ادیبوں میں ایک بہت اہم مصنف سمجھا گیا ہے۔ اس کی عظمتِ نگارش اور اس کے بے مثال اسلوب کی ہر دَور میں تعریف کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے، ۱۹۲۳ء میں، اس کے پرستاروں نے اسے دے سٹیخ[۲] میں اس کی ساٹھویں سالگرہ پر ایک عالی شان بنگلا تحفتاً دیا جس میں یہ بغیر کسی کے مخل ہونے کے آرام وسکون سے تصنیف و تالیف کر سکے۔ یہ وہ مرتبہ ہے جو کوپیرس کو حاصل تھا۔ گو اسے اس بنگلے میں رہائش پذیر ہونے کا موقع نہ مِلا؛ یہ صرف ایک ماہ بعد، ساٹھ سال کی عمر میں، پھیپھڑوں کی سوزش سے وفات پا گیا۔

کوپیرس کا ناول، "بوڑھے لوگ، چیزیں جو گزرتی ہیں،" کو ایک بار پھر پڑھتے ہوئے مجھے احساس ہوا ہے کہ ایک سو دس برس گزرنے کے باوجود یہ اَب بھی کس قدر حقیقت آمیز

---

۱ "راکھ راکھ میں، خاک خاک میں۔" :(Ashes to ashes, dust to dust)، کلیسائے انگلستان کی تدفینی رسومات والی عام دعاؤں کی کتاب سے ایک مقولہ جو دراصل بائبل سے اخذ کیا گیا ہے ["تُو اپنے مُنھ کے پسینے کی روٹی کھائے گا جب تک کہ زمین میں تُو پھر لَوٹ جائے گا۔" (پیدائش، ۱۹۔۳، پُرانا عہد نامہ، بائبل۔)، "مَیں خاک اور راکھ کی مانند ہوگیا ہوں۔" (ایوب، ۱۹۔۳۰، پُرانا عہد نامہ، بائبل۔)]۔

۲ دے سٹیخ :(De Steeg)، نیدرلینڈ کا ایک قصبہ۔

ہے۔ ڈن ہاخ میں قیام پذیر، اشرافیہ سے تعلق رکھتے، انڈونیشیا کے استعماراتی اور ولندیزی حکمران طبقے کو کوپیرس کتنی گہرائی سے جانتا تھا یہ اس کتاب میں پوری طرح سے عیاں ہے۔ وہ ایک سانحے، ایک قتل، کے نتائج بیان کرتا ہے جو بہت عرصہ ہوا وقوع پذیر ہوا تھا، اس معاملے میں چھ دہائیاں قبل رونما ہوا ایک واقعہ۔

مصنّف اپنے ناوِل میں تحقیق کرتا اور سوال اُٹھاتا ہے کہ ایک الم ناک واقعے کو اس میں پوری طرح سے ملوث افراد اور ان کی اولاد پر اپنی گرفت ڈھیلی کرنے میں کتنا عرصہ درکار ہوتا ہے: کیا اس میں براہِ راست ملوث افراد اور اس کے ایک نوعمر چشم دِید گواہ کے وفات پا جانے سے وہ گرفت ختم ہو جاتی ہے؟ اور آیندہ کتنی نسلوں تک یہ واقعہ اپنی پرچھائیاں لیے قائم و دائم رہتا ہے؟ چناں چہ زیادہ سے زیادہ وہ کتنا عرصہ ہے جس میں گزشتہ کا وہ حادثہ یا واقعہ لوگوں پر اپنا اثر ورسوخ قائم رکھتا ہے؟ اور بالآخر وہ مکمل طور پر کب اپنے انجام کو پہنچتا ہے؟

ایک حقیقت جو مجھے اپنے زیرِاثر رکھتی ہے وہ یہ کہ اَب اس قسم کے موضوع پر لوگ شدومد سے گفتگو کرتے ہیں: افراد جنھوں نے قریباً ستر برس قبل ایک جرم کا ارتکاب کیا۔ اس بحث کی افادیت اور ضرورت پر کہ — اتنا وقت گزرنے کے باوجود — اس کے ذمہ دار افراد کو عدالتی کٹہرے میں لاکر سزا دی جاسکے۔ میری مراد دوسری جنگِ عظیم کے واقعے سے ہے۔

مَیں واضح کرنا چاہوں گا کہ اَب بھی جرمنی کی ہٹلر حکومت (۱۹۳۳ء تا ۱۹۴۵ء) کے ان درجن بھر مجرموں کی تلاش جاری ہے۔ جو جرائم انھوں نے کیے وہ تمام تر ۱۹۴۵ء سے پہلے کے ہیں، سب کے سب ستر برس قبل کے۔ تلاش ان آدمیوں کی ہے جن کی عمریں اس وقت بانوے (۹۲) برس یا اس سے زیادہ ہیں۔ وہ سب نسل کشی میں پوری طرح سے ملوث تھے، جس کے نتیجے میں ساٹھ لاکھ سے زائد شہری ہلاک ہوئے۔ یہ لوگ، اگر پکڑے گئے، یعنی اگر وہ زندہ ہیں اور اپنی صفائی میں بھی کچھ کہنا چاہیں، تو ان کی عدالتی کارروائی پر برسوں لگ سکتے ہیں۔ یہ مشکل ہوگا، کیونکہ اب گواہ باقی نہیں ہیں، اور جو ہیں وہ اس وقت بچے تھے اور اَب بوڑھے ہوچکے ہوئے ہیں۔ اور تب ایک اور مشکل اخلاقی سوال بھی پیدا ہوتا ہے، یعنی: قریباً ایک سو سال کی عمر

کو پہنچے شخص کو مجرم قرار دے کر اسے لمبی عمر یا عمر بھر کی سزا دینے کا کیا جواز ہے؟

کوپیرس کے اس ناول کی غمازیٔ حقیقت یوں آشکار ہوتی ہے: سب کچھ گزر جاتا ہے۔ تمام مجرم بالآخر مَر جاتے ہیں، اپنے جرائم کی سزا پانے یا بغیر سزا پانے کے بعد، چناں چہ اس کے بعد جرم وسزا پر مبنی سوالات ان پر کارگر نہیں ہوتے۔ جو باقی بچتا ہے وہ آہستگی سے معدوم ہوتے صدمات ہیں، اور یہ بھی، کافی وقت گزرنے کے بعد ہی سہی، زائل ہو جاتے ہیں۔ تاریخ ہمیں یہی سِکھاتی ہے۔ ترکی کی، ۱۹۱۵ء میں، آرمینیا کے لوگوں کی نسل کشی سے بچنے والی نسلوں کی مثال سامنے رکھیں، سو سال گزرنے کے بعد ان صدمات کی ہلکی پرچھائیاں ہی باقی ہیں۔

کوپیرس اپنے ناوِل میں اس کا کوئی حل بیان نہیں کرتا، وہ مؤثر طریقے سے صرف یہ بیان کرتا ہے کہ بالآخر ہر چیز گزر جاتی ہے اور ہر شے ناموجودیت میں گم ہو جاتی ہے، اعمال، لوگ اور شاید آیندہ کی نسلوں کے صدمات بھی۔

کون ہے جسے یورپ میں عہدِ روما کی پانچویں صدی عیسوی میں زوال کا کوئی صدمہ ہے، یا پھر مزید مقامی اور حالیہ واقعات کو سامنے رکھیں تو نیدرلینڈ میں کسے سولہویں صدی عیسوی میں اپنے ملک پر ہسپانوی تسلط یا پھر اسی طرح ۱۸۰۰ء میں فرانسیسی تسلط کا کوئی صدمہ ہے؟ کسی کو بھی نہیں!

ہر واقعہ، گو وہ کتنا ہی اثر انگیز اور نتیجہ خیز کیوں نہ ہو، بالآخر معدوم ہو جاتا ہے اور بُھلا دیا جاتا ہے۔ اور ایک لحاظ سے یہ آسودگی بخش احساس بھی ہے۔

لوئی کوپیرس نے نہایت خوبی سے اس طریقۂ کار کا آغاز اور ماضی کے بوجھل پن کی معدومیّت کو اس کہانی میں بیان کیا ہے، ''بوڑھے لوگ، چیزیں جو گزرتی ہیں'' غالبًا اس کے بہترین ناوِلوں میں سے ایک ہے۔ (ولندیزی سے ترجمہ، فاروق خالد)۔

Robbert de vries — رابرٹ دی فریس

Amsterdam, 2nd December 2014 — امسٹردم، ۲/دسمبر ۲۰۱۴ء

تعارف
(طبعِ اوّل)

اُردو زبان دنیائے ادب کے بے مثال و لازوال اَدب پاروں کو اپنی وسیع و عریض کشادگی میں پھوٹنے اور جگہ پانے میں تنگی داماں کا احساس نہیں ہونے دیتی۔ ولندیزی ادب کو اُردو میں ترجمہ کرنے کا کام کچھ عرصہ قبل شروع کیا گیا تھا۔ ناول ''میکس ہافلار'' ہماری پہلی پیش کش تھی۔ ''بوڑھے لوگ، چیزیں جو گزرتی ہیں'' اس سلسلے کی دوسری کتاب ہے۔ یہ ناول واقعات نگاری اور کرداروں کے تفصیلی داخلی و خارجی تجزیے کی اعلیٰ مثال ہے۔ لوئی کو پیرس نے اس میں مختلف کرداروں کا ذکر اور ان کی گفتگو کے پس منظر میں چھپی ایک ناموجود صورتِ حال کو اس فنی چابک دستی سے پیش کیا ہے کہ کوئی پہلو تشنہ محسوس نہیں ہوتا۔ بہت سے لوگ اسے اَدب کا اچھا نمونہ خیال کرتے ہیں اور مصنّف کے اپنے بیان کے مطابق بھی یہ اس کی بہترین تخلیق ہے۔

یہ درست ہے کہ کسی بھی فن پارے کو دوسری زبان میں منتقل کرتے ہوئے اس کی روح متاثر ہوتی ہے۔ ولندیزی زبان میں اس ناول کی حیثیت اور سحر آفرینی مُسلّم ہے۔ کوشش کی گئی ہے کہ اُردو میں ترجمہ کرتے وقت یہ حق ادا ہو جائے۔ لوئی کوپیرس ولندیزی ادیب کے طور پر پہچانا جاتا ہے، مگر اس ناول کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ نازک حدود ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں اور وہ بلاشبہ ایک ہمہ گیر اور بے کنار ادیب کے طور پر سامنے آتا ہے۔ خود اس نے ایک جگہ لکھا ہے:

''یہ درست ہے کہ مَیں ولندیزی ہوں، مگر پھر بھی یہ بات ذرا عجیب سی محسوس ہوتی ہے۔ مَیں ڈن ہاخ، نیدرلینڈ میں پیدا ہوا، لیکن اس کے باوجود کبھی کبھی اس پر یقین کرنے کا دل نہیں چاہتا۔''

زیرِ نظر ناول میں موجود کردار اپنی رنگا رنگ دل چسپیوں اور متنوع طبیعتوں میں مگن ہیں اور اُداس لمحوں کے منجمد گرداب کو برپا ہونے نہیں دیتے۔ اس ضمن میں یہ ایک آرزو اور آدرش کو سامنے رکھتے ہوئے کسی نہ کسی طور پر متحرک ہیں، لیکن پھر بھی اندر ہی اندر انھیں ایک غم کھائے جا رہا ہے کہ یہ سب کچھ کس قدر غیر یقینی ہے۔ بعض اسے قریب سے دیکھتے ہیں اور ڈرے اور سہمے ہوئے ایک ایسی دہشت کی طرف کھسکتے جا رہے ہیں جس کی دراڑیں انھیں بے سکت اور بے ہمت کرنے کے لیے ان کی طرف بڑھ رہی ہیں اور بعض ایسی کوئی پرچھائیں نہیں دیکھتے، مگر پھر بھی ایک ''نہیں'' انھیں اپنے وجود پر منڈلاتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور اس سے بچنے کے لیے وہ شعوری اور لاشعوری طور پر ان اشغال کی طرف راغب ہیں جو انھیں اپنی ذات کا یا کسی دوسرے کی ذات کا کوئی مستحکم یقین نہیں دلاتے اور یہ سب لمحہ بہ لمحہ درجہ بہ درجہ ایک ایسی یبوست پر مجتمع ہوتا ہے جس کا انجام موت ہے یا پھر ایک بے نام اور بے سمت موجودگی۔ لوئی کوپیرس کی طلسم برپا نثر نگاری قاری کو الفاظ و صفحات سے پرے واقعات و احساسات کی حقیقی دنیا میں لے جاتی ہے۔

فاروق خالد

۱۷/اگست ۱۹۸۴ء

تعارف

(طبعِ دوم)

لوئی کوپیرس کے ناوِل کا اُردو ترجمہ، ''بوڑھے لوگ، چیزیں جو گزرتی ہیں''، ۱۹۸۴ء میں لائیڈن میں اُردو کے ایک معلّم نے کیا تھا۔ وہ ترجمہ لفظی اور کئی ایک جگہوں پر سقیم تھا۔ بدقسمتی سے اس وقت مَیں اسے بہتر شکل نہ دے سکا تھا جس کا مجھے ہمیشہ احساس رہا۔ اَب ایک مدت کے بعد مَیں نے اس پر خاطر خواہ محنت کر کے اسے اس اعتماد کے ساتھ پیش کیا ہے کہ ناوِل کی خوبی و اہمیّت پوری طرح سے اُجاگر ہو سکے۔ لوئی کوپیرس بلاشبہ ایک قابلِ تعریف ادیب ہے۔ میرے نزدیک اس کی قدر و منزلت اس کے بیانیے میں فنی چابک دستی سے سموئی گئی جزئیات اور پھر ان کے بین السطور سُجھائی گئی خصوصیات میں ہی پنہاں نہیں بلکہ موضوع سے سچا انصاف کرتے ہوئے ایک ماحول کو اس کی کاملیّت کے ساتھ قلم بند کرنا ہے۔ میری اس ادیب سے ارادت مندی کا اظہار اس طور پر بھی ہوتا ہے کہ امستردم، جہاں مَیں رہائش پذیر ہوں، سے قریباً ایک سو تیں کلومیٹر دور واقع ایک قصبے، ''دے ستیخ'' (De Steeg)، جہاں اس بے مثال ادیب نے وفات پائی تھی، میں اسے بطورِ خاص خراج عقیدت پیش کرنے گیا تھا۔ امید ہے قارئین ترجمے کی اس قرارِ واقعی اشاعت میں محو ہوتے ہوئے ایک نئی دُنیا کو اپنے سامنے کُھلتا پائیں گے۔

فاروق خالد

امستردم، ۳/دسمبر ۲۰۱۴ء

مصنّف کے بارے میں

انیسویں صدی کا عظیم ولندیزی ناول نگار، لوئی مَری اَنّا کوپیرس، ۱۰ جون ۱۸۶۳ء میں ڈن ہاخ، نیدرلینڈ میں پیدا ہوا۔ اس کی زندگی کے ابتدائی چھ برس بتاویہ، (موجودہ نام جکارتہ) ، انڈونیشیا میں بسر ہوئے اور ۱۸۷۷ء میں یہ واپس نیدرلینڈ آیا۔ اس نے اپنی ادبی کاوشوں کا آغاز شعر و شاعری سے کیا اور ۱۸۸۴ء میں اس کے اشعار کا پہلا مجموعہ ''شعروں کی بہار'' طبع ہوا۔ دو سال بعد اس کے کلام کا دوسرا مجموعہ ''سجیلے پھول'' شائع ہوا۔ ناقدین کی رائے میں ان دونوں مجموعوں میں شامل شاعری خاص توجہ طلب نہیں ہے۔ یہ زیادہ تر بیانیہ شاعری ہے جو تشبیہات اور استعاروں سے بھری پڑی ہے۔ شعر و شاعری کی عدم مقبولیت دیکھتے ہوئے کوپیرس کو محسوس ہوا کہ اس کا اصل میدان نثر نگاری ہے اور کچھ عرصے بعد ایک ناول لکھ کر اس نے یہ بات سچ کر دکھائی۔ ناول ''ایلینا فیئر'' ۱۸۸۹ء میں شائع ہوا اور اشاعت کے ساتھ ہی خاص و عام میں اس کتاب کی شہرت پھیل گئی۔ یہ ناول ولندیزی ادبِ عالیہ کی پوری تاریخ کو سامنے رکھتے ہوئے ایک مثال تھا۔ اس کے بعد کا کچھ عرصہ کوپیرس کے لیے خود کو اور دنیا کو ذرا بہتر طور سے سمجھنے کا تھا، لیکن یہ شعوری کوشش اس کے اَدب و فن کے لیے بہتر ثابت نہ ہوئی اور اس کے اندر کا بنیادی اور پیدائشی فن کار اپنی صلاحیتوں سے دور ہو گیا۔ دنیا اور خود کو ایک خاص مقصد اور سوچ کے ساتھ سمجھنے کے طریقِ کار نے اس کا تقدیر اور قسمت پر یقین پختہ کیا اور وہ ایسا متاثر ہوا کہ اس نے دو ناول ''تقدیر کے ساتھ'' اور ''حالتِ وجد'' اسی موضوع پر تصنیف کیے جو اس کے پہلے ناول کے مقابلے میں ناکام ثابت ہوئے۔ کوپیرس کو ان کی عدم مقبولیت کا شدت سے احساس ہوا، مگر ایک طرح سے اسے اطمینان ہوا کہ انھیں لکھنے سے ہم جنسیّت کی طرف مائل اس کی پوشیدہ خواہشیں اپنا راستہ طے کر گئی ہیں اور وہ عورت اور مرد کے درمیان تعلق کو وضاحت سے دیکھ سکتا ہے۔

کچھ عرصے کے بعد وہ دوبارہ انڈونیشیا گیا اور قریباً ایک سال وہاں رہ کر واپس آ گیا۔ انڈونیشیا میں قیام کے دوران اس نے ناول ''خاموش طاقت'' تحریر کیا۔ یہ بھی قسمت اور غیبی طاقتوں کے موضوع پر محیط ہے، لیکن یہ اس کے پہلے دو ناولوں سے بدر جہا بہتر ہے۔ اس کے بعد اس نے ایک اور کتاب پر کام کرنا شروع کیا جو ''چھوٹی روحوں کی کتابیں'' کے نام سے شائع ہوئی۔ یہ ایک ضخیم ناول ہے جو چار حصوں ''چھوٹی روحیں''، ''آخری زندگی''، ''روحوں کی روشنی'' اور ''مقدس علم'' پر مشتمل ہے۔ یہ نثر نگاری، بُنت اور پلاٹ کے اعتبار سے نہ صرف ولندیزی ادبِ عالیہ میں بلکہ عالمی ادب میں ایک اچھی مثال ہے۔ اس کا ناول ''بوڑھے لوگ، چیزیں جو گزرتی ہیں'' بہت سے لوگوں کے نزدیک اس کی چند بہترین تصانیف میں سے ایک ہے۔

کوپیرس نے خوب سیر و سیاحت کی۔ انڈونیشیا اور یورپ کے بہت سے ممالک کے علاوہ وہ افریقا، چین، جاپان، ایران، مصر اور یونان میں گھوما پھرا۔ اس کے بعض تاریخی ناول انہی ممالک کے ظاہر اور چُھپے خطوط تراشتے ہیں۔ ان ناولوں میں '''ایکسر زکس''، ''سکندر''، ''مسخرے''، ''قدیم سفر''، ''پرانی کہانیاں''، ''بدقسمت'' اور ''روشنی کا پہاڑ'' شامل ہیں۔

کوپیرس کا زیادہ تر کام کمال اور کمیّت دونوں اعتبار سے خوب ہے۔ اس نے اخبار و جرائد کے لیے بھی بے شمار مضامین، خاکے، سفر نامے اور افسانے تحریر کیے۔ وہ غالبًا پہلا ولندیزی ادیب تھا جس نے کہیں بھی باقاعدہ ملازمت اختیار نہ کی اور قلم جس کا ذریعۂ معاش تھا۔ انڈونیشیا میں زندگی کے چند ابتدائی برس گزارنے اور ملک ملک کی سیر کرنے کے علاوہ اس کی زندگی کا زیادہ تر حصہ جنوبی فرانس اور اٹلی میں بسر ہوا۔ وہ ۱۶ر جولائی ۱۹۲۳ء کو نیدر لینڈ کے شہر ''آرنہم'' کے قریب ایک چھوٹے قصبے، ''دے سٹیخ'' (De Steeg) میں فوت ہوا۔ اس کا زیادہ تر کام بے شمار غیر ملکی زبانوں میں منتقل ہو چکا ہے۔ اس کی کُل اَدبی نگارشات، ولندیزی زبان میں، بارہ جلدوں پر مشتمل ہیں۔

ف۔خ

۱

ڈیوڑھی میں ستاین کی آواز یوں گونجی جیسے گڑھے میں پتھر پھینکا جائے۔ وہ اپنے کتے کو مخاطب کرتے ہوئے کہہ رہا تھا: ''جیک، کیا تو اپنے مالک کے ساتھ سیر کو جانا چاہتا ہے؟''

جیک نے بلند آواز سے بھونک کر اپنی مرضی کا اظہار کیا اور چند ہی لمحوں میں سیڑھیوں پر سے پُھدکتا ہوا اپنے مالک کے قدموں میں پہنچ گیا۔

''یہ تو ستاین کی آواز ہے،'' ماں اوتیلی نے دانتوں میں زبان دبائی اور کہا اور گھبرا کر کتاب کے اوراق اُلٹ دیے۔

اس کا لڑکا چارلس پاؤس، جو اپنی منگیتر ایلی کے گھر جانے سے قبل بڑے اطمینان سے کافی پی رہا تھا، اپنی والدہ کی حرکت دیکھ کر مسکرانے لگا۔

ستاین جیک کو لے کر باہر نکل گیا جس سے گھر کے اندر پھر سکوت طاری ہو گیا۔ آتش دان میں گیس جلنے کی آواز کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ چارلس پاؤس نے اپنے بوٹوں کی طرف دیکھا کہ وہ صاف ستھرے ہیں اور دوبارہ کافی پینے میں مشغول ہو گیا۔

''ستاین کدھر گیا ہے؟'' اس کی والدہ بولی۔

''وہ تو جیک کو لے کر باہر گئے ہیں،'' چارلس نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا۔

مگر اس کی والدہ نے پھر زبان دانتوں میں دبائی اور کہا، ''نہیں، وہ کسی عورت کی طرف گیا ہوگا۔''

چارلس، جسے سب لت کہہ کر پکارتے تھے، اس نے اس طرح حرکت کی گویا اُکتایا ہوا ہے۔ وہ اپنی ماں کو مخاطب ہو کر کہنے لگا:

''ماں جی، گھبرائیں نہیں اور جو بات ہو چکی ہے اسے دل میں نہ لائیں۔ مَیں تو صرف تھوڑی دیر کے لیے آپ کے پاس بیٹھا ہوں، ذرا دل بہلانے کی باتیں کریں۔ پھر مَیں نے ایلی

کی طرف جانا ہے۔ ستاین بہ ہرحال آپ کے خاوند ہیں۔آپ ان کے ساتھ لڑائی جھگڑا نہ کیا کریں اور نہ ہی اس قسم کے خیالات دل میں لایا کریں۔آپ کو جوش آ گیا تھا۔اس طرح غصّہ کرنے سے چہرے پر جُھر یاں پڑ جاتی ہیں۔''

''میرے پیارے لال، مَیں تو پہلے ہی بوڑھی ہوچکی ہوں،'' ماں نے جواب دیا۔''اَب مُنھ پر بل پڑنے کا کیا مطلب؟''

''آپ ٹھیک کہتی ہیں، مگر آپ کے چہرے کی جلد ابھی بہت نرم ہے،'' لت بولا۔

اس پر اس کی والدہ کو ہنسی آ گئی اور لت نے اُٹھ کر کہا،''اچھا، امی جان، مجھے ایک بوسہ دیں۔تو آپ ایسا نہیں کرنا چاہتیں، لو پھر مَیں ہی آپ کو بوسہ دیتا ہوں۔آپ بلاوجہ ناراض کیوں ہوتی ہیں۔مَیں آپ کی ناراضگی کی وجہ تو معلوم نہیں کرسکتا، ممکن ہے کوئی وجہ ہو اور جب میری ماں اتنی جوشیلی ہو تو پھر مَیں بھلا کس طرح پُرسکون رہ سکتا ہوں۔''

''کیا تم خیال کرتے ہو کہ تمہارے والد تحمّل مزاج تھے؟'' اس کی والدہ بولی۔

لت نے سوائے مسکرنے کے اور کوئی جواب نہ دیا۔بیگم ستاین دے ویرت منہمک ہو کر کتاب کے مطالعے میں مصروف ہوگئی۔ وہ اگرچہ ساٹھ سال کی تھی تاہم اس کی نیلی نیلی آنکھیں بچوں کی طرح خوب صورت، نازک اور معصوم تھیں۔ اس کی آواز میں ذرا سختی کے ساتھ کچھ لڑکپن بھی پایا جاتا تھا اور ابھی ابھی اس کی آواز ایک شریر بچے کی آواز کی طرح گونجی تھی۔ وہ چھوٹے قد کی عورت تھی اور کرسی پر بالکل سیدھی بیٹھی نہایت توجہ اور سکون سے پھر سے کتاب کے مطالعے میں مشغول ہو چکی تھی کیوں کہ لت نے اطمینان اور آرام سے ان کے ساتھ باتیں کرنے کے علاوہ انھیں محبت بھرا بوسہ بھی دیا تھا۔

آتش دان میں گیس جل رہی تھی اور لت آرام سے بیٹھا کافی پی رہا تھا۔اس نے اپنے جوتوں کا ایک دفعہ پھر معائنہ کیا اور سوچنے لگا کہ آخر مَیں شادی کیوں کر رہا ہوں؟ دراصل ابھی مَیں شادی کے قابل نہیں، اگرچہ مَیں اڑتیس برس کا ہو چکا ہوں، لیکن دیکھنے میں کم عمر نظر آتا ہوں۔مَیں اخبارات میں مقالے لکھ کر اتنی رقم کما لیتا ہوں جسے بیوی کو ملنے والے ورثے کی

آمدنی کے ساتھ ملا کر اچھی گزر سکے گی، مگر پھر بھی شادی وغیرہ میرے مطلب کی چیز نہیں ہے۔ ان حالات میں شادی کرنے کا مطلب تو یہ ہوگا کہ مَیں اپنے آپ کو جکڑ کر ایک عورت کے رحم و کرم پر چھوڑ دوں۔مَیں ایلی پر دل و جان سے فریفتہ بھی نہیں ہوں۔ ہاں، وہ ایک ذہین اور ہُنر مند لڑکی ضرور ہے۔مَیں اُس کے ساتھ اس وجہ سے بھی شادی نہیں کر رہا کہ وہ اپنے دادا تکمہ سے ورثے میں بہت مال پائے گی۔

یہ سوالات اُس کے دل میں منگنی کے اگلے روز سے ہی پیدا ہونے شروع ہو گئے اور متواتر پیدا ہوتے چلے آرہے تھے۔ پھر وہ اچانک چلا کر بولا، ''اماں جان، ذرا بتائیں تو سہی مَیں نے ایلی کے ساتھ منگنی کیوں کی ہے؟''

اس پر اس کی والدہ نے نظر اُٹھا کر دیکھا۔ وہ ہمیشہ سے لت کے عجیب وغریب سوالات کے حسبِ استطاعت جواب دینے کی عادی تھی، مگر اس سوال سے ان کے دل کو اس طرح ٹھیس لگی جیسے تیر لگنے سے۔ وہ آگ بگولہ ہو کر بولی:

''تم پوچھ رہے ہو کہ تم نے ایلی سے منگنی کیوں کی ہے؟ مجھے تو اس کا کوئی علم نہیں۔ انسان عام طور پر ایسے کام کر بیٹھتا ہے جن کا اُسے خود پتا نہیں ہوتا کہ اُس نے یہ کیوں کیے ہیں۔''

اس کی آواز میں نرمی اور ساتھ ہی افسردگی شامل تھی، لیکن ذرا پہلے اس کی آواز شریر بچے کی آواز کی طرح شوخ اور پُر جوش تھی۔ وہ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی، کیا مَیں نے اس سے پہلے وہ سب کچھ ضائع نہیں کر دیا جو مجھے ملا تھا اور اب لت کو بھی اور چیزوں کی طرح ایلی کے حوالے کر کے کھو بیٹھوں گی۔

''امی جان، آپ نے کِس قدر سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا ہے۔مَیں آپ سے اس قسم کا جواب سُننے کا عادی نہیں ہوں۔''

''اچھا تو کیا میں ایک دفعہ بھی سنجیدگی سے بات نہیں کر سکتی؟''

''کیا آپ کچھ دنوں سے اس لیے اتنی خاموش، غمزدہ، پریشان اور سنجیدہ طبیعت ہو گئی

ہیں کہ مَیں شادی کر رہا ہوں؟''

''شاید یہی وجہ ہو۔''

''کیا آپ ایلی کو پسند کرتی ہیں؟'' لڑکے نے پوچھا۔

''ہاں، وہ بہت پیاری ہے۔''

''اچھا، تو پھر ہمیں ایک ہی مکان میں رہنا چاہیے،'' لت نے کہا۔ ''ایلی بھی آپ کو بہت چاہتی ہے اور ستاین کے ساتھ بھی مَیں نے اس بارے میں بات کی ہے۔'' لت اپنے دوسرے سوتیلے باپ کو ستاین کہہ کر پکارا کرتا تھا جب کہ پہلے سوتیلے باپ کو تریویلی صاحب کہہ کر مخاطب کرتا تھا۔ اس کی والدہ اوتیلی تین شادیاں کر چکی تھی۔ وہ کہنے لگی:

''ہمارا مکان تو بہت چھوٹا ہے اور اگر اس میں دو خاندان آباد ہو جائیں تو اور بھی چھوٹا ہو جائے گا۔'' پھر وہ دل میں سوچنے لگی، ''مگر ہاں، اس طرح لت تو ہاتھ سے نہیں جائے گا، البتہ بہو کے ساتھ جب اُن کے بچے ہو جائیں گے، گزر بسر کرنا مشکل ہو جائے گا۔''

''خاندان؟'' لت بولا۔

''بچے،'' اُس کی ماں نے جواب دیا۔

''بچے؟''

''ہاں، عام طور پر شادی شدہ لوگوں کے ہاں اولاد ہوتی ہی ہے۔''

''ہمارا خاندان بہت عرصے سے چلا آ رہا ہے،'' لت نے جواب دیا۔ ''مَیں جلدی بچے پیدا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔''

''اگر تمھاری بیوی کے پاس بچہ نہ ہو اور تم بھی موجود نہ ہوئے تو اُسے کون دلا سا دے گا؟ مَیں مانتی ہوں کہ تم دونوں بہت قابل ہو اور مَیں ایک سیدھی سادی عورت ہوں، لیکن میرے بچے ہی میری تسکین وراحت کا موجب ہوا کرتے تھے۔''

''ہاں، جب آپ لاڈ اور پیار سے ان کی عادات خراب کیا کرتی تھیں،'' لت نے کہا۔

''لت، تم مجھے اس بات کا طعنہ نہیں دے سکتے۔''

''جی، مَیں اعتراض تو نہیں کر رہا؟''

''لت، تم نے اکٹھا رہنے کی تجویز پیش کی ہے،'' ماں نے اپنی معصوم نیلی نیلی آنکھوں کو اوپر اُٹھا کر چاپلوسانہ آواز میں کہا۔ ''اگر ایلی کو منظور ہو تو مَیں بھی اسے پسند کروں گی کیوں کہ تمہارے بغیر تو مَیں تنہائی محسوس کروں گی۔ ہاں، اگر اکٹھا رہنے کی وجہ سے مشکلات پیدا ہوں گی تو مَیں کچھ عرصے کے لیے انگلینڈ چلی جایا کروں گی جہاں میرے دو لڑکے رہتے ہیں اور مریم بھی اس سال انڈونیشیا سے واپس آجائے گی۔''

لت نے ذرا تیوری چڑھائی اور اپنے سنہری بالوں پر ہاتھ پھیر کر دیکھا کہ مانگ ٹھیک ہے اور بال اچھی طرح بیٹھے ہوئے ہیں۔

''مَیں نیس[1] میں اوتیلی[2] کو ملنے کے لیے بھی جا سکتی ہوں،'' اُس کی والدہ بولی۔

''نہیں، ماں جی، یہ نہیں ہو سکتا،'' لت نے جوش میں آکر جواب دیا۔

''کیوں نہیں ہو سکتا؟ وہ بھی میری بچی ہے۔''

''جی ہاں، یہ درست ہے۔ لت نہایت ادب سے بولا۔''

''اگر وہ بھی میری بچی ہے تو پھر مَیں اس کے پاس کیوں نہ جاؤں؟ مگر ایسا کرنا بالکل صحیح نہ ہوگا،'' اس کی والدہ نے کہا ''ہاں، یہ ٹھیک ہے کہ میری اوتیلی سے ان بن ہو جایا کرتی تھی۔''

''آپ اس کے ساتھ بالکل گزارہ نہیں کر سکیں گی،'' لت بولا۔ ''وہ اگر آپ اُدھر جانے کا ارادہ رکھتی ہیں تو پھر مَیں شادی ہی نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں ستاین کی مرضی بھی تو معلوم کرنا ہوگی۔''

''مجھے نیس سے بہت اُنس ہے۔'' بیگم ستاین بچکانا لہجے میں بولی۔ ''وہاں سردیوں کا موسم نہایت ہی خوش گوار ہوتا ہے۔'' پھر وہ افسردہ ہوگئی اور کہنے لگی۔ شاید وہاں جانا میرے نصیب میں ہی نہ ہو کیوں کہ اوتیلی مجھ سے اچھا سلوک نہیں کرتی۔ لت، اگر ممکن ہو تو مَیں تمہارے ساتھ ہی رہنا پسند کروں گی۔ کاش ایلی بھی اسے پسند کرے۔ شاید اس سے ذرا بڑا گھر

---

[1] نیس: (Nice)، جنوبی فرانس کا ایک شہر۔

[2] اوتیلی: اوتیلی کی ایک بیٹی کا بھی یہی نام ہے۔

... ہاں، تو کیا ہم اس کا کرایہ بھرنے کے قابل ہوں گے۔ مگر ستاین کے ساتھ اکیلے رہنا ... نہیں، مَیں نے ٹھان لی ہے کہ ایسا نہیں کروں گی۔'' جب ماں نے یہ فیصلہ کن الفاظ کہے تو اس کی شوخ نگاہیں غم زدہ ہوگئیں اور اس کی بچکانا آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈ با گئیں جس کی وجہ سے ان میں مزید چمک پیدا ہوگئی۔

لت کا دل بھر آیا اور اس نے محبت بھری آواز میں کہا، ''ماں جی، میری پیاری ماں۔''

اس کی والدہ نے لمبی سرد آہ بھری اور کتاب اُٹھا کر سامنے رکھ لی اور خاموشی سے اس کے مطالعے میں یوں مشغول ہوگئی گویا وہ اپنی قسمت کے آگے سرِ تسلیم خم کر رہی ہے، مگر اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر لاڈلے بچے کی سی سرکشی کے آثار نمودار تھے جو خاموش رہ کر اپنی مرضی کے مطابق عمل کرنے کی ٹھان چکا ہو۔ لت نے کافی کی پیالی ہاتھ میں لیے اپنی والدہ کے چہرے کی طرف غور سے دیکھا اور دل ہی دل میں کہنے لگا: میری ماں یقیناً بہت خوب صورت اور حسِین رہ چکی ہوں گی۔ ماموں جان اکثر کہا کرتے تھے کہ وہ ایک گڑیا کی مانند ہوا کرتی تھیں۔

اب وہ ساٹھ برس کو پہنچ چکی تھی اور اسے کسی کو اپنا گرویدہ یا عاشق بنانے کا شوق نہ تھا، مگر بچکانا پن اور گڑیا کی شکل اب بھی باقی تھی۔ ایک بوڑھی عورت کی طرح اس کے چہرے پر شکنیں ضرور تھیں، مگر اس کی پیشانی اور رخساروں کی جلد سفید اور بلانقص تھی۔ اس کی کنپٹیوں پر ہلکی ہلکی شریانیں دکھائی دیتی تھیں۔ اس کے بال، باوجود ذرا سفید ہو جانے کے، سنہری ہی دکھائی دیتے تھے کیوں کہ پہلے وہ بہت ہی سنہری اور خم دار تھے۔ اس کے کانوں کی لوؤں اور گردن پر زلفیں لٹک رہی تھیں جنھیں وہ نزاکت سے اکٹھا کر کے ان میں ہیئر پن لگالیتی تھی۔ چوں کہ اس کا جسم چھوٹا اور دُبلا تھا اس لیے وہ ایک جوان عورت کے جسم کی طرح لگتا تھا۔ اس کے ہاتھ چھوٹے چھوٹے اور بہت پیارے تھے۔ دراصل اس کا سارا جسم ہی اس کی معصوم آنکھوں کی طرح پیارا اور دل کش تھا۔ اس پر محبت و حقارت کی آندھیاں تو چلی تھیں، مگر انھوں نے اس پر زیادہ اثر نہ چھوڑا تھا۔ اس نے محبت و حقارت، دونوں کے پیالے بھر بھر کر پیے تھے۔

وہ یکے بعد دیگرے تین مردوں سے شادی کر چکی تھی اور تینوں سے اسے انتہا کی محبت تھی، مگر اب اِن تینوں سے ہی انتہائی نفرت کرتی تھی۔ اس میں قدرتی نازونخرہ بھی تھا، مگر وہ اسے مطلب براری کے لیے استعمال نہ کرتی تھی۔ وہ طبعًا محبت کی دلدادہ تھی، دل کی اچھی اور پیاری تھی اور اپنی طبیعت کے خلاف کبھی عمل نہ کرتی تھی۔ اس کے خون میں شوخی اور جوش کا ولولہ بھی خوب تھا اس لیے کبھی کبھی بلا وجہ سرکش ہو جاتی تھی۔ وہ کم خرچ تو نہ تھی، مگر گھر کو بارونق بنانے کا اسے کبھی بھی خیال نہ آیا تھا۔ وہ بناؤ سنگار زیادہ نہ کرتی تھی اور شان وشوکت اور آرام دہ چیزوں کو کوئی خاص وقعت کی نظر سے نہ دیکھتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ اس کی ذات میں ایک دل کشی اور دل ربائی پائی جاتی ہے اس لیے وہ بناوٹ سے لوگوں کو اپنی طرف کھینچنے کی ضرورت محسوس نہ کرتی تھی۔

دنیامیں ماں جی کے مقابلے اور پایے کا کوئی موجود نہیں ہے۔ لت سوچنے لگا۔ اور اس گھر میں اگر کوئی بارونق کمرا ہے تو وہ میرا ہی ہے اور ماں جی اگرچہ فرانسیسی ناول پڑھنے کا شوق رکھتی ہیں، مگر اسے سمجھنے سے قاصر ہیں۔ لت نے محسوس کیا کہ وہ پڑھتے ہوئے ذرا حیران ہو رہی ہیں اور انھیں سمجھ نہیں آرہی، مگر شرم کے مارے اس سے پوچھنے کی جرأت بھی نہیں کر رہیں۔ لت اُٹھ کر ایلی کی طرف جانے لگا، مگر جانے سے قبل اس نے مُسکراتے ہوئے ماں کو بوسہ دیا۔ وہ ماں کا بہت خیال رکھتا تھا۔ اس لیے جب بھی اسے دیکھتا اس کے مُنھ پر مسکراہٹ آجاتی۔

''پہلے تو تم روزانہ باہر نہ جایا کرتے تھے؟'' ماں نے طعنے کے طور پر کہا۔ اور یہ کہتے ہوئے اُس نے اپنے دل میں کانٹا سا چبھتا ہوا محسوس کیا۔

''اب میری منگنی ہو چکی ہے،'' لت نے آہستگی سے جواب دیا۔ ''اب مجھے اپنی منگیتر کی طرف بھی تو جانا چاہیے، مگر کیا آپ میرے سوال پر غور کریں گی کہ آخر مَیں نے ایلی سے کیوں منگنی کی ہے؟ اور اب آپ کو بقیہ شام اکیلے ہی گزارنا ہوگی۔''

''ہاں، کئی روز ہی مجھے ایسا کرنا ہوگا...''

ماں نے فرانسیسی ناول پڑھنا شروع کر دیا، مگر جونہی لت نے دروازے سے باہر قدم

رکھا اُس نے کتاب نیچے رکھ کر دھندلی نظر سے اِرد گرد دیکھا۔ جب نوکرانی نے ٹرے اور چائے کا پانی لاکر آگ پر رکھا تو وہ بلاحرکت، دم سادھے کتاب کی طرف ٹکٹکی لگائے بیٹھی رہی۔ چائے کا پانی اُبل اُبل کر گیت گانے لگا اور کھڑکیوں کے ساتھ موسمِ گرما کے بعد کی پہلی سرد ہَوا ٹکرا رہی تھی۔ ماں اوتیلی اس تنہائی کے عالم میں آہ وزاری کرنے لگی۔ ''ہائے، وہ زمانہ کیا ہوا؟ ہائے، میرے ہاتھ سے تو سب کچھ ہی جا تا رہا۔ اب بہت تھوڑا سا باقی رہ گیا ہے۔ مَیں اتنی بوڑھی ہو چکی ہوں کہ میرے بال سفید ہو گئے ہیں۔ ہائے، میری زندگی میں کیا باقی رہ گیا ہے؟ عجیب امر ہے کہ جن تین مردوں سے مَیں نے شادی کی تھی وہ ابھی زندہ ہیں ابھی کچھ عرصے ہوا لت ایلی کو لے کر اپنے باپ کے پاس برسلز[1] ملنے'' گیا تھا اور تریویلی، جس سے مَیں بے حد محبت کرتی تھی، لندن میں عیش وعشرت کر رہا ہے جہاں میرے تین بچے ہیں جو خود کو بجائے ڈچ کے انگریز تصوّر کرتے ہیں۔ میری لڑکی اوتیلی نیس میں رہائش پذیر ہے، مگر وہ ایسے کام میں مصروف ہے جسے سارا خاندان ہی معیوب سمجھتا ہے۔ اب تو صرف لت ہی باقی رہ گیا ہے، مگر مَیں اسے بھی کھو بیٹھوں گی۔ یہ درست ہے کہ وہ بالعموم سفر پر رہتا تھا، مگر میرے پاس نہایت محبت سے وقت گزارا کرتا تھا۔ ڈن ہاخ میں نہ تو اس کا کوئی خاص دوست تھا اور نہ ہی وہ کسی کلب کا ممبر تھا۔ اب وہ شادی کرنے کی سوچ رہا ہے۔ ہاں، کسی جوان عورت سے شادی کرنے کے لیے وہ اتنا کم عمر بھی نہیں۔ اری! اب تو وہ اڑتیس برس کا ہو چکا ہے۔ اس نے چائے کے پانی اور چائے دان کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے انگلیوں پر بچوں کی عمریں شمار کرنا شروع کیں: اوتیلی، لت کی بہن عمر میں سب سے بڑی ہے اور وہ اکتالیس برس کی ہو چکی ہے۔ خدایا! وہ کتنی بڑی ہو رہی ہے۔ میرے تین انگریز بچوں میں سے مریم کی عمر پنتیس سال ہے، جان کی بتیس اور میرا خوب صورت ہیوگ تو اب تیس برس کا ہو چکا ہے۔ خدایا! وہ کتنے بڑے ہو رہے ہیں۔

اسے عمروں کے حساب میں دل چسپی کیا پیدا ہوئی کہ اس نے اور حساب کرنا شروع کر دیا۔ نانی کی عمر ستانوے برس اور ایلی کے دادا بوڑھے تکمہ میری والدہ سے صرف چند برس

---

[1] برسلز: (Bruxelles)، بلجیئم کا دارالحکومت۔

چھوٹے ہیں اور جب تکمہ کا خیال آیا تو اسے یاد آیا کہ وہ اس کی والدہ سے بہت اُنس رکھتے تھے جس کی وجہ سے لوگ ان کی متعلق چہ میگوئیاں بھی کیا کرتے تھے۔ اس نے سوچا، ہوسکتا ہے اس میں کچھ حقیقت بھی ہو۔ دراصل یہ اُس وقت کی بات ہے جب دونوں خاندانوں کے آپس میں اچھے تعلقات تھے: اب وہ دونوں بوڑھے ہو چکے ہیں، مگر تکمہ تا حال اتنا طاقت ور ہے کہ ہر روز ماؤرتس[۱] کادسے ناساؤلان[۲] جاتے ہوئے اُونچے پُل سے جوانوں کی طرح گزرتا ہے۔ ہاں، میری بہن تھیریس، جو پیرس میں رہتی ہے، مجھ سے آٹھ سال بڑی ہے۔ اب اُس کی عمر اڑسٹھ سال کی ہوگی اور میرا بھائی دان، جو انڈونیشیا میں ہے، اُس کی عمر ستر سال ہے۔ ہیرلڈ کی تہتر سال اور آنتوں کی پچھتر سال اور میری والدہ کی پہلی شادی سے پیدا ہونے والی لڑکی ستیفانی دے لادرس کی عمر ستتر سال ہے۔

اوتیلی چوں کہ سب سے چھوٹی تھی اس لیے ساٹھ سال کی ہونے کے باوجود خود کو دوسروں کی نسبت کم عمر ہی خیال کرتی تھی۔ دراصل عمر کا چھوٹا یا بڑا ہونا ایک نسبتی امر ہے اور یہ خیال آتے ہی ستیفانی کہا کرتی تھی: 'اب ہماری عمر میں ... ' اسے ہنسی آگئی کیوں کہ ساٹھ اور ستتر میں بڑا فرق ہے پھر اس نے اپنے کندھوں کو ہلا کر سوچا:

خیر کوئی بات نہیں۔ یہ تو بہت پہلے کی بات ہے جب ایسا ہوا، لیکن اب تو مَیں سفید چونڈے والی بوڑھی ہو چکی ہوں اور گزشتہ اعمال کا خمیازہ بھگت رہی ہوں اور باوجود ستاین کے موجود ہونے کے میری تنہائی بڑھتی ہی چلی جارہی ہے ... لو وہ گھر آیا ... مگر وہ شام کو کدھر جاتا ہے؟

اتنے میں ڈیوڑھی میں کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دی ساتھ ہی، "ٹھہر، جیک، آرام سے اِدھر آ،" ستاین کی بھرائی ہوئی آواز بھی سنائی دی جس سے وہ متنفر ہو چکی تھی۔

تو کیا مَیں کسی اور کے متعلق سوچ بچار کر رہی تھی مجھے خدا نے پانچ بچے دیے، مگر ان میں سے صرف لت ہی میرے پاس ہے۔ پہلے وہ اکثر سفر پر رہا کرتا تھا، مگر اب شادی کرے گا۔

---

۱ ماؤرتس کاد: (Mouriskade)، سڑک کا نام۔

۲ ناساؤلان: (Nassaulaan)، سڑک کا نام۔

اس بات کا خیال اس کے دل کو بھڑکانے لگا ... پھر بولی: اوتیلی تو کبھی بھی ملنے نہیں آتی۔ وہ عجیب قسم کی لڑکی ہے جسے ماں سے بالکل ہی کوئی اُنس نہیں رہا۔ وہاں، وہ تو مجالس میں گاتی پھرتی ہے اور اس وجہ سے ہر جگہ مشہور ہے۔ اس کی آواز نہایت ہی سُریلی ہے اور وہ خوش الحان ہے۔ مریم نے تو انڈونیشیا میں شادی کی ہوئی ہے اور میرے دولڑکے انگلینڈ میں ہیں۔ کاش کہ مَیں ہیوگ کو دیکھ سکوں۔ دراصل میرے تمام بچوں میں سے لت ہی میرے کام آتا اور مجھ سے پیار کرتا ہے، مگر اب وہ شادی کر رہا ہے۔ اس نے مجھ سے پوچھا ہے کہ اس نے شادی کرنے کا فیصلہ کیوں کِیا ہے؟ ہوسکتا ہے اس نے یونہی یہ سوال کِیا ہو، مگر یہ بھی ممکن ہے اس نے سنجیدگی سے ہی پوچھا ہو کہ وہ شادی کیوں کر رہا ہے؟ تو کیا کوئی ایسا بھی ہے جو نفسانی جوش میں شعور سے کام لیتا ہو اور جو کچھ کرتا ہو اس کی وجہ اور علّت بھی اسے معلوم ہو۔ مَیں بھی تو تین دفعہ نفسانی خواہش کے مطابق شادی کر چکی ہوں۔ شاید اوتیلی کی بات صحیح ہو ... نہیں ... لوگوں کا اور دنیا کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے مَیں اوتیلی کی طرح زندگی نہ گزار سکتی تھی کہ کسی سے بھی نہ ملوں۔ یہی وجہ تھی کہ مَیں نے تین بار شادی کی۔ شاید مجھے ہرگز ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ ہوسکتا ہے اگر مَیں ایسا نہ کرتی تو یہ بہت سے لوگوں اور بہت سی دوسری باتوں کے لیے فائدہ مند ہوتا۔ افسوس، اب تو سب کچھ جاتا رہا ہے ... میری زندگی بھی ... سب کچھ اس طرح غائب ہو گیا کہ نام ونشان تک مٹ چکا ہے۔ ہائے میرے پاس کچھ تھا، مگر وہ کھو گیا اور اب غم واندوہ اور افسردہ خاطری کے سوا کچھ بھی نہیں بچا۔

اس روز وہ ان تمام امور کے متعلق گہری سنجیدگی کے ساتھ سوچ بچار کر رہی تھی حالاں کہ وہ اس طرح غوروفکر سے کام لینے کی عادی نہ تھی ... اچھا تو اب سوچنے کا بھلا کیا فائدہ۔ مَیں نے پہلے بھی اپنی زندگی پر غوروخوض کِیا تو ٹھیک طرح سے نہ کِیا اور جب مَیں نے اپنے آپ کو خواہشاتِ نفسانی کے آگے جُھکا دیا تو اس سے اور بھی بُرے نتائج پیدا ہوئے۔ جب انسان کی زندگی اس کے خون میں سُلگنے والی طاقت ور خواہشات کے نیچے دب جائے تو پھر اسے زندہ رہنے کی خواہش رکھنے کا کیا فائدہ؟

اوتیلی نے پھر سے فرانسیسی ناول پڑھنا شروع کر دیا کیوں کہ اب ستاین دی ویرت آ گیا تھا اور اس کے آگے آگے کودتا ہوا کتا اندر داخل ہوا۔ دیکھنے والے کہہ سکتے ہیں کہ ستاین کے آنے پر اوتیلی اپنے آپ کو کس قدر بوڑھا محسوس کرنا شروع کر دیتی تھی۔ پریشانی اور گھبراہٹ سے اس کے رخسار کا پِنا شروع ہو جاتے اور مُنھ اور ناک کی جھریاں اور گہری ہو جاتیں۔ اب جب وہ اپنے بالوں کی پنیں پکڑ کر کتاب کے اوراق جُدا کر رہی تھی تو اس کی اُنگلیاں کپکپا رہی تھیں۔ اس کی کمر اُس بلی کی طرح اوپر کو اُٹھی ہوئی تھی جو اپنا دفاع کر رہی ہو۔ بغیر بولے اس نے چائے پیالی میں ڈال دی اور کتے کو بلایا اور جب وہ اس کے پاس پہنچا تو بے حد خوش ہوئی اور پیار سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا۔ کتا ایک دفعہ پھر بھونکا اور اوتیلی کے پاس اُس کی لمبی قمیص کے کنارے پر بیٹھ گیا اور ہانپنے لگا۔ ستاین دی ویرت نے بیوی کے سامنے بیٹھ کر چائے پینا شروع کی۔ اس طرح بیٹھا دیکھ کر انھیں میاں بیوی خیال کرنا دشوار تھا کیوں کہ بیوی کے مقابلہ میں ستاین کم عمر، سڈول اور مضبوط جسم رکھتا تھا۔ اس کی عمر پچاس برس تھی اور اس کا چہرہ باہر کُھلی ہَوا میں رہنے کی وجہ سے تروتازہ اور خوب صورت تھا اور اس کی حرکات وسکنات میں تسلّی اور اطمینان پایا جاتا تھا۔ اس نے نوجوانی کی زندگی عزتِ نفس کی خاطر ایک زیادہ عمر کی عورت کے ساتھ شادی کر کے ضائع کر دی تھی۔ اس کے دل میں مایوسی ہی مایوسی تھی اور بہتری کی کوئی امنگ اور خواہش موجود نہ تھی۔ وہ کہا کرتا تھا جو خاک میں مل گیا سومل گیا۔ ضائع کی ہوئی زندگی واپس نہیں آسکتی، لیکن باہر کی تروتازہ اور کُھلی ہَوا تو میسّر ہی ہے اور میں اب بھی شکار کھیلنے جاتا ہوں جس طرح پہلے اور اکٹھے بیٹھ کر شراب نوشی کرنے کے لیے میرے پرانے فوجی دوست بھی ہیں جو فوج میں، جب مَیں وہاں افسر تھا، میرے ساتھ ہوا کرتے تھے، اس کے علاوہ میرا یہ چھوٹا سا مکان بھی ہے اور وہ بوڑھی عورت جسے مَیں نے قبول کر لیا تھا کیوں کہ ایسا کرنے کے سوا کوئی اور چارہ نہ تھا۔ جہاں تک ہوسکتا وہ اس کی مرضی کے مطابق چلتا کیوں کہ وہ بہت ضدی اور جلد جوش میں آ جانے والی تھی، مگر وہ اپنی سرومہری پر اڑا ہوا تھا۔

لت بہت اچھا نوجوان تھا مگر قدرے کم زور اور عجیب قسم کے مزاج کا مالک تھا۔ اس

میں تھوڑی سی نسوانیت بھی پائی جاتی تھی۔ اپنی والدہ کے ساتھ اس کے تعلقات بہت اچھے تھے۔ ستاین اسے پسند کرتا تھا کہ وہ بھی ان کے ساتھ رہتا ہے۔ اس نے لت کو کام کرنے کے لیے سب سے اچھا کمرادے رکھا تھا۔ پھر ستاین سوچنے لگا: اس کے علاوہ بھی کچھ اور باتیں ہیں، مگران کی کوئی پروانہیں۔ اگرچہ میرے گھنے بال ذرا سفید ہونا شروع ہوگئے ہیں، مگرابھی میں جوان ہی ہوں۔ یہ بات مضحکہ خیز ہے کہ جس عورت سے مَیں نے عزت اور رکھ رکھاؤ کی خاطر شادی کی تھی اب بوڑھی ہوچکی ہے، مگر جب تک مجھ میں طاقت ہے اور مَیں صحت مند ہوں اپنی زندگی کو دوزخ نہ بننے دوں گا۔ وہ لاتعلق رہ کر تمام تفکرات بھول جایا کرتا تھا، لیکن اس کی یہی عادت بیوی کو خفا کرنے کا موجب ہوا کرتی تھی۔ چناں چہ جب وہ اندر آیا تو اس کی بیوی خود کو گھبرائی ہوئی ہراساں بلی کی طرح محسوس کرنے لگی۔ اس نے ایک لفظ بھی نہ بولا اور خاموشی سے چائے پینے میں مشغول ہوگیا اور جو اخبار وہ ساتھ لے کر آیا تھا اُسے پڑھنا شروع کر دیا۔ اس کمرے میں، جس کی کھڑکیوں کے ساتھ تیز ہَوا ٹکریں مار رہی تھی، صرف آتش دان سے گیس جلنے کی ساں ساں سنائی دے رہی تھی۔ کتا اپنی مالکہ کی لمبی قمیص کے دامن پر سویا خراٹے لیتا خواب دیکھ رہا تھا اور بعض اوقات جب وہ لمبی لمبی آہیں بھرتا سنائی دیتا تو مالکہ کہتی: ''آرام سے سو۔ مت ڈر۔'' اس کے علاوہ دونوں میں سے کسی نے کوئی لفظ نہ بولا۔ ایک کتاب کے مطالعے میں مصروف تھی اور دوسرا اخبار پڑھ رہا تھا۔ یہ دونوں قانونی لحاظ سے ایک دوسرے کے ساتھ بندھے ہوئے تھے کیوں کہ اسے اپنی عزت کی خاطر ایسا کرنا پڑا تھا۔ بیس برس پہلے کا قصہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے پر دل و جان سے فریفتہ ہوگئے اور ان کے لیے ایک دوسرے کے بغیر رہنا دشوار ہوگیا۔ اس وقت ستاین کی عمر تیس سال کی تھی اور وہ فوج میں لیفٹیننٹ کے عہدے پر فائز تھا۔ وہ نہایت ہی خوب صورت جوان تھا۔ اس وقت اس نے بیگم تریویلی کو دیکھا جس کی عمر اسے معلوم نہ تھی، مگر عمر کا معلوم ہونا یا نہ ہونا کوئی وقعت نہ رکھتا تھا کیوں کہ وہ جہاں بھی کوئی ایسی خوب صورت اور حسین عورت دیکھتا جو اس کا دل موہ لیتی تو اس کا خون جوش مارنا شروع کر دیتا تھا۔ اور وہ مصمم ارادہ کر لیتا تھا کہ اس کے ساتھ رنگ رلیاں منائے بغیر سانس نہیں لے گا۔

اگرچہ اس وقت اس کی عمر چالیس برس تھی پھر بھی وہ نہایت حسین تھی اور اسے ''خوب صورت لیچے[1]'' کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ وہ چھوٹے قد کی، مگر شکل وصورت میں کامل تھی۔ اُس کا چہرہ نہایت دلکش اور گردن اور چھاتیاں بہت موزوں تھیں۔ رنگ شہد ملا دودھ جیسا سفید اور چہرے پر کچھ سنہری تل تھے۔ اس کی نیلی نیلی آنکھیں بہت ہی پیاری اور گٹھے اور خم دار بال اس کے حسن میں مزید اضافہ کرتے تھی۔ وہ بے حد موہنی اور کسی بچے کی طرح بھولی بھالی دکھائی دیتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ مردوں کے جذبات اُبھارنے کے سوا اور کسی مقصد کے لیے دنیا میں نہیں آئی۔ جب ستاین دی ویرت نے اسے پہلی بار ڈچ انڈونیشین کلچر ہاں، ڈن ہاخ میں بدیں صورت دیکھا تو وہ ایک انگریز سے دوسری شادی کر چکی تھی جس نے انڈونیشیا میں کافی کی تجارت سے بہت مال بنایا تھا۔ ستاین نے اسے تین بڑے بچوں کے ساتھ دیکھا تھا۔ بچی کی عمر پندرہ سال اور دوسرے دولڑکے لڑکی سے ذرا کم عمر تھے اور جب اسے بتایا گیا کہ پہلے خاوند سے بھی دو بچے ہیں جس سے اس نے تریویلی سے شادی کرنے کے لیے طلاق لی تھی: ایک لڑکی لاؤک[2] میں موسیقی کے سکول میں پڑھتی ہے اور لڑکا، جس کی عمر اٹھارہ سال ہے، گھر پر ہے تو وہ ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔ دراصل حسینہ لیچے نے چھوٹی عمر میں ہی انڈونیشیا میں شادی کر لی تھی، لیکن اس کی ظاہری خوب صورتی میں کوئی فرق نہ آیا تھا۔ جب اُسے اس عورت کے متعلق مزید اطلاعات ملیں تو نو جوان فوجی افسر اسے اور نظروں سے دیکھنے کی کوشش کرنے لگا، لیکن اُسے بالکل یقین نہ آتا تھا کہ بیگم تریویلی کی عمر چالیس برس ہے۔ ابھی وہ انھیں سوچوں میں غلطاں تھا کہ اُن کی آنکھیں آپس میں چار ہوئیں جس سے اُسے معلوم ہوگیا کہ وہ بھی اُسے چاہتی ہے اور وہ خود بھی اس پر فریفتہ ہے۔

وہ سب کچھ بھول گیا اور سوچنے لگا: اس خوشی سے بھلا کیوں نہ لطف اندوز ہوا جائے۔ ایسی دل رُبا عورت کے ساتھ ایک لمحہ بھی بہت بڑی قیمت رکھتا ہے۔ ایسے موقعوں پر پہلے وہ

---

[1] لیچے: (Lietje)، گیت۔
[2] لاؤک: (Luik)، بلجیم کا ایک شہر۔

خیال کیا کرتا تھا کہ ایک دو ہفتوں یا مہینوں کے بعد ہر ایک اپنی اپنی راہ لے گا، لیکن اب وہ انڈونیشیا میں نہیں بلکہ ڈن ہاخ میں تھا۔ بد معاش تریویلی ان کی عاشقانہ دل چسپیوں سے اُلٹا فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا کہ افواہ پھیلنے پر وہ رسوائی کو دور کرنے کے لیے بہ ظاہر طیش اور غصے میں آکر اس عورت کو طلاق دینے میں حق بجانب ہو۔ اور اُس نے ایسا ہی کیا، کیوں کہ جب ڈن ہاخ کے رہنے والوں نے اس عورت کو اپنے عاشق کے ساتھ اس طرح باتیں کرتے دیکھا تو لوگوں نے ان کے متعلق چہ میگوئیاں کرنا شروع کر دیں۔ ستاین چوں کہ نہایت دیانت دار شخص تھا اس لیے اب وہ اس بڑھیا کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔

انھوں نے آپس میں کوئی بات نہ کی۔ چائے پی گئی اور چائے کے خالی برتن نوکرانی اُٹھا کر لے گئی۔ جیک لگاتار خواب دیکھ رہا تھا اور باہر کھڑکیوں کے ساتھ ہَوا ٹکریں مار رہی تھی۔ اوتیلی جلدی جلدی، ورق الٹتی جارہی تھی۔ ستاین نے جنگ کی خبریں پڑھنے کے بعد اشتہارات پڑھے۔ میاں بیوی کے اِرد گرد کمرا ویسا ہی تھا جیسا کئی سال پہلے۔ اس کمرے میں کوئی ذاتی قسم کی چیز موجود نہ تھی اور نہ ہی یہاں کوئی رونق تھی۔ شیشے کے خول والے کلاک کا پنڈولم ہمیشہ کی طرح ٹک ٹک کر رہا تھا۔ ان کی بیٹھک اب ایک ایسی انتظار گاہ دکھائی دیتی تھی جہاں سے سب لوگ جا چکے ہوں اور صرف دو انسان ٹکٹکی باندھے کسی کا انتظار کر رہے ہوں۔ وہ دونوں کس کے انتظار میں تھے؟ وہ آہستہ آہستہ اپنی زندگی کے خاتمے یعنی موت کے منتظر تھے۔ ستاین نے خود کو قابو میں رکھتے ہوئے پھر اخبار پڑھنا شروع کیا، اس کی بیوی نے یک لخت کتاب بند کر دی اور بولی:

''فرانس[1]''

''ہوں...''

''مَیں نے ابھی ابھی لت کے ساتھ بات کی ہے، مَیں دریافت کرنا چاہتی ہوں اگر وہ ایلی کے ساتھ ہمارے یہاں رہنے کا ارادہ کرے تو تمھیں اعتراض تو نہ ہوگا؟''

---

[1] فرانس: ستاین دے ویرت کے نام کا پہلا حصہ۔

''نہیں، بلکہ خوشی ہوگی۔''

ستاین کا پُرسکون لہجے اور اثبات میں جواب دینا بیوی کی اپنی خواہش کے خلاف تھا۔ شوہر کا جواب اسے اکسانے کا موجب ہوا۔ وہ کہنے لگی:

''مگر یہ آسان نہ ہوگا۔''

''کیوں نہیں؟''

''کیوں کہ یہ گھر بہت چھوٹا ہے۔''

''اچھا تو پھر ہم گھر تبدیل کرلیں گے۔''

''بڑا مکان زیادہ خرچ چاہتا ہے، کیا تمھارے پاس اس خرچ کو پورا کرنے کے لیے رقم ہے؟''

''میرا خیال ہے کہ لت کی تنخواہ اور ایلی کے ورثے کی آمدنی کو ملا کر گزر ہو سکے گی۔''

''نہیں، بڑا گھر بہت مہنگا ثابت ہوگا'' بیوی نے کہا۔

''تو پھر اسی گھر میں رہیں گے۔''

''یہ بہت چھوٹا ہے!''

''تو پھر ہم اکٹھے نہیں رہیں گے۔''

اس پر اوتیلی غصّے سے بھڑک اٹھی اور بولی: ''نہیں، بالکل نہیں۔ اس ملعون پیسے کی وجہ سے ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ مَیں واضح کر دینا چاہتی ہوں کہ اگر لت نے شادی کرلی تو پھر مَیں ... مَیں کر سکتی ...'' اس نے غصے کی شدت کی وجہ سے تتلانا شروع کر دیا۔

''اچھا تو پھر کیا کِیا جائے؟'' خاوند بولا۔

''تب مَیں اکیلی تمھارے ... ساتھ نہیں رہ سکتی اور... مَیں اوتیلی کے پاس نیس چلی جاؤں گی۔''

''چلی جاؤ۔''

وہ سکون اور بے پروائی سے جواب دے کر اخبار پڑھنے میں مصروف ہوگیا۔

اور اوتیلی نے یہ کہتے ہوئے زار وقطار رونا شروع کر دیا۔

''تم اب میری پرواہ نہیں کرتے۔''

ستاین نے اپنے کندھوں کو جنبش دی، کمرے سے نکلا اور اوپر چلا گیا اور کتا بھی کودتا اور بھونکتا ہوا اس کے ساتھ چل دیا۔

جب اوتیلی اکیلی رہ گئی تو اس نے فوراً رونا بند کر دیا کیوں کہ جانتی تھی کہ وہ بچوں کی طرح فوراً آگ بگولہ ہو جاتی ہے اور وہ خود سے کہنے لگی: ''اس روز افزوں تنہائی میں بھلا زیادہ عمر پانے کی کیا ضرورت ہے؟''

وہ ایک ایسی سفید بالوں والی بڑھیا کی صورت اس بے رونق کمرے میں تنِ تنہا بیٹھی تھی جس کا سب کچھ جاتا رہا ہو اور وہ کہہ رہی تھی: ''کاش میرا بچہ، لت، میرے پاس رہے۔''

پہلے تو اس نے حسد پر قابو رکھا، مگر اب لت کی ایلی کے ساتھ شادی کا خیال آنے سے وہ بے قابو ہوگئی اور ستاین کے خلاف بھڑک اُٹھی جس کا سامنا اسے ناگوار محسوس ہوتا تھا۔ وہ پھر حسد کرنے لگی۔ دراصل وہ ہر اس شخص سے حسد کرتی تھی جسے اس کا خاوند پسند کرتا تھا۔

''ہائے، اب تو وہ بہت بے اعتنائی برتتا ہے اور میری بالکل پروا نہیں کرتا۔ اس لیے کہ مَیں بوڑھی ہو چکی ہوں۔ ہائے، اب وہ کوئی محبت بھرا لفظ نہیں کہتا اور نہ کبھی میری پیشانی پر بوسہ دیتا ہے۔'' لت کی وجہ سے اُسے ایلی پر رشک آتا تھا اور لت سے وہ ستاین کی وجہ سے حسد کرتی تھی کیوں کہ وہ لت کو اس کی نسبت زیادہ پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتا تھا۔

''ہائے، زمانہ کتنا ظالم ہے کہ اس نے آہستہ آہستہ مجھ سے سب کچھ چھین لیا۔ وہ محبت کا زمانہ گزر گیا جس میں مجھ سے بے حد پیار کیا جاتا تھا۔ سب کچھ گزر چکا ہے، اب میرا کتا بھی ستاین کے ساتھ چلا گیا ہے۔ اب تو کوئی متنفس بھی مجھ سے پیار نہیں کرتا۔ لت نے بھلا اچانک شادی کرنے کی کیوں ٹھان لی ہے؟''

اس کی معصوم آنکھیں آنسوؤں سے تر ہوگئیں اور وہ دور ماضی کی راہیں دیکھنے لگی جب وہ

خوب صورت لیچھی اور کبھی کچھ اُس کے لیے تھا۔ محبت، پیار، کھیل کود، ہنسی مخول ۔ اور کبھی میرا ہی نام الاپتے تھے اور مجھی سے ہی التجائیں کرتے تھے کیوں کہ مَیں نہایت ہی خوب صورت، خوش وخرم اور دلکش تھی ۔ میری مسکراہٹ قابلِ ستائش تھی اور میرے مزاج کی تلخی بھی بہتوں کے لیے فرحت بخش ہوتی تھی ۔ مگر باوجود ان باتوں کے مجھ میں حسد کی آگ بھی بہت تھی ۔ مجھے اُس وقت قدرت نے وہ سب کچھ دیا تھا جو مردوں کو کسی خوب صورت عورت پر فریفتہ کر دیتا ہے ۔ وہ باوجود آنسوؤں کی بوچھاڑ کے مسکرااُٹھی اور ماضی کی یادیں دور کے بادلوں کی طرح چمکنے دمکنے لگیں ۔ ہائے، میری کتنی پوجا ہوتی تھی! وہ سب مرد یا تو بوڑھے ہو چکے ہیں یا مرکھپ چکے ہیں، لیکن میرے تینوں خاوند ابھی زندہ ہیں ۔ ستاین ابھی جوان ہے اور کم عمر ہے ۔ اگر وہ اتنا کم عمر نہ ہوتا تو مَیں دیر تک اس کی دل چسپی کا باعث بنی رہتی اور ہم آپس میں محبت پیار سے رہتے ۔ جوانی کے ایام گزر جانے کے بعد بوڑھے لوگ بھی تو آپس میں خوش وخرم رہ سکتے ہیں ۔ لیکن اب کیا کرنا ہے ؟ تنِ تنہا ایک بڑھیا کے طور پر بستر میں سونا ہے اور پھر صبح کو جاگ کر اپنے بڑھاپے کے دنوں میں ایک اور دن کا اضافہ کرنا ہے ۔ ہائے، مجھے یہ وقت کیوں دیکھنا پڑا! مَیں بچپن مَیں ہی راہیِ ملکِ بقا کیوں نہ ہوگئی ۔

اس نے نوکرانی کو دروازہ بند کرنے کے لیے بلایا ۔ اس کی یہی عادتیں تھیں جو روز مرہ کی بے اطمینانی کا باعث بنتی تھیں ۔ وہ اوپر چلی گئی ۔ اس کا مکان بہت چھوٹا تھا ۔ نیچے ایک دوسرے میں کھلنے والے دو کمرے تھے، ان کے اوپر، پہلی منزل پر، دو چھوٹے کمرے اور ایک کپڑے تبدیل کرنے کا کمرا اور ساتھ ہی ایک حجرہ سا جہاں لت رہتا تھا ۔ ستاین نے سب سے اوپر چھت والے کمرے میں اپنا پلنگ بچھایا ہوا تھا تاکہ اس میں کوئی شک وشبہ نہ رہے کہ وہ اپنی بیوی کے قریب ہے ۔

کپڑے بدلتے ہوئے اسے خیال آیا اگر ایلی اس مکان میں گزارہ کرنے پر راضی ہو جائے تو وہ اسے تین کھڑکیوں والا بڑا کمرہ دے دے گی اور خود لت والے حجرے میں بستر لگائے گی ۔ مَیں نے آخر سونا ہی ہے اور کیا کرنا ہے ۔ کاش ان کے ہاں جلد بچے پیدا نہ ہوں...

کاش لت میرے ہاتھ سے کلی طور پر نہ جاتا رہے۔ اس نے مجھ سے پُوچھا تھا کہ اس نے ایلی سے شادی کرنے کا ارادہ کیوں کِیا ہے؟ ہوسکتا ہے اس نے یہ سوال اپنی عادت کے مطابق مذاقاً کِیا ہو، مگر ایسا پوچھنا مناسب نہ تھا میں خوش ہوں کہ اسے نہایت سکون سے جواب دیا اور بھڑک نہ اُٹھی، لیکن اس کی بات تیر کی طرح میرے دل میں لگی اور اسے چھلنی کر ڈالا۔ لیکن اب میری محبت اور میرا پیار کسی اور طرف جا رہا ہے۔

وہ افسردہ خاطر اور قسمت سے نالاں بستر پر لیٹ گئی۔ اس کے اِرد گرد سونے کا کمرا سنسان پڑا تھا۔ وہ ایک ایسی عورت کی خواب گاہ تھا جسے چھوٹی چھوٹی عیش وعشرت کی چیزوں کی پروا نہ ہو اور جو صرف اور صرف محبت اور پیار کی بھوکی ہو۔ مثلاً مادرانہ لگاؤ اور بناؤ سنگار کی عادت جو عام طور پر شہری عورتوں کا خاصا ہوتی ہے۔ وہ کسی شوقین مزاج عورت پر رشک بھی نہ کرتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ وہ بہ ذاتِ خود دل کش ہے اس لیے اسے دوسری چیزوں کے ذریعے دل ربائی پیدا کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ وہ ان چیزوں سے متنفر تھی اور طبعاً مادرانہ حس سے خالی تھی۔

ہائے، اب مَیں بوڑھی اور تنہا ہوں اور ٹھنڈے بستر میں اکیلی پڑی ہوں اور آج میرا دلا سا بھی موجود نہیں جو لت کی صورت میری طرف آتا اور سوتے وقت مجھے پیار سے بوسہ دیتا۔ لت اکثر اوقات میری پیشانی اور رخسار پر ہاتھ پھیر کر کہا کرتا ہے: ''اماں جی، ابھی تو آپ کے رخسار بہت نرم ہیں۔'' اب وہ گھر آنے پر خیال کرے گا کہ مَیں سو رہی ہوں اس لیے خود بھی سونے کے لیے چلا جائے گا۔ وہ تن تنہا لیٹی آہیں بھر رہی تھی کہ لت کے کمرے کے اوپر ستاین کے پاؤں کی آواز اس طرح سنائی دی گویا وہ کچھ کوٹ رہا ہے۔ نوکرانی سونے کے لیے اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔ اس نے کان لگا کر کمرے میں کچھ شور اور دروازے کھلنے کی آواز سنی۔ جوتے رکھنے اور پانی پھینکنے کی آوازیں بھی سنائی دیں۔ پھر بالکل سکوت طاری ہوگیا۔ اسے گمان تھا کہ وہ کسی بوڑھی کبی کے پاس جاتا ہے، لیکن وہ خوش تھی کہ اسے وہاں کچھ نہیں مل سکتا تھا۔ ابھی گیارہ بھی نہ بجے تھے، لیکن اس کے باجود اس گھر پر سناٹا چھا چکا تھا۔ وہ

بڑبڑانے لگی: ''کیا میں سوگئی تھی؟ اب اچانک کیوں جاگ پڑی ہوں؟'' سیڑھیوں پر کسی کے چلنے کی آواز سنائی دی۔ کیا لت گھر آیا ہے یا ستاین تھا جو دبے پاؤں باہر نکل گیا ہے۔ لت تھا یا ستاین، اس کا دل گھبرانے لگا۔ وہ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی اور لاشعوری طور پر دروازہ کھول کر باہر جھانکا تو ڈیوڑھی میں دیا سلائی جلانے کی روشنی نظر آئی۔

اُس نے آواز دی: ''لت، تم ہو؟''

''نہیں مَیں ہوں،'' ستاین کی آواز سنائی دی۔

''فرانس، تم ہو؟''

''ہاں، مَیں ہی ہوں۔ کیا بات ہے؟'' اس کی آواز میں کچھ تلخی پائی جاتی تھی کیوں کہ اوتیلی کو اس کے چپکے سے باہر نکلنے کا پتہ چل گیا تھا۔

''کیا کرنے جارہے ہو؟'' بیوی بولی۔

''یونہی،'' خاوند نے جواب دیا، ''ذرا باہر جارہا ہوں۔''

''رات کو اس وقت۔''

''ہاں، مجھے نیند نہیں آرہی اس لیے ہَوا خوری کے لیے باہر جارہا ہوں۔''

''فرانس، تم مجھ سے چالبازیاں کر رہے ہو۔''

''یہ بھلا کیسے ہوسکتا ہے؟''

''مَیں بہت گھبرا رہی ہوں،'' وہ بولی۔ ''لت ابھی گھر پر نہیں اس لیے تم ذرا ٹھہر جاؤ۔ فرانس، گھر پر ہی رہو۔'' اس کی آواز میں اب التجا پائی جاتی تھی۔

''مجھے ذرا ہَوا خوری کی ضرورت ہے۔''

''تمھیں ضرورت ہے...'' وہ غصّے کے مارے آپے سے باہر ہورہی تھی اس لیے فقرہ مکمل نہ کرسکی۔ چھت کے کمرے کی کھڑکی کھولے نوکرانی یہ تماشا دیکھ رہی تھی اور مسکرا رہی تھی۔ اوتیلی کو علم تھا کہ وہ ان پر ہنستی ہے، اس وجہ سے اُسے اور بھی غصہّ چڑھا ہوا تھا اور اس کا گلا بند ہوا جارہا تھا اور گھبراہٹ کے مارے رات کو سونے والے لباس میں اُس کا سارا جسم کپکپاتا ہوا

دکھائی دے رہا تھا۔ ستاین دروازے سے باہر تھا اور وہ سیڑھیوں پر کھڑی اسے تکے دکھا رہی تھی اور اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور اس کی بچوں جیسی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔ وہ رات کو سونے والے لباس میں ہی کود کر اس کے پیچھے جانا چاہتی تھی، مگر نوکرانی سے شرما کر اس نے اپنے اوپر قابو رکھا اور کمرے میں واپس آ کر لیٹ گئی۔ وہ رو رہی تھی، مگر نہایت آہستہ آہستہ تا کہ نوکرانی سن کر اس سے مزید لطف نہ اُٹھائے۔

''ہائے، میرے دل کو تیر نے زخمی کر دیا ہے جس سے میرے دل و جسم میں سخت درد ہونا شروع ہو گیا ہے۔'' دراصل جسے ایسا تجربہ نہ ہوا ہو اسے قطعاً علم نہیں ہو سکتا کہ اس قسم کے نفسیاتی واقعے سے جسمانی درد بھی ہو سکتا ہے اور ڈاکٹر سے مشورہ لینے کی ضرورت بھی پیش آ سکتی ہے۔

''ستاین کہاں چلا گیا ہے؟ وہ ابھی بہت جوان اور خوب صورت نظر آتا ہے۔ وہ میرا خاوند اور میرا مرد ہے۔ ہائے، مَیں تو اب بوڑھی ہو چکی ہوں۔ اسے مجھ سے محبت کیوں نہیں رہی؟ مَیں نے تو اب کبھی اس کا ہاتھ تک نہیں چھوا۔ کبھی ہمارا آپس میں بڑا پیار تھا۔ ہائے، اب تو وہ بوڑھوں جیسا محبت بھرا بوسہ بھی نہیں دیتا۔''

اس نے ٹھان لی کہ وہ بستر میں جانے کی بجائے انتظار کرے گی۔ کیا ستاین جلدی واپس نہیں آئے گا۔ ہاں دیکھو، ستاین واپس آ رہا ہے... نہیں، وہ تو لت ہے۔ اسے کمرے کے دروازہ میں چابی گھمانے اور دبے پاؤں چلنے کی آواز سے پتا چلا اور اس نے دروازہ کھول کر آواز دی:

''لت۔''

''جی، ماں جی، آپ ابھی تک نہیں سوئیں؟''

''نہیں، میرے پیارے بچے! لت، ذرا اِدھر آ۔''

لت اس کے کمرے میں گیا۔ وہ کہنے لگی: ''لت، ستاین تو باہر نکل گیا ہے۔''

''اچھا، ستاین باہر چلے گئے ہیں؟''

''وہ پہلے تو اپنے کمرے میں گیا تھا اور پھر جب وہ چپ چاپ سیڑھیاں اُتر کر باہر جا رہا تھا تو مجھے پتا چل گیا۔''

''ماں جی، انھوں نے آپ کو جگانا پسند نہیں کیا ہوگا۔''

''ہاں، مگر وہ گیا کدھر ہے؟''

''وہ کہیں سیر کے لیے گئے ہوں گے۔ وہ بالعموم ایسا کیا کرتے ہیں اور اِس وقت ہَوا کے بند ہونے کی وجہ سے دم بھی گھٹا جا رہا ہے۔''

''کیا وہ سیر کو گیا ہے؟ لت، کیا وہ سیر کو گیا ہے؟ نہیں ... وہ گیا ہوگا۔''

لت نے موم بتی کی روشنی میں دیکھا کہ وہ بہت مشتعل ہے اور سونے والے سفید لباس میں اس کا جسم منھ زور گھوڑی کی طرح کانپ رہا ہے اور اس کی ہر پیاری چیز غضب میں بھڑک رہی ہے۔

لت نے اسے جوش میں آئے ہوئے بچے کی طرح اپنے بازوؤں میں لے لیا اور نہایت آرام سے اس کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہنے لگا: ''ماں جی، ذرا آرام کریں۔ ماں جی، اِدھر آئیں۔''

اس کی ماں زار و قطار رو رہی تھی۔ اور وہ نہایت محبت اور شفقت سے کہہ رہا تھا: ''ماں جی، آپ بہت مبالغہ کر رہی ہیں۔ دراصل آپ کچھ دنوں سے سخت پریشان اور گھبرائی ہوئی ہیں۔ اچھا اگر آپ کی گھبراہٹ اور پریشانی کا یہی باعث ہے تو پھر مَیں شادی ہی نہیں کرتا۔'' وہ اس طرح کی چاپلوسانہ باتیں کرتے ہوئے اسے بستر کے قریب لے آیا، تکیہ ٹھیک کر کے کمبل بچھا دیا اور کہنے لگا:

''ماں جی، اب آپ سو جائیں اور پھر ایسی جاہلانہ حرکت نہ کریں۔ ستاین صرف سیر کے لیے گئے ہیں۔ آپ نہ تو ان کا خیال دل میں لائیں اور نہ کسی اور کا۔ ماں، میری نادان ماں، سو جایئے۔'' پھر وہ اس کے رخساروں پر ہاتھ پھر کر کہنے لگا: ''ابھی تو آپ کے رخساروں کی جلد بہت ہی ملائم ہے۔''

۲

آدیلے، ایلی کی پھُپھی ، اس بات سے بہت خوش تھی کہ ایلی اب پھر خوش وخرم نظر آنے لگی ہے۔ اسے محسوس، ہوا کہ ایک بیس سالہ نوجوان لڑکی بے وفائی کے دھکے سے جلد ہی رو بہ صحت ہونے کی استعداد رکھتی ہے۔ کچھ عرصہ قبل اپنی منگنی ٹوٹ جانے کی وجہ سے ایلی بالعموم افسردہ خاطر رہا کرتی تھی۔ منگنی کے ٹوٹنے کا باعث اس کے منگیتر کی بے وفائی تھی جو ایلی سے ملاقات کر کے واپس جانے کے بعد اپنی ایک پوشیدہ دوست کے پاس چلا گیا تھا اور جب ایلی کو اس کی خبر ہوئی تو اُس نے منگنی توڑ ڈالی۔ اب لت پاؤس کی وجہ سے وہ یوں خوش وخرم نظر آتی تھی گویا اس کی قسمت جاگ گئی ہو۔ وہ جب خوشی سے ہنستی تو اس کے رخسار گلاب کے پھول کی مانند سرخ دکھائی دینے لگتے تھے۔ ایلی کی پھُپھی، آدیلے، بہت موٹی تھی اور اس کی چھاتیاں بہت بھاری تھیں لیکن وہ بہت تروتازہ دکھائی دیتی تھی۔ اس میں امورِ خانہ داری سرانجام دینے والی رشتہ دار عورتوں والا احساسِ کمتری نام کو بھی نہ تھا بلکہ وہ بحثیت گھر کی مالکہ کے سب امور کا احسن طریقے سے انتظام کیا کرتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا گویا گھر کے معاملات کی دیکھ بھال کرنا ہی اس کی زندگی کا اصل مقصد ہے۔ وہ کبھی انڈونیشیا نہ گئی تھی، لیکن دادا تکمہ کے گھریلو معاملات کا ایک حقیقی ڈچ عورت کی طرح انتظام کرتی تھی اور ایلی کو اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنے میں کسی قسم کی رکاوٹ نہ بنتی تھی۔ ایلی کی اُمنگیں اور رجحانات انواع و اقسام کے تھے۔ وہ اپنی خواہش کے مطابق کسی کام کو شروع کر کے اسے ایک خاص مرحلۂ تکمیل تک پہنچا کر چھوڑ دیتی اور پھر کوئی اور کام اختیار کر لیا کرتی۔ بیس برس کی عمر میں ہی اُس نے ٹینس کھیلنے میں کمال حاصل کر کے مقابلوں میں بہت سے تمغے جیت لیے تھے۔ اخبارات میں اس کے کھیل کی عمدگی اور جوش کی ہمیشہ ہی تعریف کی جاتی تھی۔ جب ایلی کو ٹینس میں کمال حاصل ہوگیا تو اس نے اچانک اپنا ریکٹ تمغوں سے آراستہ کر کے ایک سُرخ فیتے کے ساتھ دیوار پر لٹکا دیا اور رفاہِ

عامہ کے کاموں، یعنی غرباء پروَری اور بیماروں کی تیمارداری، میں مشغول ہوگئی۔ وہ اپنے فرائض بہ دِل و جان سرانجام دیا کرتی تھی اس لیے رفاہِ عامہ کی کمیٹی کی مجلسِ انتظامیہ نے اس بہت داد دی۔ ایک دفعہ جب ایک زخمی مرد نے اسے اپنی ٹانگ کا زخم دکھایا تو اس پر غشی طاری ہوگئی اور اس نے سوچا وہ ہمدردیِ خلق کے کام میں حد سے آگے نکل چکی ہے چناں چہ وہ مستعفی ہوگئی، مگر اس کی ہنرمند انگلیاں بھلا کیسے آرام کرسکتی تھیں۔ اس نے ٹوپ بنانے شروع کر دیے اور ساتھ ساتھ مٹی سے بُت سازی کا کام بھی جاری رکھا۔ ان دونوں فنون میں وہ جلد ہی ماہر ہوگئی۔ وہ اتنے اچھے ٹوپ بنانے لگی کہ اُس کے دل میں فیشن کا کاروبار شروع کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ مٹی سے چیزیں بنانے میں تو اسے بہت جلد یدِطولیٰ حاصل ہوگیا تھا۔ ابھی اس نے چند ہی اسباق لیے تھے کہ نمونوں کے عین مطابق چیزیں بنانے کے فن میں اسے بے حد مہارت ہوگئی۔ اُس نے ایک غریب بچے کے سر کا ایک ایسا مجسمہ بنایا جسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس کے عشق نے جب جوش مارا تو وہ بھی مثالی تھا، مگر افسوس کہ تین ماہ بعد منگنی ٹوٹ گئی۔ ایلی ایک کامل فطرت کی عورت تھی اس لیے اُسے اس واقعے سے اتنی تکلیف ہوئی کہ وہ دردِ عشق سے قریب المرگ ہوگئی۔ خدا کا کرنا تھا کہ اسے کچھ عرصے بعد افاقہ ہوگیا اور اداسی کے سوا سب غائب ہو گیا۔ اس وقت اس کی عمر تیئیس برس تھی۔ اب اس نے افسانہ لکھنا شروع کیا اور ایک فرضی نام سے اپنی محبت کے واقعے کو شائع کروا دیا جو بہت مقبول ہوا۔ اسی وجہ سے اس کا چارلس[1] پاؤس سے تعارف ہوا جو اخبارات میں مضامین لکھا کرتا تھا۔

ایلی کو زندگی کے مختلف مراحل کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا، اب اسے جو کچھ کرنا تھا وہ صرف چارلس کی ذات سے تعلق رکھتا تھا۔ وہ بہت نازک طبع، خوش خلق اور ماں کی طرح پیاری آنکھوں اور ہلکے نیلے رنگ کی نکٹائیاں پہننے والا آدمی تھا جس کے بال نہایت احتیاط سے کٹے اور کنگھی کیے ہوئے تھے۔ اگرچہ وہ ایسا مرد تو نہ تھا جس کے وہ خواب دیکھا کرتی تھی تاہم وہ اس پر بہ دِل و جان فریفتہ ہوچکی تھی۔ ایک دن وہ اس سے یوں گویا ہوئی:

۱؎ چارلس ہاؤس: پورا نام چارلس لِٹ پاؤس ہے۔

''چارلس ، میرا خیال ہے کہ تم اخبارات کے لیے چھوٹے چھوٹے مضامین لکھ کر اپنی صلاحیتیں ضائع کر رہے ہو؟''

''ہاں؟ مگر نرالے طور پر،'' چارلس نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''اس سے قبل تمہارے دو افسانے بے حد مقبول ہوئے تھے، مگر بعد میں تم نے کوئی اور افسانہ نہیں لکھا۔''

ایلی کے دل میں عشق کی بناء پر یہ امنگ پیدا ہوئی کہ وہ لت کو ایک عملِ عظیم اور حقیقی کام کرنے پر آمادہ کرے۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ آیندہ لت کی خاطر زندگی بسر کرے گی کیوں کہ وہ باوجود بڑی بڑی خوبیاں رکھنے کے اپنی استعدادی قوتوں کو غلط طور پر استعمال کر رہا تھا۔ اس نے لت سے بہ کثرت ملنا شروع کر دیا۔ لت بالعموم ایلی کے پاس چائے پینے جاتا اور دیر تک اس کے ساتھ باتوں میں مصروف رہتا تھا۔ لت طبعًا ایلی پر عاشق نہ ہوا تھا، مگر وہ اس سے ملنا جُلنا پسند کرتا تھا۔ اس نے ایلی کی تجویز کے مطابق افسانہ لکھنا شروع تو کر دیا، مگر اسے مکمل نہ کیا۔ ایلی نے لت کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ اُسے اس کی ضرورت ہے چناں چہ اُس نے اس سے منگنی کرنے کی خواہش ظاہر کی جسے اس نے منظور کر لیا اور بہت خوش ہوئی۔ وہ دونوں ہی بہت خوش تھے۔ ہاں ان کی محبت میں وہ طبعی جوش نہ پایا جاتا تھا جو ہونا چاہیے تھا۔ ان کی دل کشی کا باعث یہ امر تھا کہ وہ دونوں آپس میں باتیں کیا کریں گے، اکٹھے بود و باش رکھیں گے، اکٹھے کام کریں گے اور اکٹھے ہی سفر کریں گے۔ ان کی روحیں ایک دوسرے کی ہمسفری میں مسکرائیں گی اور ایک دوسرے سے پیار کریں گی۔

لت کی قدرے ادنیٰ، متکبر، سنکی اور فنکارانہ روح، جس میں سب سے نمایاں پہلو یہ تھا کہ دوسروں کے لیے تلطف اور مُدارا پایا جاتا تھا اور خندہ آور تلخی کا کچھ شائبہ بھی تھا۔ ان کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑی دہشت تھی جو اس کی روح پر پوری طرح مسلط ہو چکی تھی اور وہ دہشت اس بات کی تھی کہ وہ بوڑھا ہو چلا تھا اور ایلی کی روح بالکل مطمئن تھی کیوں کہ وہ اپنی زندگی کے مقصود کے مطابق دوسرے انسان میں کلی طور پر مدغم ہو کر زندگی کے منازل طے کرنے

میں سرگرم عمل تھی۔

صبح کے وقت جب موسمِ خزاں کی ہَوا سنہری رنگ کے پتے کھڑکی کے ساتھ اُڑا رہی تھی تو ایلی اپنا ٹوپ تبدیل کرتے ہوئے گانا گا رہی تھی۔ گویا کہ وہ اپنا فن ابھی تک نہ بھولی تھی۔ اتنے میں اس کی پھُپھی، آدیلے، اندر آئی اور اطلاع دی کہ آج رات دادا جی آرام سے نہیں سو سکے۔ مَیں نے کئی بار انھیں بے چینی میں کروٹیں بدلتے سُنا ہے۔

''تب تو ان کے کانوں میں ساں ساں کی آواز آتی ہوگی،'' ایلی بولی۔ ''جیسا کہ آپ کو علم ہے، جب ایسا ہو تو دادا جی مختلف آوازیں سُنا کرتے ہیں۔ ڈاکٹر تیلنیئس کا خیال ہے کہ کانوں کا ساں ساں کرنا پورے طور پر بہرا پن آنے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اچھا، اچھا، مَیں ابھی ان کے پاس جاتی ہوں۔ مگر ذرا اپنا ٹوپ... کیوں کہ مَیں نے آج دو پہر کے بعد بیگم دیریکس اور خالہ ستیفانی کے ہاں جانا ہے۔ پھُپھی جان، مَیں بہت خوش ہوں۔ لت بہت پیارا ہے اور اپنے اندر بڑی استعداد رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہم اکٹھے خوشی کی زندگی بسر کریں گے۔ مَیں بھی سیر و سیاحت کی مشتاق ہوں، لیکن اب ستاین اور ماں اوتیلی کے ساتھ اکٹھا رہنے کا مسئلہ در پیش ہے جس کے متعلق مَیں اپنے ماحول میں آرام و تسکین کو ترجیح دیتی ہوں۔ مَیں انھیں ستاین کہہ کر پکارتی ہوں کیوں کہ صاحب کہنا دوری کی طرف اشارہ کرتا ہے اور ''ابا جی'' مَیں انھیں نہیں کہہ سکتی۔ علاوہ ازیں لت بھی ستاین کو ستاین کہہ کر پکارتا ہے۔ اس قسم کے رشتے داری ذرا اُلجھنیں پیدا کرتی ہے۔ اگر مَیں انھیں ابا جی کہہ کر پکاروں تو ستاین اسے عجیب خیال کرے گا۔ کیا آپ کو یہ ٹوپ پسند ہے؟ مَیں کل آپ کا ٹوپ بھی بدل دوں گی۔ دیکھیں، یہ نیا ہیٹ ہے۔ مَیں فوراً دادا جی کے پاس جاتی ہوں۔ ہائے، بے چارے دادا جی کو چین سے سونا نصیب نہیں ہوا۔''

وہ باہر جاتے وقت کمرے کا دروازہ کھلا چھوڑ گئی۔ آدیلے نے اِدھر اُدھر جھانکا تو کمرے کو چیتھڑوں سے بھرا پایا اور غریب بچے کا مجسمہ ایک کونے میں پڑا مسکرا رہا تھا اور ٹینس ریکٹ کے اِرد گرد سرخ فیتے پر لگے ہوئے تمغے اپنی چمک دکھا رہے تھے اور میز کے اوپر کاغذ کے

چھوٹے چھوٹے چوکور پُرزوں کا فرش بنا ہوا تھا۔ آدیلے بول اُٹھی: ''کیا گند پڑا ہوا ہے؟''

اس کے دل میں تمام کاغذوں کو اکٹھا کر کے پھینک دینے کا جوش پیدا ہوا۔ وہ کاغذوں کو چھیڑنے کی جرأت نہ کر سکی، لیکن کپڑے کے چھوٹے چھوٹے ٹکروں کو جمع کر کے انھیں جلدی جلدی گتے کے ڈبوں میں دبا کر نیچے چلی گئی جہاں نوکرانیاں کھانے والے کمرے کو ٹھیک کر رہی تھیں۔ ایلی جب سیڑھیاں چڑھ رہی تھی تو اُسے کرسیاں جھاڑنے کی آواز اتنے قریب سے سنائی دی جیسے اُس کی پیٹھ کے پیچھے کسی کو مار پڑ رہی ہو۔ وہ جلدی جلدی پہلی منزل کی سیڑھیاں، جہاں اُس کے دادا رہتے تھے، چڑھ گئی۔ اس نے دروازے کے قریب پہنچ کر سانس لیا اور اس پر دستک دے کر اسے کھولا اور اندر گئی۔

''دادا جی، آج کیسی طبیعت ہے؟''

بوڑھا میز کی دراز میں کچھ کاغذ تلاش کر رہا تھا۔ جب ایلی اندر داخل ہوئی تو اس نے دراز بند کر دیا۔ ایلی نے قریب پہنچ کر دادا کو بوسہ دیا اور دردمندانہ آواز میں کہا:

''آپ کو اچھی طرح نیند نہیں آئی۔''

''پیاری بچی، مَیں تو شاید بالکل ہی نہیں سویا،'' وہ بولا۔ ''مگر مَیں بغیر سوئے بھی زندہ رہ سکتا ہوں۔''

اس وقت تکمہ کی عمر ترانوے برس تھی۔ اس نے اور اس کے لڑکے نے جلدی شادی نہیں کی تھی اس لیے اس کی پوتی ایلی کم عمر تھی، لیکن تکمہ اپنی عمر سے بہت کم عمر کا نظر آتا تھا۔ اس کی کھوپڑی ہاتھی دانت کی طرح چمک دار تھی جس کے اِردگرد سفید بالوں کا ہالہ بنا ہوا تھا اور اس کا استرے سے صاف کیا ہوا چہرہ رنگے ہوئے چمڑے کی مانند تھا۔ مصنوعی دانتوں کے اِردگرد اس کا منھ ہنس مکھ اور جوان دکھائی دیتا تھا اور اس کی آنکھیں بھورے رنگ کی عینک کے پیچھے بھی روشن اور تروتازہ تھیں۔ اس کا قد چھوٹا اور جسم وبلا پتلا اور نازک تھا۔ وہ اپنے نحیف جسم پر ایک کوٹی پہنا کرتا تھا جو اس کی کمان کی طرح اُٹھی ہوئی کمر پر لٹکتی رہتی تھی۔ اس کے قد کی بہ نسبت اس کے ہاتھ زیادہ بڑے تھے، مگر وہ نازک اور صاف ستھرے اور ہر دم لرزتے رہتے تھے۔ اس

کے گلے کے پٹھوں میں ذرا سا جھٹکا پیدا ہوکر اس کا سر ہلا دیتا تھا۔ اس کے لب و لہجے میں گرم جوشی پائی جاتی تھی، لیکن یہ فطری نہ تھی بلکہ اس میں اُتار چڑھاؤ مصنوعی معلوم ہوتا تھا۔ چاہے وہ کتنے ہی سکون سے روز مرہ کی باتیں کرتا اور نہایت احتیاط سے الفاظ کا انتخاب کرتا تو بھی ان میں بناوٹ نمایاں ہوتی تھی۔ وہ جب بیٹھتا تو بالکل سیدھا ہو کر بیٹھتا گویا کہ ہمیشہ خبردار رہتا ہے۔ وہ اپنی اکڑی ہوئی ٹانگوں کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھا کر تیزی سے چلا کرتا تھا جس سے یہ ظاہر نہ ہونے پاتا تھا کہ اسے گنٹھیے کی بیماری ہے۔ وہ انڈونیشیا میں واقع سرکاری دفتر میں انڈونیشین کونسل کے ممبر کے طور پر ملازم تھا اور اب سالہا سال سے پنشن یافتہ تھا۔ اُس کے ساتھ باتیں کرنے سے پتا چلتا تھا کہ وہ استعماری معاملات سے اچھی خاصی واقفیت رکھتا ہے جبکہ عام طور پر اس محکمے میں کام کرنے والوں کی عدم واقفیت کا مذاق اُڑیا جاتا تھا۔ وہ چھوٹوں کے ساتھ بات چیت اور تعلقات میں بہت مہربان تھا۔ درحقیقت سبھی لوگ اس سے چھوٹے تھے کیوں کہ اس کے تمام ہمعصر، سوائے بیگم دیریکس دلن ہُف کے، جس کی عمر ستانوے برس تھی اور ڈاکٹر رولفس، جس کی عمر اٹھاسی برس تھی، داعی اجل کو لبیک کہہ چکے تھے۔ اسے اس بات کا احساس تھا کہ ساٹھ اور ستر سالہ لوگ دنیا کے متعلق ان جیسے جذبات و خیالات نہیں رکھتے، مگر اس کے طرزِ تکلم کو، جو مبالغے کی حد تک پہنچا ہوا تھا، بناوٹ نہ کہنا دشوار تھا اور وہ جو کچھ کہتا اسے عین حقیقت یقین کرنا مشکل تھا۔ اس کی باتوں سے یہ تاثر بھی پیدا ہوتا تھا کہ شاید وہ کوئی سیاسی نمایندہ ہے۔ گفتگو میں اس قدر احتیاط برتتا تھا کہ اپنے مخاطب کے خیالات تک کو معلوم کر لیتا تھا۔ بعض اوقات جب اس پر کوئی بات اثر انداز ہوتی تو عینک کے پیچھے اس کی آنکھیں شعلہ بار ہو جاتیں گویا کہ اس نے کوئی راز جان لیا ہے اور اب چوکنا ہوگیا ہے۔ اس وقت اس کی گردن کے پٹھوں میں جھٹکے سے اس کا سر ایک طرف کو ہو جاتا گویا اس نے اچانک کچھ سُنا ہے، اور پھر وہ ذرا مُنھ بناتے ہوئے مسکرا کر اپنے مخاطب کے ساتھ اتفاق کر لیتا تھا۔

اتنے بوڑھے شخص میں ایسی گھبرا دینے والی روشن خیالی کا پایا جانا یقیناً قابلِ توجہ ہے۔ یوں لگتا تھا کہ کسی بیرونی طاقت نے اس کے احساسات کو تیز کر دیا ہوا ہے۔ وہ عینک چڑھائے

بہ کثرت مطالعہ کیا کرتا تھا۔ اس کی قوتِ سماعت بھی بہت تیز تھی اور اس کی قوتِ شامہ کا بھی مقابلہ نہیں کیا جا سکتا تھا جو شراب فروخت کرنے والوں کے لیے مشکل پیدا کر دیتی تھی[1]۔ وہ اندھیرے میں بھی چیزیں تلاش کر لیتا تھا۔ صرف دورانِ گفتگو اس پر اونگھ کا غلبہ ہو جاتا تھا جس سے اس کی آنکھوں کی چمک جاتی رہتی اور وہ سو جاتا تھا، لیکن اس کے مخاطبین ادب اور احترام کی وجہ سے اسے متنبہ نہ کرتے تھے۔ جب چند منٹوں بعد اس کی آنکھ کھلتی تو وہ بات آگے بڑھاتا اور عدمِ شعور کے لمحات کا خیال بھی دل میں نہ لاتا تھا اور جس اندرونی جھٹکے سے وہ بیدار ہوتا تھا اس کا کسی کو بھی پتا نہ چلتا تھا۔

ایلی ہر روز صبح کے وقت دادا جان کو دیکھنے جایا کرتی تھی۔ اِس نے اُسے بتایا کہ آج وہ اپنے رشتے داروں کو ملنے جائے گی۔ ''مَیں تو ابھی دادی اماں سے بھی نہیں ملی،'' اِس نے کہا۔ وہ آج بعد دوپہر سب سے پہلے انہی کے پاس جاؤں گی۔ داداجی، تین دن ہوئے مَیں نے منگنی کرلی ہے اور بعد میں مَیں کسی کو بھی اپنی خوشی اور مسرّت کی خاطر تکلیف نہیں دوں گی۔''

دادا نے سُلجھے ہوئے الفاظ میں پوچھا:

''بچی، کیا تم خوش ہو؟''

''جی ہاں، مَیں یہی خیال کرتی ہوں۔''

وہ سنجیدہ اور اہم امور بالعموم سادگی سے طے کیا کرتا تھا اور اس کی باریک آواز میں زور پیدا نہ ہوتا تھا۔ اُس نے کہا:

''بچی، مجھے افسوس ہے کہ مَیں تمھیں لت کے ساتھ اپنے پاس جگہ نہیں دے سکوں گا۔ اپنے گھر کے اندر ایک نیا گھر بسانے کی میری عمر اجازت نہیں دیتی، مَیں بہت بوڑھا ہو چکا ہوں، علاوہ ازیں الگ رہنے میں زیادہ لطف ہے۔ بچی، ہم پیسوں کے متعلق کبھی آپس میں بات نہیں کرتے۔ تم تو جانتی ہو تمہارے ابا جان کچھ بھی پیچھے چھوڑ کر نہیں گئے۔ تمھاری ماں کی دولت انھوں نے جاوا میں ٹھیکے داری کے معاملات میں ختم کر دی تھی اور ان ٹھیکوں میں اُنھیں

---

[1] ... کر دیتی تھی: یعنی وہ سونگھ کر بتا دیتا تھا کہ شراب کتنی اچھی یا بُری ہے۔

کوئی کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ تیرے والد بے چارے ناکام ہی رہے۔ بچی، دیکھ مَیں امیر تو نہیں، مگر ماوَرتس کاد پر رہتا ہوں اور گزارا کر رہا ہوں کہ بوڑھے شخص کی ضروریات کم ہوتی ہیں اور تمھاری پھُپھی بڑی ہوشیاری سے گھر کے انتظامات کرتی ہے۔ مَیں حساب کرنے سے اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ تمھیں ماہ بہ ماہ دوسو گلڈز دے سکوں گا، اس سے زیادہ ممکن نہ ہوگا۔''

''پیارے دادا جی، یہ کم نہیں، بہت زیادہ ہے۔''

''ہاں، تم اپنے دادا سے اتنی رقم لے سکتی ہو۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ تمھی تو میری وارث ہو، مگر تم بالکل اکیلی نہیں۔ تیرے دادا کے اور رشتے دار، اچھے دوست اور ملاقاتی بھی ہیں۔ بچی، اب میں زیادہ دیر نہیں رہوں گا، مگر ورثے سے تم زیادہ امیر بھی نہ بن سکو گی کیوں کہ سب سے قیمتی چیز میرے پاس میرا مکان ہی ہے۔ تم جانتی ہو کہ مَیں گھریلو اخراجات کے علاوہ دوسری تمام باتوں میں نہایت احتیاط سے کام لے رہا ہوں۔ بہ ہر حال تمہارے لیے کافی کچھ چھوڑ جاؤں گا اور پھر معلوم ہوتا ہے لت بھی کچھ کماتا ہے۔ آہ بچی! پیسے کی مجھے کوئی فکر نہیں۔ فکر کی بات تو یہ ہے...''

''دادا جی، کیا بات ہے؟''

بوڑھے پر اچانک نیند کا غلبہ طاری ہو گیا، مگر کچھ منٹ بعد وہ پھر جاگ اُٹھا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا:

''ستاین کے ساتھ رہنے کی بات سُنی ہے۔''

''جی ہاں، مگر ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔''

''اوتیلی تو بہت اچھی ہے، مگر جلد بھڑک اُٹھتی ہے،'' اپنے خیالات میں ڈوبے ہوئے بوڑھے نے کہا، معلوم ہوتا تھا جیسے کسی اہم سوچ میں گُم ہو گیا ہو۔

''ہاں، دادا جی، اگر مَیں نے ایسا کیا تو ماں جی کی خاطر ہی کروں گی کیوں کہ وہ لت سے بہت پیار کرتی ہیں۔ گو مَیں ذاتی طور پر اپنے چھوٹے سے گھر کو علٰحدہ طور پر سنوارنے اور ٹھیک ٹھاک رکھنے کو ترجیح دیتی ہوں، لیکن خیال ہے کہ ہم بیش تر اوقات سفر پر رہا کریں

گے۔لت کا خیال ہے کہ وہ سستے داموں پر سفر کا انتظام کر سکتا ہے۔''

'' بچی، تم ستاین کے ساتھ نہایت ہی احتیاط اور ترکیب کے ساتھ رہ سکو گی ۔ بے چاری اوتیلی بالکل اکیلی ہے۔ ممکن ہے تمھاری محبت و پیار کی وجہ سے اس کے لیے کچھ ہمدردانہ سماں اور ماحول پیدا ہو سکے ۔'' اب اس کی آواز میں کچھ رقت پیدا ہوگئی تھی اور کسی اندرونی گونج سے اس میں تغیر پیدا ہوا تو وہ پہلے سے بہت سنجیدہ سنائی دینے لگی۔

'' اچھا دادا جی ، دیکھیں کیا ہوتا ہے، کیا آپ یہیں ٹھہریں گے یا دوپہر کے کھانے کے لیے نیچے تشریف لائیں گے؟''

''نہیں، مجھے یہیں کچھ بھیج دو۔ مجھے کوئی خاص احتیاج نہیں۔''

اس کی آواز بادِ صبا کی طرح سرگوشیاں کرتی معلوم ہوئی۔ پھر وہ کہنے لگا:

''اب تو ہَوا چل رہی ہے، شاید بارش ہو جائے ۔کیا آج بعد دوپہر تم سارا وقت باہر رہوگی۔؟''

'' میرا ارادہ تھوڑی دیر کے لیے بیگم دیریکس ......نانی جان کی طرف جانے کا ہے۔''

'' ہاں، ہاں، جب تم ان سے ملو تو نانی ہی کہنا چاہیے۔ ابھی تمھاری لت کے ساتھ شادی نہیں ہوئی۔ اسے وہ پسند کرے گی اور اس طرح دوری باقی نہیں رہے گی۔'' اب اس کی آواز مدھم پڑگئی تھی گویا کہ وہ کوئی زیادہ اہم بات سوچنے میں مگن ہوگیا ہے۔ پھر وہ اپنے گلے کے پٹھے کے جھٹکے سے یک دم چوکنا ہوگیا اور کچھ دیر تک اپنا سر ایک طرف ہی جھکائے بیٹھا رہا جیسے کچھ سُن رہا ہو۔ایلی کا خیال تھا کہ آج دادا جی کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔ اسے اونگھ نے پھر آلیا اور اس کا سر نیچے کو جھک گیا۔ اس کی آنکھوں کی چمک غائب تھی اور بوڑھا نازک اور کم زور پڑا یوں دکھائی دیتا تھا کہ کوئی بھی اس کی روح کو پھونک مار کر قفسِ عنصری سے نکال کر ہَوا میں اُڑا سکتا ہے۔ ایلی ہچکچاتے ہوئے اسے اکیلا چھوڑ کر چلی گئی اور جب بوڑھے نے آہستہ سے دروازہ بند ہونے کی آہٹ سنی تو اس کی نیند کھل گئی، مگر چند لمحوں تک وہ بلاحرکت بیٹھا رہا۔ پھر وہ میز کی دراز کھولنے لگا جو اس نے پہلے سے کھول رکھی تھی اور اس

میں سے ایک پھاڑے ہوئے خط کے ٹکڑے کرنے لگا اور پھر انھیں ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ پھر ایک اور خط اور اس کے بعد ایک اور نکال کر بغیر پڑھے پھاڑ کر اسے بھی ردّی کی ٹوکری میں ڈالتے ہوئے ٹوکری کو اچھی طرح سے ہلایا۔ پے در پے کاغذ پھاڑنے سے اس کی انگلیاں اکڑ گئیں اور بازو بھی تھک کر چور ہو گئے۔ پھر وہ بڑبڑاتے ہوئے کہنے لگا۔: ''آج بعد دوپہر چند اور ... اَب وقت قریب آرہا ہے، اَب وقت قریب آرہا ہے۔''

۳

تین بجے بعد دوپہر بوڑھا تکمہ اکیلا ہی گھر سے نکلا کیوں کہ وہ کسی کے ساتھ باہر جانا پسند نہیں کرتا تھا، البتہ اگر کوئی واپسی پر اس کے ہم راہ ہو لیتا تو اسے اچھا سمجھتا تھا۔ جب وہ فوجی چوکی کے قریب سے مڑکر اونچے پل کے اُوپر سے گزرا تو آدیلے، اس پر نظریں جمائے، اسے دیکھ رہی تھی کہ وہ ناساؤ لان سے آگے نہیں گیا بلکہ بیگم دیریکس کے مکان کی طرف ہی گیا ہے۔ اتنا فاصلہ اس نے بالکل سیدھا چلتے ہوئے طے کیا تھا اور اس نے بہت سے بٹنوں والا کوٹ پہن رکھا تھا جس میں وہ اتنا بوڑھا دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہاتھی دانت کے دستے والی بھاری چھڑی کا سہارا لیتے ہوئے ہر قدم نہایت احتیاط سے رکھتا تھا تا کہ کسی کے دل میں یہ خیال نہ آئے کہ وہ ایک چھوٹی سی سیر سے ہی تھک کر چُور ہو گیا ہے۔ وہ اگرچہ اکڑ کر چلتا ہوا اپنی سیر میں کامیاب ہو چکا تھا تاہم کھڑکیوں کے شیشوں میں دیکھتا جاتا تھا کہ اس کے چلنے کے انداز سے کسی پر یہ اثر تو نہیں پڑ رہا کہ کوئی بوڑھا پاس سے گزرا ہے۔

جب اس نے دروازے کی گھنٹی بجائی تو نوکرانی، اَنا، اور بلّی دوڑتے ہوئے آئے کیوں کہ انھیں یقین تھا کہ بوڑھا تکمہ صاحب ہی تشریف لائے ہیں۔ بلّی کو تو اَنا نے فوراً باورچی خانے کی طرف بھگا دیا تا کہ کہیں تکمہ صاحب اس سے ٹھوکر کھا کر گر نہ پڑیں اور ان کی صحت اور موسم کے متعلق باتیں کرتی ہوئی انھیں اندر لے آئی جہاں انھوں نے اپنا کوٹ اُتار دیا۔ بوڑھے کا کوٹ اُتار کر نوکرانی کو دینے کا منظر بھی قابلِ دید تھا۔

وہ نہایت ہی آہستگی سے کوٹ اُتارا کرتا تھا کیوں کہ سیر سے اسے تکان ہو جاتی تھی اور یوں کوٹ اُتارنے سے اسے ذرا سانس لینے کا موقعہ مِل جاتا تھا۔ پھر وہ کہتا: ''چھڑی تو مَیں اپنے پاس ہی رکھوں گا، انّا۔''

چھڑی کے سہارے اسے سیڑھیاں چڑھنے میں آسانی ہوتی تھی، مگر دیریکس بھی نیچے

والے دالان میں نہ آتی تھی بلکہ اوپر ہی انتظار کرتی تھی۔ بوڑھا تکمہ قریباً روزانہ ہی ملاقات کے لیے آیا کرتا تھا اور اگر وہ نہ آسکتا تو آدیلے یا ایلی جا کر طلاع دے آتے تھے۔ بیگم دیریکس اپنی بڑی کرسی پر، جو کھڑکی کے قریب دھری رہتی تھی، بیٹھی انتظار کر رہی ہوتی تھی اور اس کی نظریں صوفیہ لان[1] کے بنگلوں کی طرف لگی ہوتی تھیں۔

بوڑھے نے بلند آواز میں بڑبڑاتے ہوئے سلام کیا، مگر اس کی آواز سمجھ میں نہ آئی اور وہ بولا، ''او تیلی، اَب ذرا ہَوا چل رہی ہے۔''

''ہاں، آپ کو پچھلے روز بھی قدرے کھانسی تھی، ذرا احتیاط کریں۔''

''مَیں تو بالکل ٹھیک ہوں۔ میری صحت اچھی ہے، آپ خود دیکھ سکتی ہیں۔''

وہ مزید چند الفاظ کہہ کر، ایک اور کھڑکی کے پاس، دوسری طرف کرسی پر سیدھا بیٹھ گیا تَب انا نے اس کا ٹوپ اس سے لیا اور وہ چمڑے کے کُھلے کُھلے دستانے پہنے، چھڑی پر سہارے کے لیے ہاتھ رکھے ہوئے تھا۔

''وہ بڑی خبر سُننے کے بعد مَیں نے تو ابھی تک انھیں نہیں دیکھا،'' بیگم دیریکس بولی۔ ''بچے ابھی اپنے آپ کو پیش کرنے کے لیے آئیں گے۔''

وہ دونوں آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چُپ ہوگئے اور کچھ دیر تک آمنے سامنے خاموش بیٹھے رہے۔ بڑھیا گہرے سُرخ رنگ کے پردے، جس کے جھولتے کنارے کینوس میں چھپے تھے اور جس کے بارڈر پر لیس لگی تھی، کی پرچھائیں میں سمٹی بیٹھی تھی۔ لیس لگا اسی رنگ کا پردہ کھڑکی پر بھی لٹک رہا تھا۔ وہ تکمہ کو ہلانے اور متوجہ کرنے کی خاطر صرف اس قدر حرکت کر سکی کہ سیاہ دستانے میں چھپا ہوا ہاتھ اُٹھا کر ہی رہ گئی۔ اب وہ دونوں یوں بیٹھے تھے گویا کسی کا انتظار کر رہے ہیں اور خوش ہیں کہ دونوں اکٹھے انتظار کر رہے ہیں۔ بُڑھیا کی عمر ستانوے برس تھی اور وہ جانتی تھی کہ جس کا وہ انتظار کر رہی ہے وہ سو سال ہونے سے پہلے پہلے آئے گا۔ پردوں کے جھلملاتے عکس اور اندوہناک رنگ والے دیوار گیر کاغذ کے مقابل اُس کا چہرہ چینی مٹی کا بنا ہوا معلوم ہوتا

---

[1] صوفیہ لان: سڑک کا نام۔

تھا جس پر ایسی سوٹیں پڑی تھیں جن کے نقوش بہت جلد مٹ جانے والے تھے اور وہ لگاتار اپنی اُسی احتیاط پسند عادت میں مصروف تھی کہ یہ غیر متوازن سلوٹیں اور تبدیلیاں زیادہ ظاہر نہ ہو سکیں۔ اُس کے مصنوعی بالوں کی وِگ سیاہ چمکیلے رنگ کی تھی جس پر پتلی سی سیاہ جالی دار ٹوپی پڑی تھی اور سیاہ رنگ کا ہی ڈھیلا ڈھالا لباس اُس کے کم زور اور لاغر جسم پر جھول رہا تھا اور اس نے اسے ہمیشہ سے غیر تبدیل شدہ تہوں والی شال میں یوں چھپا رکھا تھا کہ درحقیقت وہ کبھی بھی دیکھی یا معلوم نہیں کی گئی تھی بلکہ یہ سیاہ رنگ غلاف ہی اُس کی پہچان بن کر رہ گیا تھا۔ اُس کے چہرے کے علاوہ کچھ بھی زندہ دکھائی نہیں دیتا تھا یا پھر منحنی اُنگلیاں جو اس کی گود میں پڑی کانپ رہی تھیں، ان سلاخوں کی طرح جن پر سیاہ دستانے چڑھے ہوں۔ اس کی کلائیاں تنگ آستینوں والے اونی سویڑ میں پھنسی ہوئی تھیں اور وہ پشت والی اونچی کرسی پر سخت گدّے سے ٹیک لگائے یوں اکڑی بیٹھی تھی جیسے کوئی تخت نشین ہو۔ ایک دوسرا گدّا اس کے پاؤں کے نیچے تھا جسے اُس نے کبھی دکھائی نہ دینے دیا تھا کیوں کہ وہ گندے دھبوں سے داغدار تھا۔ اُس کے قریب ہی پڑی میز پر کروشیے سے بنی ہوئی لیس کا نمونہ پڑا تھا جسے برسوں سے چھوا نہیں گیا تھا اور اخبارات، جو اس کی سہیلی نے اسے پڑھ کر سنائے تھے۔ جونہی تکمہ صاحب یہاں پہنچے وہ عمر رسیدہ عورت فوراً اُٹھ کر چلی گئی تھی۔ کمرا صاف ستھرا اور سادہ تھا جس میں چند ایک فریم شدہ تصویریں لگی تھیں۔ علاوہ ازیں کمرے میں انتہائی چمک دار سیاہ رنگ کا فرنیچر یعنی صوفہ سیٹ اور کرسیاں تھیں اور شیشے کی الماری میں پرے چینی مٹی کے چند برتن جواہرات کی سی وقعت قائم رکھے ہوئے تھے۔ کمرے میں موجود بند دروازہ غسل خانے میں کُھلتا تھا۔ یہی دو کمرے تھے جو بڑھیا کے استعمال میں رہتے تھے۔ وہ اپنا مختصر سا کھانا کرسی پر ہی بیٹھے بیٹھے کھایا کرتی تھی۔

جاتی گرمیوں کا سنہرا چمک دار دِن تھا۔ ہَوا کے نرم و نازک جھونکے صوفیہ لان کے باغ میں پڑے زرد پتوں کو چھیڑ رہے تھے۔

''اچھا خوب صورت منظر ہے،'' دیریکس نے دستانے چڑھے ہاتھ کو ایک زاویے میں حرکت دیتے ہوئے ایسے ہی کہا جیسے وہ پہلے کئی بار کہہ چکی تھی۔ آواز تڑخی ہوئی تھی اور خالص

ڈچ طرزِ تکلم سے کسی قدر نرم اور خستہ تھی جس میں انڈونیشین لب ولہجہ پایا جاتا تھا۔ اب اُس نے نظریں اُٹھا کر کھڑکی سے باہر دیکھا۔ چینی مٹی کے سے بنے نقش و نگار کے مابین اُس کی آنکھیں بھی انڈنیشین ملائمت رکھتی تھیں۔ یہ آنکھیں گہری ہوتی چلی گئیں۔ وہ کمرے سے باہر کے مناظر کی ٹھیک پہچان نہ رکھ سکتی تھی پھر بھی اپنی بجھتی نگاہوں میں یہ علم اُسے بہت عزیز تھا کہ راستے کے پار تک پھول اور درخت اُگے ہوئے ہیں۔

''باغ کی دوسری طرف آسٹرس کے بہت خوب صورت پھول ہیں،'' تکمہ نے کہا۔

''ہاں،'' دیریکس اس سے اتفاق کرتے ہوئے بولی۔ گو وہ ان پھولوں کو نہ دیکھ سکتی تھی مگر جانتی تھی کہ وہاں ایسے پھول ہیں۔ اس نے اس کی پوری بات سمجھ لی تھی۔ کہی گئی بات کو کبھی بھی دوبارہ نہ پوچھتے ہوئے جواب میں بند ہونٹوں کے ساتھ تپلی سی مسکراہٹ ظاہر کرتے ہوئے یا ہاتھ کے اشارے سے وہ اپنا عمومی بہرا پن چھپایا کرتی تھی۔

ایک چھوٹے سے وقفے کے بعد، جب دونوں اپنی اپنی کھڑکی سے باہر دیکھ رہے تھے، اس نے کہا: ''کل مَیں نے اوتیلی کو دیکھا تھا۔''

بوڑھے کو ذرا اونگھ آ گئی تھی۔ چونک کر بولا: ''اوتیلی کو؟''

''لیچے... میری بچی...''

''اوہ...ہاں... کل تم نے لیچے کو دیکھا تھا...''مَیں سمجھا تم اپنے متعلق کچھ کہہ رہی ہو۔''

''وہ رو رہی تھی۔''

''کیوں؟''

''کیوں کہ لت شادی کر رہا ہے۔''

''وہ اکیلی رہ جائے گی، بے چاری لیچے۔''

''اس میں کوئی شک نہیں کہ ستاین اچھا آدمی ہے اور مَیں اسے پسند کرتا ہوں۔''

''دراصل ہم بھی تو تنہائی کی زندگی ہی بسر کر رہے ہیں،'' بیگم دیریکس نے کہا، اس کی آواز میں درد پایا جاتا تھا گویا وہ ماضی کے بھیانک واقعات یاد کر کے افسوس کر رہی ہو۔

''ہم تو تنہا نہیں،'' تکمہ بولا۔ ''ہم ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ رہے ہیں، مگر جب لت نے شادی کر لی تو ہماری بچی بالکل اکیلی رہ جائے گی حتیٰ کہ اس کا ساتھ دینے والا اس کا خاوند بھی نہ ہوگا۔''

''شِش !'' بوڑھی عورت نے کہا ''ہاں ، یہ درست ہے۔'' دکھائی دیتا تھا کہ اس مدھم روشنی میں اس کا لاغر جسم کانپ رہا ہے۔

''یہاں کوئی نہیں ہے، ہم آرام سے بات کر سکتے ہیں۔''

''نہیں، یہاں کوئی نہیں ہے ... ؟''

''کیا تمھارے خیال میں یہاں کوئی تھا؟'' تکمہ نے پُوچھا۔

'نہیں، اَب نہیں، بعض اوقات ... '' بوڑھی عورت نے جواب دیا۔

''بعض اوقات ! کیا مطلب؟''

''آپ جانتے ہیں کبھی کبھی مَیں اس کا خیال کرتی ہوں۔''

''نہیں یہاں کوئی نہیں ہے۔''

''نہیں۔ کوئی ہے،'' عورت بولی۔

''تم ہراساں کیوں ہو؟''

''ہراساں ؟ کیا مَیں ڈر رہی ہوں۔ مَیں کیوں ڈرنے لگی؟ مَیں تو بہت بوڑھی ہو چکی ہوں۔ بھلا اَب ڈرنے کی کیا وجہ ہے؟ اَب مَیں اتنی بوڑھی ہو چکی ہوں کہ اگر وہ کھڑا بھی ہو تو بھی ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''اوتیلی[1] ...''

''شش۔''

''یہاں کوئی نہیں ہے۔''

---

[1] اوتیلی: دیریکس کے نام کے ساتھ بھی اوتیلی آتا ہے۔ اس زمانے میں بہت سے لوگ اپنے بچوں کو اپنے نام کا ایک حصہ دیا کرتے تھے۔

''نہیں......''

''کیا تم نے کبھی ... آخری وقت میں اسے دیکھا ہے۔''

''نہیں، مہینوں سے نہیں۔ شاید برسوں سے اسے نہیں دیکھا۔ لیکن پہلے میں اسے کئی سال تک دیکھتی رہی ہوں۔ تم نے اُسے کبھی نہیں دیکھا؟''

''نہیں۔''

''مگر تم اُس کی آواز سُنا کرتے تھے؟''

''ہاں، مَیں اُس کی آواز تو سُنا کرتا تھا۔ اچھا، آؤ اب اُس کے متعلق زیادہ گفتگو نہ کریں۔ اب ہم دونوں اتنے بوڑھے ہوچکے ہیں، اوتیلی کہ اس نے ہمیں یقیناً معاف کر دیا ہوگا۔ اگر وہ معاف نہ کرتا تو ہم اتنی عمر نہ پاتے۔ اتنے سال گزر چکے ہیں ہمیں کسی بات نے بے چین نہیں کیا اور اب ہم قبر کے کنارے کھڑے ہیں۔ اس نے یقیناً ہمیں معاف کر دیا ہوگا۔''

''ہاں، مَیں محسوس کر رہی ہوں کہ ہمارا وقت بہت قریب آ رہا ہے۔''

''اوتیلی، میرا تو یقین ہے تم سو سال کی ہوگی،'' وہ ذرا اونچی آواز میں فخریہ بولا اور اس کی آواز میں تیزی پیدا ہوگئی۔

''مَیں سو سال کی نہیں ہوں گی،'' بوڑھی عورت نے کہا۔ ''نہیں مَیں اس موسمِ سرما میں اس جہانِ فانی کو چھوڑ جاؤں گی۔''

''اس موسم سرما میں؟''

''ہاں۔ مَیں یہ ہوتا اپنے سامنے دیکھ رہی ہوں اور مَیں منتظر ہوں، مگر وزا خوف بھی آتا ہے۔''

''کیا موت سے؟''

''موت سے تو نہیں بلکہ اس سے ...''

''کیا تمھیں معلوم ہے کہ اسے پھر دیکھو گی۔''

''ہاں، مَیں خدا پر ایمان رکھتی ہوں اور پھر دیکھنے پر بھی۔ آیندہ زندگی اور حساب کتاب

پر میرا ایمان ہے۔"

"مَیں تو آیندہ زندگی میں بدلے اور انتقام کونہیں مانتا کیوں کہ ہم نے شروع سے ہی بہت زیادہ تکالیف برداشت کی ہیں۔" بوڑھے نے منکسرانہ لہجے میں کہا۔

"لیکن کوئی سزا تونہیں پائی۔ بہر حال، ہمیں کافی سزانہیں ملی۔ میرا یقین ہے کہ مرنے کے بعد وہ ہمارے خلاف شکایات پیش کرے گا۔"

"او تیلی، ذرا آرام کرلو۔ ہم اتنے بوڑھے ہو چکے ہیں اور ہم نے اندرونی طور پر بھی بہت دکھ جھیلا ہے اور یہ خدائے برتر کے نزدیک کافی سزا تصوّر کی جائے گی لہٰذا تم موت سے بالکل نہ ڈرو۔"

"اگر مَیں نے اس کا چہرہ ذرا نرم دیکھا ہوتا جس سے اس کی معافی کا اظہار ہوتا، تو مَیں ہرگز نہ ڈرتی۔ مَیں جب بھی اسے دیکھتی تو وہ گھور گھور کر میری طرف دیکھا کرتا تھا۔ ہائے، وہ آنکھیں۔"

"او تیلی، خاموش ہو جاؤ۔"

"جب مَیں یہاں بیٹھی ہوتی تو وہ وہاں کھڑا تاڑ تاڑ کر میری طرف دیکھا کرتا تھا اور جب مَیں بستر پر لیٹتی تو آئینے میں سے ظاہر ہو کر غصے سے بھرپور نظریں مجھ پر ڈالتا تھا۔ کئی برسوں تک یوں ہی ہوتا رہا۔ شاید یہ میرا وہم ہو، جیسے سراب ہوتا ہے اب مَیں بوڑھی ہو چکی ہوں اور اب تو میری آنکھوں میں آنسو بھی خشک ہو چکے ہیں اور مَیں حرکت بھی صرف اتنی کر پاتی ہوں کہ کرسی سے بستر میں جا لیٹوں۔ بے چینی اور خوف تو مجھے برسوں سے نہیں۔ مابوتون کو کوئی بھی نہیں جانتا۔"

"ہاں، مابوتون، نوکرانی۔ مَیں نے کئی برسوں سے اس کے متعلق کچھ نہیں سُنا۔ صرف وہی جانتی تھی، شاید اب وہ بھی فوت ہو گئی ہو۔"

"رولفس تو اس کے متعلق جانتا ہے۔"

"ہاں وہ جانتا تو ہے... مگر..."

"وہ ہمیشہ ہی خاموش رہا ہے۔"

پر میرا ایمان ہے۔''

''مَیں تو آیندہ زندگی میں بدلے اور انتقام کونہیں مانتا کیوں کہ ہم نے شروع سے ہی بہت زیادہ تکالیف برداشت کی ہیں۔'' بوڑھے نے منکسرانہ لہجے میں کہا۔

''لیکن کوئی سزا تونہیں پائی۔ بہر حال، ہمیں کافی سزا نہیں ملی۔ میرا یقین ہے کہ مرنے کے بعد وہ ہمارے خلاف شکایات پیش کرے گا۔''

''او تیلی، ذرا آرام کرلو۔ ہم اتنے بوڑھے ہو چکے ہیں اور ہم نے اندرونی طور پر بھی بہت دکھ جھیلا ہے اور یہ خدائے برتر کے نزدیک کافی سزا تصوّر کی جائے گی لہٰذا تم موت سے بالکل نہ ڈرو۔''

''اگر مَیں نے اس کا چہرہ ذرا نرم دیکھا ہوتا جس سے اس کی معافی کا اظہار ہوتا، تو مَیں ہرگز نہ ڈرتی۔ مَیں جب بھی اسے دیکھتی تو وہ گھور گھور کر میری طرف دیکھا کرتا تھا۔ ہائے، وہ آنکھیں۔''

''او تیلی، خاموش ہو جاؤ۔''

''جب مَیں یہاں بیٹھی ہوتی تو وہ وہاں کھڑا تاڑ تاڑ کر میری طرف دیکھا کرتا تھا اور جب مَیں بستر پر لیٹتی تو آئینے میں سے ظاہر ہو کر غصے سے بھرپور نظریں مجھ پر ڈالتا تھا۔ کئی برسوں تک یوں ہی ہوتا رہا۔ شاید یہ میرا وہم ہو، جیسے سراب ہوتا ہے اب مَیں بوڑھی ہو چکی ہوں اور اب تو میری آنکھوں میں آنسو بھی خشک ہو چکے ہیں اور مَیں حرکت بھی صرف اتنی کر پاتی ہوں کہ کرسی سے بستر میں جا لیٹوں۔ بے چینی اور خوف تو مجھے برسوں سے نہیں۔ مابوتون کو کوئی بھی نہیں جانتا۔''

'' ہاں، مابوتون، نوکرانی۔ مَیں نے کئی برسوں سے اس کے متعلق کچھ نہیں سُنا۔ صرف وہی جانتی تھی، شاید اب وہ بھی فوت ہو گئی ہو۔''

''رولفس تو اس کے متعلق جانتا ہے۔''

''ہاں وہ جانتا تو ہے... مگر...''

''وہ ہمیشہ ہی خاموش رہا ہے۔''

''وہ ویسا ہی مجرم ہے جیسے جرم میں معاونت کرنے والا۔''

''او تیلی، ذرا آرام سے اس پر غور کرو۔ اب ہم کافی بوڑھے ہیں۔ ذرا سکون سے اس پر غور کرو، جیسے مَیں کرتا ہوں۔ تم تو ہمیشہ ہی پراگندہ خیالات لیے اور گھبرائی ہوئی رہی ہو۔'' التجا کرتے وقت اس کی آواز کا اور ہی لہجہ تھا یعنی تصنع اور بناوٹ سے بالکل خالی۔

''بعد میں مَیں بہت پریشان ہوئی تھی۔ اس امر کے متعلق آرام اور سکون سے کبھی بھی سوچ بچار نہیں کر سکی۔ مَیں تو لوگوں سے ڈرا کرتی تھی، پھر ڈرتی تھی کہ مجھے آسیب نہ ہو جائے اور اب، جب مَیں مرنے کے قریب ہوں تو، خدا سے خوف کھانے لگی ہوں۔''

''او تیلی!''

''یہ ایک بہت لمبی، بہت لمبی سزا ہے۔ خدایا، کیا یہ زندگی کافی نہ ہوگی؟''

''او تیلی، اگر خدا نے اور اس نے ہمیں معاف نہ کر دیا ہوتا تو نہ تم نہ رولفس اور نہ ہی مَیں اتنی عمر پاتے۔''

''اچھا تو پھر بتاؤ وہ کیوں اکثر اوقات وہاں آ کھڑا ہوتا تھا؟ وہ جب بھی وہاں آ کر کھڑا ہوتا تھا تو کوئی لفظ نہ بولتا اور شعلہ بار آنکھوں سے اپنی شہادت کی انگلی ہلا ہلا کر مجھے دھمکی دیا کرتا تھا۔''

''مجھے کوئی بے چینی نہیں۔ اگر موت کے بعد ہمیں کوئی سزا ملے گی تو اسے برداشت کریں گے اور اگر ہمیں سزا ملے گی تو خدا تعالیٰ کا رحم بھی تو ہوگا۔''

''کاش مَیں رومن کیتھولک عقیدے کی پیرو ہوتی۔ مَیں نے ایسا کرنے کا ارادہ بھی کیا تھا۔ تھیریس نے اچھا کیا جو کیتھولک عقیدہ اختیار کر لیا۔ ہائے، اب وہ مجھے ملنے کیوں نہیں آتی؟ وہ کبھی مجھے ملے گی بھی یا نہیں؟ مجھے امید ہے، مجھے امید ہے اگر مَیں کیتھولک ہوتی تو اپنے گناہوں کا اقرار کر کے معافی حاصل کر لیتی۔''

''اس قسم کے گناہ کی معافی کیتھولکوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔''

''کیا نہیں؟ مَیں تو خیال کرتی تھی کہ ان کا پادری موت سے پہلے انسان کے تمام گناہ

معاف کرنے کا اختیار رکھتا ہے اور یوں روح کو پاک کرنے کا مجاز ہے۔ بہر حال وہ میرا بوجھ کم کر کے مجھے امید تو دلا سکتا تھا نا۔ ہمارا مذہب سرد ہے اور اس کے متعلق مَیں کسی پادری کے ساتھ بات نہیں کر سکتی۔''

''نہیں، قطعاً نہیں، بالکل نہیں۔''

''مگر مَیں اس بارے میں بات کر سکتی تھی۔ وہ مجھ پر اس کا تاوان ڈال کر میرا بوجھ ہلکا کر سکتا تھا۔ اب یہ بوجھ میرے سینے پر پڑا ہوا ہے۔ مَیں اتنی بوڑھی ہو چکی ہوں، مگر وہ میرے سینے پر ہی پڑا ہے اور بستر میں بھی میرا ساتھ نہیں چھوڑتا اور اب مَیں اس وجہ سے چلنے سے بھی معذور ہو چکی ہوں۔''

''اوتیلی، آج تم نے اس موضوع پر اتنی لمبی چوڑی باتیں کرنا کیوں شروع کر دی ہیں۔ عام طور پر ہم مہینوں اور برسوں اس کے متعلق کوئی بات نہیں کیا کرتے تھے اور چین سے وقت گزرتا جاتا تھا، مگر آج اتنی گہری گفتگو کی کیا وجہ ہے؟''

''اس کی وجہ لت اور ایلی کے شادی کرنے کی تجویز ہے۔''

''امید ہے وہ خوش وخرم رہیں گے۔''

''اس قسم کا بندھن ناجائز نہیں؟''

''نہیں تو۔ اوتیلی، ذرا سوچو وہ پھُپھی اور ماموں کی اولادیں ہیں جو حرام اور ممنوع نہیں ،مگر انھیں تو اس بات کا علم بھی نہیں۔''

''ٹھیک ہے۔''

''وہ پھُپھی اور ماموں کے بچے ہیں۔ اوتیلی میری لڑکی ہے جس کا بچہ میرا نواسہ ہے۔ ایلی کا باپ میرا لڑکا ہے اور وہ لیچے کا بھائی ہے اور ان کے بچے...''

''لیکن!''

''اس سے زیادہ اور کوئی بات نہیں۔''

''مگر انھیں اس کا علم نہیں کہ ان کا آپس میں یہ رشتہ ہے۔ لیچے بھی نہیں جانتی کہ وہ

آپ کی لڑکی ہے اور نہ ہی اسے یہ علم ہے کہ وہ آپ کے لڑکے کی بہن ہے؟''

''کوئی بات نہیں، بچے آپس میں شادی کر سکتے ہیں۔''

''ہاں، ایسا ہو تو سکتا ہے، مگر یہ اتنا اچھا نہیں، خون کی وجہ سے اور بعض دوسری وجوہات کی بنا پر۔''

''اور کیا؟'' تکمہ نے پوچھا۔

''وہ ہمارے ماضی کے وارث ہیں۔ وہ ہمارا خوف اور ہراس بھی ورثے میں پائیں گے اور ہمارے گناہ بھی اُٹھائیں گے اور ہمارے کیے کی سزا بھی ورثے میں پائیں گے۔''

''اوتیلی، اب تم مبالغہ کر رہی ہو۔ وہ اتنا کچھ ورثے میں نہیں پائیں گے۔''

''انھیں سب کچھ ورثے میں ملے گا۔ شاید وہ بھی اسے کھڑا دیکھیں گے اور اس کی آواز بھی نئے گھروں میں، جہاں جا کر وہ رہیں گے، سُنیں گے۔ کیا ہی بہتر ہوتا اگر ایلی اور لت اپنی خوشی اور شادمانی الگ الگ روحوں کے ساتھ پاتے۔ ہو سکتا ہے انھیں کوئی شادمانی نصیب ہی نہ ہو۔ کیا پتا ان کے بچے بدمعاش اور بدکردار نکلیں؟''

''شش، خاموش۔ اوتیلی، مَیں تم سے درخواست کرتا ہوں کہ چپ رہو۔ اس طرح کی باتیں کیوں کر رہی ہو۔ سالہا سال سے کوئی بے چینی نہیں ہوئی۔ اوتیلی، دیکھو، ہم بہت بوڑھے ہو چکے ہیں اور خدا نے ہمیں اتنا بوڑھا ہونے دیا ہے کہ ہمیں پہلے ہی سزا مل چکی ہے۔ آؤ، ہم اس معاملے کے متعلق اور کوئی بات نہ چھیڑیں، آؤ، ہم سکون کے ساتھ انتظار کریں اور بعد میں ہمارا جو حشر ہو اسے برداشت کریں۔ ایسا کرنے کے سوا اور کوئی چارہ بھی نہ ہوگا۔''

''اچھا، ہم سکون اور صبر سے انتظار کرتے ہیں۔ اب وقت بہت قریب ہے، ہم دونوں کا وقت بہت جلد آنے والا ہے۔'' اس کی آواز میں انکساری تھی اور خوف سے اس کی آنکھیں آنسو بہا رہی تھیں۔ وہ سکڑ کر کرسی پر بیٹھی تھی اور اس کی انگلیاں اس کی گود میں رکھے سیاہ کپڑے کی تہوں پر کانپ رہی تھیں۔ پھر دونوں کھڑکی کی طرف بغیر کوئی لفظ کہے ٹکٹکی باندھے دیکھتے رہے تا آں کہ بیرونی دروازے پر گھنٹی کی آواز سنائی دی۔

۴

آنتون دیریکس اُس کے دوسرے خاوند سے پہلا لڑکا تھا۔ پہلے خاوند سے صرف ایک لڑکی ستیفانی دے لا درس تھی۔ آنتون شادی شدہ نہ تھا۔ وہ انڈونیشیا میں پیدا ہوا اور وہیں پروان چڑھا اور ریذیڈنٹ کے عہدے تک پہنچ کر ریٹائر ہوا۔ اس وقت اس کی عمر پچھتر برس تھی۔ نہایت ہی خاموش طبع، افسردہ خاطر اور بے وجہ تنہا زندگی بسر کرنے کے اپنے حال میں مست دکھائی دیتا تھا۔ اُس کی دنیا تخیلات کی دنیا تھی اور اس کے تصوّرات مجسم ہوکر اُس کی آنکھوں کے سامنے آکر اسے خوش وخرم رکھتے تھے جس سے وہ ہمہ وقت سرشار رہتا تھا۔ پہلے تو وہ شہوت پرست مرد تھا، مگر بعد میں اس کی شہوت پرستی صرف باتوں تک محدود ہوکر رہ گئی تھی۔ یہ بات اس کی سرشت میں داخل تھی کہ وہ کسی پر بھی اپنے خیالات ظاہر نہ کرتا تھا اور خود کو بھی لوگوں سے اوجھل رکھنے کی کوشش میں رہتا تھا۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور ذہین شخص تھا، مگر یہ سب کچھ اُس نے اپنی ذات تک ہی محدود رکھا اور اس وجہ سے ایک درمیانے درجے کے عہدے دار سے آگے ترقی نہ کرسکا۔ اس کی افسردہ روح کو اسی قسم کی لذتوں کی ضرورت تھی اور اس کا مضبوط اور توانا جسم بھی خاص نوعیت کی خوشیاں چاہتا تھا۔

وہ ایک بڑا سا کوٹ پہنے اندر داخل ہوا کیوں کہ وہ سردی سے ڈرتا تھا۔ ستمبر کا مہینہ تھا جس میں سورج خوش گوار طور پر چمک رہا تھا اور ابھی تک سردی کی پہلی لہر بھی نہ آئی تھی۔ وہ تکمہ صاحب کی موجودگی کی وجہ سے جھجکتے جھجکتے اندر داخل ہوا کیوں کہ وہ خلل انداز ہونے سے ڈرتا تھا۔ اس بوڑھی عورت کے بچے باوجود عمر رسیدہ ہونے کے اپنی ماں کے سامنے، جو پہلے کرخت، تُند مزاج اور بھڑکیلی ہوا کرتی تھی، بچوں کی طرح ہی آتے تھے اور ابھی تک ماں کا سکہ مانتے تھے۔ آنتون اپنی والدہ صاحبہ کو ہمیشہ اسی کرسی پر بیٹھے ہوئے پاتا تھا اور اسے علم نہ تھا کہ اس کی والدہ کی زندگی کچے دھاگے کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے جس کے اچانک ٹوٹ جانے سے اس کی

زندگی کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اب اس کی والدہ کھڑکی کے پاس، سُرخ رنگ کے پردوں میں سے گزر کر آنے والی روشنی میں، اس طرح بیٹھی ہوئی تھی گویا وہاں سے اس وقت تک نہ ہلے گی جب تک سیاہ رنگ کے پردوں کے وا ہونے کا وقت نہ آ جائے۔ وہ اس کی اکڑی ہوئی انگلیوں کے اشارے کے سوا، جو ایک زمانے میں بہت حرکت کیا کرتی تھیں، کوئی اور حرکت نہ دیکھتا تھا۔ اسے علم تھا کہ اگر اس روز دروازہ نہ کُھلا تو اس کی والدہ شام کو آٹھ بجے کے قریب حرکت کریں گی تاکہ انا اور دوسری نوکرانی انھیں بستر میں سلا دیں۔ وہ ایک بے حس و حرکت انسان کو، جو قریب المرگ ہو، تختے کی مانند شفق کی روشنی میں کرسی پر پڑا دیکھتا تھا۔ وہ چوں کہ خود معمر تھا اس لیے اس منظر سے بہت متاثر ہوتا کہ کس طرح اُس کی ماں وہاں بیٹھی انتظار کی گھڑیاں گن رہی ہے اور س کی شیشے کی طرح شفاف آنکھیں اس طرح ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی ہیں گویا وہ کسی چیز سے ہراساں ہیں۔ اس تنہائی پسند گوشہ نشین شخص کے اندر، چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہوئے، ان سے نتائج اخذ کرنے کی بڑی مہارت پید ہو چکی تھی جس کا اظہار وہ کسی پر بھی نہیں کرتا تھا۔ برسوں سے اُس کا خیال تھا کہ اس کی والدہ کسی بات کے متعلق متواتر گہری سوچ میں پڑی ہے اور ایک ہی امر کے متعلق غور کرتی معلوم ہوتی ہے۔ وہ کیا بات تھی؟ وہ کیا امر تھا؟ شاید مجھے غلطی ہوئی ہو، ممکن ہے ماں یونہی گہری سوچ میں ہو یا ہوسکتا ہے کہ ان کا اس طرح ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا بصارت کی کم زوری ہو یا ممکن ہے وہ اپنی زندگی کے سربستہ رازوں کے متعلق غور و خوض میں منہمک ہو۔ شاید اس نے میری طرح شہوت پرستی کے راز دوسروں سے پوشیدہ رکھے ہوں۔ مجھے ان رازوں کو معلوم کرنے کی کوئی خواہش نہیں کیوں کہ ہر انسان کے کوئی نہ کوئی راز ضرور ہوتے ہیں۔ اسی طرح ماں کے بھی ہوں گے جنھیں میں معلوم کرنے کی قطعاً کوشش نہیں کروں گا۔ ہاں لوگ کہا کرتے تھے کہ ماں اور تکمہ ایک دوسرے سے گہری محبت کرتے ہیں۔ یقیناً وہ ماضی کی ان داستانوں کا خیال کر رہی ہو گی۔ ہاں، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ سوچنے کی بجائے انتظار کی گھڑیوں کو شمار کر رہی ہو اور صرف کھڑکی میں سے باہر جھانک رہی ہو۔ کچھ بھی ہو میرے لیے اس کا احترام واجب ہے۔ ستمبر کے مہینے کو مدِنظر رکھتے ہوئے موسم بہت اچھا ہے۔ اس نے اپنے

آپ سے کہا۔ وہ موٹے جثّہ کا شخص تھا اور کوٹ پہننے سے اور بھی بھاری دکھائی دیتا تھا۔ اس کا چہرہ بھرا ہوا تھا، مگر جھریاں بہت تھیں جو اس کی موٹی ناک کے گرد اور رخساروں کے نیچے نیل کی گردن کے گوشت کی طرح لٹک رہی تھیں۔ بھورے رنگ کی مونچھیں قرمزی رنگ کے بڑے بڑے ہونٹوں والے شہوت پرست چہرے پر بُرش کی طرح دکھائی دیتی تھیں جن کے درمیان پیلے رنگ کے گھسے ہوئے دانت تھے جو ابھی کافی مضبوط معلوم ہوتے تھے۔ اس کی داڑھی کے بال اتنے گھنے تھے کہ اُسترے سے تازہ صاف کیے ہوئے رخساروں پر سیاہ رنگ کے دھبے یوں دکھائی دیتے تھے جیسے ابھی فصل کاٹی گئی ہو اور اس کی بڑی بڑی جھریوں والی پیشانی پر ایک گہرے زخم کا نشان تھا جو سر کی چوٹی کی طرف جاتا ہوا اسے دو حصوں میں منقسم کیے ہوئے تھا۔ اس کی پیشانی سر کی طرف سے اُوپر کو اُٹھی ہوئی تھی جس پر ہلکے بھورے بالوں کی لٹ تھی اور جس کے پیچھے ساری کھوپڑی پر کوئی بال نہ تھا۔ اس کے سینے کے اوپر کی جلد بہت سخت تھی اور اس کی قمیص کے گریبان پر بوڑھے مزدوروں کی طرح کچھ بیل بوٹے بنے ہوئے بھی دکھائی دیتے تھے۔ اس کے بڑے بڑے ہاتھ اس کے موٹے موٹے گھٹنوں پر لکڑی کی کھڑاؤں کی طرح پڑے تھے۔ بھاری بھرکم پیٹ کے دباؤ سے پھٹی پرانی گندی صدری کا ایک بٹن کھل جانے کی وجہ سے گھڑی کی زنجیر باہر لٹک رہی تھی جس میں کوئی زیور سا جڑا ہوا بھی دکھائی دیتا تھا۔ اس کی پتلون کے پائینچے چڑھے ہوئے تھے اور پاؤں بڑے بڑے بوٹوں میں قالین پر آرام کر رہے تھے۔

اس کی ظاہری شکل وصورت سے اس کی ذہانت اور قوتِ متخیلّہ کا اندازہ نہ ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس کے جوہرِ خیال اور وسعتِ تصوّر کا کسی کو بھی علم نہ ہو سکا۔ اس سے عمر میں کئی سال بڑا تکمہ، جو کبھی تو ادب آداب کے تقاضوں کو پورا کرتا اور کبھی کانوں میں دھنسنے والی سخت آواز سے اس طرح بات کرتا کہ اس کی بوڑھی آواز پرندوں کی آواز میں بدل جاتی اور اس کے مصنوعی دانت بناوٹی مسکراہٹ کا باعث بن جاتے تھے، آنتون کے مقابلے میں بہت نازک، نوجوان، پُھرتیلا اور نرم طبع تھا اور اپنی عقلِ سلیم کے باعث اس میں اپنے سے کہیں چھوٹی عمر کے شخص کی

زندگی کو اچھی طرح سمجھنے کی استعداد تھی اور یہی بات آنتوں دیریکس کے لیے بوڑھے تکمہ پر غضب ناک ہونے کا باعث بنتی تھی کیوں کہ وہ تکمہ کو اچھی طرح جاننے کی وجہ سے خیال کرتا تھا کہ وہ کچھ چھپا رہا ہے۔ تکمہ یقیناً کوئی راز چھپائے ہوئے تھا، مگر یہ وہ راز نہ تھا جو آنتون دیریکس خیال کر رہا تھا۔ تکمہ تو صرف یہ راز چھپاتا تھا کہ جب وہ اپنے سر کو جھٹکا دے کر ہلائے تو کسی کو اس کا علم نہ ہونے پائے۔ لیکن آنتون کو اس کا راز معلوم کرنے کی کوئی خواہش نہ تھی، مگر وہ بوڑھا شخص اسے پُرملال کرتا تھا جو اُس کی ماں کا عاشق رہ چکا تھا۔ ہاں اُسی ماں کا جس کے رعب کے نیچے ابھی تک اس کی کمر خم ہوئی جاتی تھی جب کہ وہ کرسی پر سیدھی بیٹھی انتظار کی گھڑیاں گن رہی ہوتی تھی۔ اس سے وہ ہمیشہ ہی متنفر رہا تھا، مگر اس نے اس کا اظہار نہ تو خود ہونے دیا اور نہ ہی تکمہ کو اس سے آگاہی حاصل ہوسکی۔

اس بڑے دالان میں تین بوڑھے بلابات چیت کیے بیٹھے تھے۔ بوڑھی عورت بے چین نہ تھی، اسے اپنے نفس پر قابو تھا کیوں کہ اس کا اپنا لڑکا وہاں موجود تھا جس کی زہر آلود باہر نکلی ہوئی وحشیانہ آنکھوں کے سامنے وہ ہمیشہ ہی آرام سے بیٹھا کرتی تھی۔ وہ کمر سیدھی رکھے کرسی پر اس طرح بیٹھی تھی گویا تخت نشین بوڑھی ملکہ، بارعب، قابلِ عزت وتکریم اور بلاعیب۔ مگر وہ اتنی نازک، لاغر اور کم زور دکھائی دیتی تھی گویا ایک پھونک سے اس کی روح اُڑنچھو ہو جائے گی۔ اس نے مختصر الفاظ میں اپنے بیٹے کی تعریف کی کہ وہ ہر ہفتے باقاعدہ اس کی خبر لینے آتا ہے اور اس کی صحت کے متعلق پوچھتا ہے چناں چہ اسے کوئی بے چینی نہیں اور وہ سکون سے زندگی بسر کر رہی ہے۔ اس وقت اسے ماضی کے واقعات کے متعلق بات چیت کرنے کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی جو اس کی نظروں کے سامنے پھرتے تھے، مگر دروازے کی گھنٹی بجی تو بولی: "بچے آتے ہوں گے۔"

تینوں کان لگا کر خاموشی سے سُننے لگے۔ اب تکمہ صاحب نے، جن کی قوتِ سماعت ابھی تک بہت اچھی تھی، سُنا کہ کوئی انا کے ساتھ بات کر رہا ہے۔ تکمہ نے بتایا کہ کوئی پوچھ رہا ہے کہ اس کا آنا تکلیف کا باعث تو نہ ہوگا۔

'' آنتون، ذرا آواز دو کہ انھیں اوپر آنے دیا جائے،'' بوڑھی عورت کی آواز مادرانہ حکم کے طور پر گونجی ۔ اس پر آنتون نے کھڑے ہو کر، دروازے کی طرف منھ کر کے آواز دی: '' تم لوگ اوپر آ جاؤ، نانی انتظار کر رہی ہیں۔''

لت اور ایلی اس طرح اندر آئے گویا وہ نوجوان ہونے کی وجہ سے بوڑھی عورت کی مجلس میں بے رونقی پیدا کرنے سے ڈر رہے ہوں۔ بڑھیا نے وسیع و عریض آستینوں میں لپٹے ہوئے بازو اُٹھا کر اشارہ کیا، جو پردوں کے گلابی سائے میں دکھائی دیا، اور کہنے لگی: '' تم لوگ شادی کر رہے ہو، بہت خوب،'' اور اس نے اپنے ہاتھ سے لت کے سر کو چھو کر ذرا پکڑے رکھا تا کہ اپنے کانپتے ہوئے منھ سے اسے بوسہ دے۔ ایلی کو بھی اس نے بوسہ دیا جس نے نہایت محبت سے اسے نانی کہہ کر پکارا۔

'' تمھاری والدہ نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا اور مجھے تمھیں اکٹھا دیکھ کر بے حد خوشی ہوئی ہے۔ اللہ تمھیں خوشیاں نصیب کرے۔'' یہ الفاظ تخت پر سے خطاب کی مثل گونجے۔ وہ خوشی سے لرز رہی تھی اور کہہ رہی تھی: '' بچو، خوش رہو، آباد رہو، شادمانی تمھارے قدم چومے۔''

ماں نے صرف یہ دعائیہ الفاظ ہی استعمال کیے تھے، مگر آنتون دیریکس نے ان الفاظ سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ماں جی اس طرف اشارہ کر رہی ہیں کہ ہمارے خاندان میں بہت کم شادیاں کامیاب ہوئی ہیں اس لیے وہ اندر ہی اندر خوشی کا اظہار کر رہا تھا کہ وہ خوش ہے کہ اس نے شادی ہی نہیں کی۔ لت اور ایلی کو دیکھ کر وہ اپنے دل میں خوش ہوا کہ وہ دوسروں کی نظروں میں نوجوانی کی زندگی شروع کرتا دکھائی دے رہا ہے، مگر وہ جانتا تھا کہ یہ ایک ظاہری بات ہے کیوں کہ لت اڑتیس برس کی عمر کو پہنچ چکا ہے اور ایلی کی یہ دوسری منگنی ہے، لیکن جب اسے خیال آیا کہ وہ ابھی اتنی چھوٹی عمر کا ہے اور ابھی اس کی زندگی کے بہت سے سال باقی ہیں، مگر تر و تازہ اور طاقت اور توانائی کے سالوں میں اس کا کوئی حصہ نہیں تو اس کا دل حسد سے آگ بگولا ہو گیا اور اسے اتنا غصہ آیا کہ اس کی آنکھوں پر زردی چھا گئی اور وہ بد خصلت و بد کردار اور افسردہ خاطر انسان، جو پوشیدگی میں اپنی شہوت پوری کرنے کا عادی تھا، تعجب کرنے لگا کہ کیا لت اپنی

بیوی کے لیے صحیح مرد ثابت ہوگا۔

لت اپنی والدہ کی طرح بہت نازک اندام تھا۔ اس کا چہرہ گل رنگ، بال سر کے ساتھ لگے سنہری اور اس کی مونچھیں بھوری تھیں۔ وہ اپنے کوٹ کے متعلق بہت احتیاط کرتا تھا کہ وہ بالکل جسم کے مطابق ہو اور وہ تیتری کے رنگوں والی نکٹائیاں پہنا کرتا تھا۔

آنتون دل ہی دل میں کہنے لگا کہ لت ہوشیار اور ذہین ضرور ہے۔ اس نے اٹلی سے تجدیدِ تعلقات کے متعلق جو مقالے لکھے تھے وہ بہت عمدہ تھے اور انھیں مَیں بڑی دل چسپی سے پڑھا کرتا تھا، لیکن میں نے لت کی کبھی تعریف نہیں کی۔ علاوہ ازیں اس نے دو افسانے، ایک ڈن ہاخ اور دوسرا انڈونیشیا کے ولندیزی جزائر کے لوگوں کے متعلق، لکھے تھے جو اس کی باریک بینی کے غماز اور بہت اچھے تھے۔ یہ لڑکا درحقیقت بہت سی خوبیوں کا مالک ہے، لیکن اسے دیکھ کر انسان اس کے متعلق ایسا خیال نہیں کر سکتا۔ اس کا قد چھوٹا اور بال سنہری ہیں۔ اگر اسے خوب صورت لباس میں ملبوس دیکھیں تو گڑیا کی مانند نظر آتا ہے۔

ایلی بہت خوب صورت تو نہیں، مگر عقل مند ضرور ہے۔ اس کا چہرہ قدرے زرد ہے اور وہ محبت کی پتلی معلوم نہیں ہوتی۔ اگر ہے تو یہ اسے ثابت کرنا ہوگا۔ میرے خیال میں وہ آپس میں اس طرح بوسہ بازی نہیں کرتے جیسے ایک دوسرے پر فریفتہ ہونے والے کیا کرتے ہیں۔

آنتوں دیریکس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا اور وہ ان باتوں کی وجہ سے افسوس کرنے لگا جو اس کے ہاتھ سے نکل چکی تھیں، مگر پھر بھی وہ اس گفتگو کو سُننے میں مصروف رہا جو ایلی اور لت آہستہ آہستہ کر رہے تھے۔ وہ نانی اماں کو زیادہ تکلیف دینا پسند نہیں کرتے اور یہ کہ ان کی شادی کی تقریب کب منعقد ہوگی اور وہ کب سفر پر جائیں گے کیوں کہ اس سے زیادہ دیر تک انتظار کرنے کی انھیں چنداں ضرورت نہیں۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ وہ براستہ پیرس اٹلی جانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ چوں کہ مجھے اٹلی سے واقفیت ہے اس لیے وہاں ایلی کو خوب سیر و سیاحت کرواؤں گا۔

آنتوں دیریکس اُٹھ کھڑا ہوا اور رخصت لے کر نیچے گیا تو کیا دیکھتا ہے اُس کی بہن

اوتیلی ستاین دی دیرت سامنے کے کمرے میں ڈاکٹر رولفس کے ساتھ کھڑی باتیں کر رہی ہے۔ اس نے انھیں اطلاع دی کہ بچے اوپر ہیں۔ ماں اوتیلی بولی:

''ہاں، مجھے علم ہے اس لیے مَیں نیچے انتظار کر رہی ہوں تا کہ امی جان کے لیے تکلیف کا باعث نہ بنوں۔''

''اچھا... اچھا،'' بوڑھا ڈاکٹر بڑبڑایا۔ وہ وہاں پانی بھرے گوشت کے تودے کی طرح اپنی اکڑی ہوئی ٹانگے کو سامنے رکھ کر کرسی میں دھنسا ہوا اس طرح بیٹھا تھا کہ اس کے پیٹ کی تہیں ٹیڑھی ہو کر لٹک رہی تھیں اور اس کے منڈے ہوئے چہرے پر جلد کی تہیں بھی اکٹھی کی ہوئی نظر آتی تھیں۔ وہ ایک بوڑھے راہب کی طرح دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے سر پر اکا دکا سفید بال ایسے نظر آتے تھے جیسے انھیں کیڑا لگا ہوا ہو۔ یہ بال بکھر کر گول کھوپڑی پر جمے ہوئے تھے۔ اس کی کنپٹیوں کی شریانیں نالیوں کی طرح دکھائی دیتی تھیں۔ وہ باتیں کرتے ہوئے پھسپھساتا تھا اور اس کی سنہری عینک کے پیچھے اس کی آنکھیں اس طرح متحرک ہوتی تھیں گویا وہ تَیر رہی ہیں۔

''اچھا، اچھا... اوتیلی۔ آخر تیرالت بھی شادی رچا رہا ہے۔''

بوڑھے ڈاکٹر کی عمر اٹھاسی برس تھی۔ وہ نانی اور تکمہ کے ہمعصروں میں سے آخری فرد تھا۔ اس نے اوتیلی ستاین کو انڈونیشا میں پیدا ہوتے دیکھا تھا۔ اس وقت وہ نوجوان تھا اور اسے ہالینڈ سے گئے ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔ وہ اوتیلی کو اس کا نام لے کر یا بچی کہہ کر پکارا کرتا تھا۔ ماں اوتیلی بولی:

''آپ کیا کہہ رہے ہیں، میرے نزدیک تو یہ بہت جلدی ہے۔''

''ہاں، ہاں، بچی، تمھیں اس کی جدائی کا صدمہ ضرور ہوگا۔ بہرحال جوڑا اچھا رہے گا... وہ اور اوتیلی دونوں ہنر اور سلیقہ رکھتے ہیں۔ ہاں... ہاں اکٹھے... اوہ، انا نے ابھی یہ کمرا گرم نہیں کیا۔ یہ تو پھر بھی گرم ہے، مگر اوپر بہت سردی ہے۔ تکمہ اندر سے گرم ہے..... ایسا ہی ہے، مگر ماں بھی ذرا ٹھنڈا کمرا ہی پسند کرتی ہے۔ ہوں، اتنا ٹھنڈا، مگر یہاں تو گرمی ہے۔ بچی، ماں

جی کی طبیعت خراب تھی۔''

''ڈاکٹر صاحب، آپ انھیں سو سال تک ضرور پہچائیں گے،'' آنتون بولا۔ پھر وہ اپنا کوٹ بند کر کے اطمینان سے روانہ ہو گیا کیوں کہ اس نے بیٹا ہونے کی حیثیت سے اس ہفتے خبر گیری کا اپنا فرض ادا کر دیا تھا۔ ڈاکٹر پکارتا رہا:

''سنو، آنتون، سنو،'' مگر وہ جا چکا تھا۔

''سو سال کو پہنچے گی،'' ڈاکٹر بولا۔

''پتا نہیں... ہو سکتا ہے ... مگر مَیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ مَیں خود کافی بوڑھا ہو چکا ہوں۔ میری عمر اٹھاسی برس کی ہو گئی ہے۔ ہاں، لیجے، مَیں اٹھاسی برس کا ہوں۔ اب تو مَیں کچھ بھی نہیں کر سکتا۔ لیجے، تمہارا کیا خیال ہے؟ یہ اچھی بات ہے کہ ماں جی کا ڈاکٹر اب تیلنس ہے۔ اب بچے نیچے آ رہے ہیں۔ ہیلو، مبارک ہو، بچو۔ بہت خوب، بھئی بہت خوب۔ فن، فن برائے فن۔ کیا نانی جان ٹھیک ہیں؟ اچھا تو مَیں اوپر جاتا ہوں۔''

''بچو، اب کدھر جا رہے ہو؟'' ماں اوتیلی نے پوچھا۔

''ہم خالہ ستیفانی کے ہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں،'' ایلی بولی۔ ''اور اس کے بعد شاید ماموں ہیرلڈ کی طرف جائیں۔''

انا نے بچوں کو الوداع کہا اور ماں اوتیلی ڈاکٹر کے پیچھے پیچھے اوپر چلی گئی۔ وہ یہ کوشش کر رہی تھی کہ سُنے، ڈاکٹر اوپر جاتا ہوا بڑبڑاتے ہوئے کیا کہہ رہا ہے، لیکن وہ اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا اس لیے وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکی کہ کیا کہہ رہا ہے۔ آنتون نے کہا ہے سو سال کو پہنچنا ہے۔ ہاں، وہ یقیناً اس عمر کو پالے گا۔ وہ وحشیوں کی طرح زندگی بسر کر رہا ہے پھر بھی اس عمر کو پالے گا۔ ہاں وہ ... ایک جانور کی طرح ہی رہتا تھا... کیا مَیں اسے نہیں جانتا۔ مَیں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ وہ ایک جانور تھا اور شاید ابھی تک ویسا ہی ہو...''

''ڈاکٹر صاحب، آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' اوتیلی نے پوچھا۔

''کچھ نہیں، بچی... سو سال۔ مَیں اب اٹھاسی برس کو پہنچ رہا ہو۔'' وہ ہانپتا ہوا کمرے

میں داخل ہوا اور دونوں بوڑھوں کو، جو کھڑکی کی دونوں طرف بیٹھے سر سے اشارے کر رہے تھے، کہنے لگا: سلام، اوتیلی ۔ سلام تکمہ۔ اچھا تو کیا بات ہے، یہاں تو آگ بھی نہیں جلائی گئی۔''

''ابھی تو ستمبر کا مہینہ شروع ہوا ہے۔'' تکمہ نے کہا۔

''ہاں، تمھارے اندر تو ہمیشہ ہی آگ جلتی رہتی ہے۔''

ڈاکٹر کے پیچھے پیچھے ماں اوتیلی ایک بچی کی طرح اندر داخل ہوئی اور اپنی ماں کو نہایت نرمی سے بوسہ دے کر اس نے تکمہ کو سلام کیا۔ اس نے اس کا ہاتھ ذرا کھینچا تا کہ وہ اسے بھی بوسہ دے۔

۵

ستیفانی دی لا درس اپنے باپ کی اکلوتی بیٹی ہونے کی وجہ سے امیر تھی اور پھر اس لیے بھی کہ وہ بہت کفایت شعاری سے کام لیتی تھی۔ اس کی دولت جمع ہوتی رہتی تھی، اگرچہ ایسا کرنا اس کا مطمحِ نظر نہ تھا۔ ممکن ہے اس کے اندر موروثی طور پر مال جمع کرنے کی امنگ پائی جاتی ہو، لیکن اس کی والدہ کو اپنے خاوند کے ترکے سے بہت ہی کم رقم ملی تھی، علاوہ ازیں کفایت شعار نہ ہونے کی وجہ سے اُس کے پاس اتنا سرمایہ نہ تھا۔

ستیفانی ڈن ہاخ کے جاوانامی بازار میں ایک چھوٹے سے مکان میں رہتی تھی اور رفاہِ عامہ کے کاموں میں دل کھول کر خرچ کرنے میں مشہور تھی۔ اپنے کفایت شعارانہ طرزِ رہائش کی وجہ سے اس کے لیے اس قسم کے امور میں حصہ لینا ممکن تھا۔

لت اور ایلی کو خالہ ستیفانی چہچانے والے پرندوں کے درمیان کھڑی گھر پر مل گئی۔ اس کی اپنی شکل بھی ایک بوڑھے پرندے کی مانند تھی: قد چھوٹا، جسم لاغر، چہرہ سکڑا اور مرجھایا ہوا۔ وہ پرندوں کی طرح پھدک پھدک کر چلا کرتی تھی اور اس عمر میں اپنے اس پُھرتیلے پن پر بہت نازاں تھی۔ اس کے کندھے بہت نحیف اور ہاتھ ہڈیوں کی مانند سخت تھے۔ کم وبیش اس کی شکل ایک بدصورت چڑیل سے مشابہ تھی۔ اس نے کبھی شادی کی اور نہ ہی اس میں زندگی کے کوئی آثار ظاہر ہوئے۔ وہ اپنی خودغرضیوں کے باوجود کسی کو ضرر پہنچائے بغیر ہی بوڑھی ہو چکی تھی۔ وہ موت کے بعد جہنم کی سختیوں سے بہت گھبراتی تھی۔ اگرچہ اب وہ موت کے بہت قریب پہنچ چکی تھی، لیکن جہنم کا ڈر اسے ساری عمر ہی لگا رہا۔ وہ راسخ العقیدہ مذہبی عورت تھی اور اسے یقین تھا کہ کلوِن[۱] کو آنے والے زمانے کی تمام ضروریات کا کُلی علم حاصل تھا۔ وہ اندھا دھند اس مذہب کی پیروی کرتی تھی اور اکثر اس کے متعلق کتابیں اور اشتہار پڑھتی رہتی تھی۔ وہ عام مضامین

---

[۱] کلوِن : (John Calvin)، جَون کلوِن، ۱۵۰۹ء تا ۱۵۶۴ء، فرانسیسی مذہبی عالم۔ عیسائیت میں پروٹسنٹ فرقے کا ایک اہم سربراہ۔

سے لے کر علمِ کلام کی کتابوں تک کا مطالعہ کرنے میں مشغول رہتی تھی، لیکن علمِ کلام کی کتابوں کا سمجھنا اس کی عقل سے بالا تھا اور اشتہار وغیرہ پڑھنے سے اس پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔

''حیرت ہے، بچو، تم کب شادی کر رہے ہو؟'' خالہ اتنی اونچی آواز میں بولی گویا لت اور ایلی بہرے ہیں۔

''خالہ جی، تین ماہ بعد۔''

''تو کیا گرجے میں شادی ہوگی؟''

''میرا خیال ہے کہ نہیں،'' لت نے جواب دیا۔

''ہاں، میرا بھی یہی گمان تھا،'' خالہ نے تلخی سے کہا۔

''جی، آپ نے بالکل صحیح اندازہ لگایا ہے،'' لت بولا۔

''مگر یہ نامناسب ہے۔ ایلی، کیا تم بھی گرجے میں شادی نہیں کروانا چاہتی؟''

''نہیں، خالہ، مَیں بھی لت سے متفق ہوں۔ مَیں آپ کو خالہ کہہ کر پکارتی ہوں۔ ٹھیک ہے نا؟'' ایلی نے کہا۔

''ہاں، بچی، یہ ٹھیک ہے، تم مجھے خالہ ہی کہو، لیکن تمھیں دیریکس سے ورثے میں جو ملا ہے وہ مناسب نہیں۔ انھوں نے عقبیٰ کے بارے میں کبھی غور نہیں کیا۔'' پرندوں نے اونچی آواز میں چہچہانا شروع کر دیا اور خالہ کی آواز میں بھی ذرا سختی پیدا ہوگئی۔

''اگر دادا جی پاس ہوں تو شاید ان کی خاطر مَیں ایسا کروں، لیکن وہ تو بہت بوڑھے ہیں اور ماں ستاین ایسا کرنے کو کوئی وقعت نہیں دیتی، ایلی نے کہا۔''

خالہ ستیفانی چلا کر بولی، ''نہیں، بالکل نہیں۔''

''خالہ جی، سارے خاندان میں صرف آپ ہی اس میں دل چسپی رکھتی ہیں،'' لت بولا۔ لت کی خالہ ستیفانی سے کم ہی ملاقات ہوتی تھی اور وہ جب بھی اس سے ملتا اسے چھیڑتا رہتا تھا۔

''لیکن میری خاطر تو تمھیں ایسا کرنے کی ضرورت نہیں،'' خالہ نے چاپلوسانہ انداز میں کہا اور دل میں سوچنے لگی اگر انھوں نے گرجے میں شادی نہ کی اور مناسب طریق پر عمل نہ کیا تو مجھ

سے انھیں ایک پیسہ بھی درثے میں نہ ملے گا۔ پہلے تو مَیں نے ان کے لیے بھی کچھ مختص کرنے کا ارادہ کِیا تھا، مگر اب سب کچھ ہیرلڈ کے نواسوں کے نام ہی لکھوا جاؤں گی کیوں کہ وہ مناسب راہوں پر گامزن ہیں۔ جب ایلی اور لت جانے لگے تو خالہ، جو ملاقاتیوں کو پسند کیا کرتی تھی، بولی:

''ایلی، ذرا ٹھہرو۔ مَیں لت کو شاذ ہی دیکھتی ہوں، صرف وہی تو خالہ کا بھانجا ہے۔ بچو، جو تم کر رہے ہو وہ نا مناسب ہے۔ تم جانتے ہو کہ مَیں ہمیشہ ہی سچی بات کہتی ہوں اور بچپن سے ہی مجھے سچ بولنے کی عادت ہے۔ مَیں اپنے خاندان میں سب سے زیادہ عمر کی ہوں۔ ہمارے خاندان کے افراد عام طور پر غیر مناسب حرکتیں کرتے ہیں جس کی وجہ سے مجھے سچی بات کہنی پڑتی ہے، لیکن مَیں بڑی حکمت عملی سے ایسا کرتی ہوں۔ اگر مَیں ایسا نہ کرتی تو ماموں آنتون بالکل ضائع ہو گئے ہوتے۔ وہ ابھی تک نامناسب کام کرتے ہیں، مگر مَیں انھیں ان کی قسمت کے سُپرد نہیں کر سکتی۔ ماموں دان اور ہیرلڈ، جن کے اتنے بچے ہیں، وہ ہمیشہ سے ہی میرے مرہونِ منت رہے ہیں اور حتیٰ الامکان مَیں نے ان کی مدد کا بیڑا اُٹھائے رکھا ہے۔''

''خالہ جی، آپ کی تو ہمیشہ سے ہی ضرورت رہی ہے،'' لت بولا۔ ''لیکن آپ خالہ تھیریس کے لیے کچھ بھی نہ کر سکیں اور انھوں نے کیتھولک مذہب اختیار کر لیا۔ کیا یہ بھی آپ کی وجہ سے نہیں ہوا؟''

خالہ ستیفانی چلا کر بولی، ''تھیریس تو بالکل ہی ضائع ہو گئی۔ اس سے تو مَیں نے عرصے سے کنارہ کشی کی ہوئی ہے، مگر جس کے لیے کچھ کرنا ہو مَیں اُس کے لیے قربانی دینے کو تیار رہتی ہوں۔ ماموں ہیرلڈ کے لیے جو کچھ کر سکتی ہوں وہ کرتی ہوں اور اسی طرح ان کے بچوں کے لیے بھی۔ عیناء کے لیے تو مَیں اس کی دوسری ماں کے برابر ہوں اور اسی طرح دی ہر برخ کے لیے بھی۔ ان کے اطوار و کردار بالکل درست ہیں لیو اور خوس بہت ہی نیک فطرت بچے ہیں اور صحیح راہوں پر چل رہے ہیں۔''

''آپ لیلیٰ کو نہ بھولیں جس نے بغیر سوچے سمجھے اپنے پہلے بچے کو آپ کا نام دے دیا۔ میرے نزدیک تو ستیفانوس بالکل عجیب قسم کا نام ہے،'' لت نے کہا۔

''نہیں، تم تو اپنے بچوں کو میرا نام نہیں دینے کے خواہ تمہارے ہاں نصف درجن لڑکیاں ہی کیوں نہ پیدا ہو جائیں،'' خالہ پرندوں کے چیخنے چلانے کے دوران چلا کر بولی، ''بچو، مَیں تمھیں کیا کہوں۔ ماموں ہیرلڈ کے بچے تمھاری ماں کے بچوں کی نسبت خالہ سے زیادہ الفت رکھتے ہیں۔ تریویلی کے بچوں کا تو ذکر ہی چھوڑو۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ مَیں نے تمھاری ماں پر کس قدر احسانات کیے ہیں۔ لت، میرے بغیر تو وہ ضائع ہی ہوگئی ہوتی۔ بچو، یہ باتیں مَیں تمھیں تکلیف پہنچانے یا تمہارا دل دُکھانے کے لیے نہیں کر رہی۔ یقین کرو میرے بغیر تو وہ بس تباہ ہی ہو جاتی۔ ہاں، تمھیں میرا ضرور ممنونِ احسان ہونا چاہیے۔ تمھیں علم ہے کہ تمھاری ماں پہلے دو خاوندوں سے طلاق لے چکی ہے۔ نہیں، لت، ایسا کرنا غیر مناسب تھا۔''

'' خالہ جی، ہمارے خاندان میں امی جی کالی بھیڑ کی طرح ہیں،'' لت نے جواب دیا۔

'' نہیں، نہیں، ایسا تو نہیں،'' خالہ ستیفانی نے پرندوں کی طرح سر ہلاتے ہوئے اس بات کی تردید کی اور اس کے اِردگرد پرندے اس کی ہاں میں ہاں ملانے کے لیے چہچہا رہے تھے۔ ''مگر خاندان اتنا نیک نہیں جتنا ہونا چاہیے تھا۔ مَیں اپنی ماں کے متعلق تو کچھ نہیں کہتی، ہاں، یہ درست ہے کہ میرے والد مرحوم انھیں بہت جلد داغِ مفارقت دے کر اس جہان سے چل دیے تھے اور ابا دیریکس ان کے پائے کے بالکل نہ تھے۔''

''علاوہ ازیں دیریکس خاندان کا کوئی فرد بھی دے لادرس خاندان کے کسی فرد کا ہم پلہ نہیں،'' لت نے مذاق کے طور پر جواباً کہا۔

'' تم تو میری ہنسی اُڑا رہے ہو،'' خالہ نے آگ بگولا ہو کر جواب دیا اور پرندے بھی جوش میں آکر ان کے ساتھ چلانے لگے۔ ''ہاں، مگر ہنسی میں تم سچی بات ضرور کہہ گئے ہو۔ مَیں تمھاری ماں کے متعلق تو کچھ نہیں کہتی، وہ تو بہت پیاری لڑکی ہے جس سے مجھے ازحد انس ہے، مگر باقی تمام دیریکس سوائے ماموں ہیرلڈ کے ... شہوت پرستوں کا جتھا ہے،'' خالہ نے چلا کر کہا۔ '' ماموں آنتوں، دان، خالہ تھیریس، تمھاری بہن اوتیلی جو اگرچہ دیریکس تو نہیں، مگر اس کے خون میں بھی یہ بات سرایت کیسے ہوئے ہے۔ یہ سب آسیبی اور گنہگار ہیں،'' اور وہ دل میں

کہنے لگی: بچو، دراصل تمھاری ماں بھی ان میں شامل ہے، مگر میں یہ بات اور طرح سے کہوں گی۔

'' خالہ جی، مجھے خوشی ہے کہ دیریکس والوں کا خفقان پاؤس خاندان والوں کے ذریعے تو ازن پر لایا جا رہا ہے، کیوں کہ ان کی فطرت میں سکون پایا جاتا ہے،'' لت نے جواب دیا اور سوچنے لگا: یہ سب کچھ درحقیقت تمھاری ماں کے ذریعے ہی ہے، لیکن، خالہ، آپ اور طرف چلی گئی ہیں۔

خالہ پرندوں کی مدد سے پھر گویا ہوئیں: ''مَیں اپنے خاندان کی توہین کرنے کے لیے ایسی باتیں نہیں کہہ رہی۔ بچو، سنو! مَیں نے ذرا سخت الفاظ استعمال کیے ہیں، مگر جیسا کہ چاہیے مَیں سچ ہی بولتی ہوں۔ ہمارے خاندان میں بھلا اور کون ہے جو، جیسا کہ مناسب ہے، سچ بولتا ہو۔''

'' آپ، خالہ جی، آپ،'' لت نے کہا۔

'' ہاں، مَیں اور صرف مَیں ہی ایسا کرتی ہوں،'' خالہ اونچی آواز سے چلا کر بولی اور پرندے بھی چہچہاتے ہوئے ان کی تصدیق کرنے لگے۔

'' ایلی ابھی جانے کا ارادہ نہ کرو،'' خالہ دم لیتے ہوئے بولی۔ '' ذرا دیر اور بیٹھو۔ تمہارا آنا بڑی خوشی کا باعث ہوا ہے۔ ایلی، ذرا گھنٹی بجادو تاکہ کلارچے[1] شراب میں لگے ہوئے پھلوں کے گلاس لے آئے۔ یہ چیزیں مَیں نانی اماں کی نوکرانی انا کی بتائی ہوئی ترکیب سے بناتی ہوں جسے یہ بنانے کا صحیح طریقہ معلوم ہے۔''

'' خالہ جی، اب آپ معاف فرمائیں، ہم نے کہیں اور بھی جانا ہے۔''

'' ذرا چکھ تو لو،'' خالہ نے زور دیا اور پرندوں نے بھی اس کے ساتھ مل کر دعوت دی کہ اگر تم نے کچھ نہ کھایا تو خالہ خیال کرے گی کہ اس کی سچی باتیں سُن کر تم لوگ ناراض ہو گئے ہو۔ لہٰذا انھوں نے اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے شراب میں لگے پھلوں کا ذائقہ چکھ لیا جس سے خالہ جی کے مزاج درست ہو گئے اور جب لت نے کہا: '' خالہ جی، کیا آپ کا سر کبھی نہیں پھرا۔''

---

[1] کلارچے (Klaartje)، خادمہ کا نام۔

تو بھی اس کے چہرے پر خفگی کے آثار نمودار نہ ہوئے۔

خالہ کہنے لگی، '' تم پوچھتے ہو کیا مجھے کبھی خفقان ہوا ہے؟ نہیں، یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ مَیں بھی گناہ کرتی ہوں اور اسی طرح گناہ گار ہوں جیسے ہم سب، لیکن خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ میرا سر کبھی بھی اس طرح نہیں پھرا جیسا ماموں آنتون کا۔ خالہ تھیریس یا تمھاری بہن اوتیلی کا۔ نہیں، ایسا کبھی نہیں ہوا۔'' پرندوں نے بڑے جوش سے چلا کر اس کی بات کی تصدیق کی۔

'' لیکن، خالہ، آپ بھی تو ضرور کسی نہ کسی پر فریفتہ ہوئی ہوں گی۔ امید ہے کہ آپ کسی وقت اپنی محبت کا افسانہ ضرور سنائیں گی تاکہ مَیں اُس کے متعلق ایک اچھی سی کتاب لکھ سکوں۔''

'' تم تو پہلے ہی اپنی گناہوں بھری کتاب میں اپنے خاندان کے متعلق بہت ناز یبا باتیں لکھ چکے ہو،'' خالہ غصّے میں آ کر بولی۔ '' اس لیے خواہ مَیں دس دفعہ بھی کسی پر عاشق رہ چکی ہوں تمھیں اپنی داستان کبھی نہ سناؤں گی۔ شرارتی بچے، تمھیں تو شرم آنی چاہیے تھی۔ تمھیں تو چاہیے تھا کوئی اچھی کتاب لکھتے جو پڑھنے والوں کے لیے تسکین اور دلی راحت کا موجب ہوتی۔ تم گناہوں کو کرید کرید کر ظاہر کرنے کی کوشش نہ کرو خواہ تم انھیں کتنے ہی اچھے الفاظ میں بیان کرنے کا ارادہ کیوں نہ رکھتے ہو۔''

'' آپ میرے الفاظ کو تو پسند کرتی ہیں نا،'' لت نے پوچھا۔

'' تم جو کچھ بھی لکھتے ہو میرے نزدیک وہ درست نہیں۔ خدا کی لعنت ہو ان کتابوں پر جو تم لکھتے ہو۔ ایلی، تم اس لیے تو نہیں جا رہی کہ مَیں لت کی تصنیفات کی مذمت کر رہی ہوں۔''

'' نہیں، خالہ جی...''

'' اچھا تو پھر تم کچھ اور لے لو اور اس کے بنانے کی ترکیب تم نانی اماں کی نوکرانی سے دریافت کر سکتی ہو۔ اچھا بچو، خدا حافظ۔ جو تحفہ تم خالہ سے لینا چاہو اس کے متعلق غور کر کے مجھے اطلاع کر دینا،'' خالہ نے محبت بھرے لہجے میں کہا کہ جس سے پرندوں نے بھی پورا پورا اتفاق کیا اور جب ایلی اور لت رخصت ہوئے تو انھوں نے خوشی سے چہچہاتے ہوئے انھیں الوداع کہا۔

۶

بازار میں پہنچتے ہی لت نے کانوں میں انگلیاں ڈال کر ''اُف اُف'' کہنا شروع کر دیا کیوں کہ وہ وہاں پرندوں کے شور سے بہرہ ہوا جا رہا تھا۔ پھر وہ ایلی کو مخاطب کر کے بولا: ''ایلی، اب ہم مزید کسی ماموں یا ان کے بچوں کی طرف نہیں جائیں گے۔ ایک نانی، ایک ہمارا بننے والے دادا، ماموں، خالہ اور بوڑھا ڈاکٹر۔ اتنے بوڑھے لوگوں سے آج کے لیے کافی سے زیادہ ملاقات کر چکے ہیں۔ مَیں اس سے زیادہ بوڑھوں کو آج برداشت کرنے کے قابل نہیں رہا حتٰی کہ ماموں ہیرلڈ بھی ناقابلِ برداشت ہیں۔ اگرچہ وہ نہایت مہربان اور شفیق واقع ہوتے ہیں، مگر ایک دن کے دوران اتنے بوڑھوں سے ملنا میری افسردگیِ خاطر کا موجب ہے۔ اگر تم تھک نہیں گئی تو آؤ سیر کرتے ہیں۔ اب موسم بھی خوش گوار ہے اور ہَوا تازہ اور ذرا ٹھنڈی ہے، امید ہے آج بارش بھی نہیں ہوگی اس لیے ہم ساحلِ سمندر کی طرف جاتے ہیں۔ دیکھو، دخانی ٹرام بھی آرہی ہے۔ جلدی سے اس میں بیٹھ کر سفید پل تک جاتے ہیں اور پھر وہاں سے ساحلِ سمندر کی طرف پیدل جائیں گے۔''

وہ ٹرام میں بیٹھ کر پل تک پہنچے اور وہاں سے پیدل چلتے ہوئے ریت کے ٹیلوں کے درمیان پہنچ کر زمین پر بیٹھ گئے اور سمندر کی جانب سے ٹھنڈی ہَوا کا جھونکا ان کے اوپر سے گذرا۔ لت کہنے لگا:

''کاش میں بڑھاپے کا شکار نہ ہو جاؤں۔ ایلی، تمہارے خیال میں بوڑھا ہو جانا اور ہر روز بوڑھے ہی بوڑھے ہوتے چلے جانا برا نہیں؟''

''تمھاری گفتگو کی تان یہیں ٹوٹتی ہے اور یہی بات تمھاری تلخ مزاجی کا باعث بنتی ہے۔''

وہ مسکرائی اور جب اُس نے سنجیدگی سے لت کی طرف دیکھا تو اُس کا رنگ اُڑا ہوا تھا، لیکن ایلی نے جب مسکرا کر اُس کی طرف دیکھا تو لت کی جان میں جان آئی اور اسے تسلّی ہوئی۔

''اس سے بھی زیادہ،'' وہ کہنے لگا'' یہ بات میرے لیے ایک گھناؤ نا سپنا بن کر رہ گئی ہے کہ انسان ہر آنے والے روز اپنی جلد میں ایک اور بل پڑتا دیکھے اور اسے اپنے بالوں میں سفید رنگ کی لکیریں اور زیادہ نظر آنی لگیں اور انسان کا دماغ کم زور ہوتا اور حسیں ماند پڑتی چلی جائیں۔ پھر انسان دیکھے کہ اس کے پیٹ پر ایک اور بل پڑ گیا ہے جس کی وجہ سے کمر پر صدری بہ مشکل پوری آ رہی ہے۔ پھر یہ کہ اس کی کمر ماضی کے بوجھ کے نیچے دب کر خم کھاتی جا رہی ہے جس سے چھٹکارا حاصل کرنا ممکن نہیں۔ سرمایہ داروں کے کہنے کے مطابق جب لباس پرانا ہو جائے تو نیا لباس خریدا جا سکتا ہے، مگر جسم و روح تو عمر بھر کے لیے ہی ودیعت ہوتے ہیں اور قبر تک ساتھ جاتے ہیں۔ اگر انسان دونوں کے متعلق کنجوسی سے کام لے تو پھر صحیح طور پر زندگی نہیں گزار سکتا اور اگر فضول خرچی سے کام لے تو نقصان اُٹھاتا ہے۔ ماضی، جسے ہم ساتھ لیے پھرتے ہیں، لگاتار ہمیں دبائے جاتا ہے اور ہم گدھوں کی مانند آہستہ آہستہ آگے ہی آگے چلتے چلے جاتے ہیں حتیٰ کہ طاقت کھو کر گر پڑتے ہیں اور جان دے دیتے ہیں۔ ایلی، یہ بات نہایت ہی ہراساں کرنے والی ہے۔ آج کے بوڑھوں کا ذرا تصور تو کرو۔ دادا تکمہ اور نانی جی کا خیال دل میں لاؤ۔ مَیں انھیں دیکھ کر لرز اٹھتا ہوں۔ وہ قریباً ہر روز ہی وہاں بیٹھتے ہیں۔ ستانوے اور ترانوے برس کے بوڑھے۔ ہر ایک کھڑکی کی ایک طرف۔ بھلا وہ آپس میں کیا گفتگو کرتے ہوں گے! یقیناً اپنی بیماریوں اور موسم کے ردو بدل کے متعلق۔ کیوں کہ اتنے بوڑھے انسان زیادہ باتیں کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ بالعموم وہ گونگے سے ہو جاتے ہیں اور انھیں گزری ہوئی ساری باتیں بھی یاد نہیں رہتیں۔ ان کا سالہا سال کا ماضی انھیں چکنا چور کرتا جاتا ہے، مگر انھیں بظاہر زندہ رہنے دیتا ہے تاکہ وہ اپنی اس زندگی کا مزا چکھیں جو گزار چکے ہیں، خواہ وہ دل چسپ تھی یا نہ تھی، مگر میرا خیال ہے کہ ان کی زندگی یقیناً دل چسپی سے خالی نہ ہوگی ورنہ وہ اس طرح ایک دوسرے کے پاس نہیں بیٹھتے۔ انھوں نے یقیناً بہت کچھ اکٹھے آزمایا ہوگا۔ کہا جاتا ہے کہ دادا جی نانی اماں کے عاشق رہ چکے ہیں۔ مگر اب ان بوڑھوں کو دیکھ کر انسان باور نہیں کر سکتا کہ وہ کبھی محبت اور شہوت کے میدان کے شہسوار بھی رہ چکے ہوں گے۔ مجھے صحیح علم تو نہیں،

مگر مَیں جب بھی انھیں اکٹھا دیکھتا ہوں تو مجھ پر یہ اثر ہوئے بغیر نہیں رہتا کہ ان کا آپس میں کوئی عجیب سا رشتہ رہا ہے یعنی ان کے ساتھ کسی المناک واقعے کا تعلق ہے جو انھیں آپس میں جکڑے ہوئے ہے اور اب انھیں آپس میں باندھنے والے دھاگے کے ریشے اُدھڑ چکے ہیں اور ان لوگوں کے درمیان اس ریشے کی دھاریں اُڑتی دکھائی دیتی ہیں۔ وہ یقیناً بے حس ہو چکے ہیں اس لیے مَیں یہ تسلیم نہیں کرسکتا کہ وہ آپس میں زیادہ بات چیت کرتے ہوں گے۔ ہاں، وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھتے ضرور ہیں۔ ہوسکتا ہے یہ کوئی ایسا دل چسپ واقعہ ہو جو میرے افسانے کے لیے اچھا موضوع بن سکے۔ اس وقت مجھے کوئی اور موضوع نہیں سوجھ رہا۔ کہا تمہارے خیال میں کوئی موضوع ہے۔ گزشتہ کئی برسوں سے میرے ذہن میں افسانے کے لیے کوئی نیا خیال پیدا نہیں ہوا۔ میرا خیال ہے کہ اب کوئی اور افسانہ لکھوں۔ اب میری عمر اتنی نہیں کہ نوجوانوں کی خاطر افسانے لکھوں اور افسانے بھلا پڑھتا بھی کون ہے۔"

"افسانے محض عوام الناس کے لیے تو نہیں لکھے جاتے۔ فن کاری تو اپنی خاطر کی جاتی ہے۔"

"ایلی، تمہارا خیال اچھوتا ہے۔ جب انسان کی عمر چھوٹی ہو تو وہ فن کاری کے متعلق عالی شان خیالات رکھتا ہے اور پھر انھیں عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرتا ہے جیسا کہ دوسرے لوگ کھیلوں یا مزے دار کھانوں کے متعلق کرتے ہیں۔ زندگی میں صرف، فن ہی سب کچھ نہیں ہوتا فن اچھی چیز ہے، مگر اسے مقصودِ حیات نہیں بننا چاہیے۔ فن کاروں کے بڑے بڑے دعوے تو ہوتے ہیں، مگر ان کی زندگی کا کوئی بڑا مقصد نہیں ہوتا۔"

"لت، تم فن کی تاثیر کو نظر انداز کر رہے ہو،" ایلی نے جواب دیا۔ "اس سے تمھاری مراد کیا کوئی کتاب، تصویر یا گانا ہے۔ یہ سب کچھ صرف ان کے لیے ہے جو ایسی چیزوں کو پسند کرتے ہیں اور اس کا تعلق دلی فرحت سے ہے۔ تم یہ خیال ہرگز نہ کرو کہ ان فن کاروں سے لوگ اثر پذیر ہوتے ہوں گے۔"

"تمام فنون لطیفہ ہاتھی دانت کے بنائے ہوئے چھوٹے چھوٹے دروازوں والے

میناروں کی طرح ہوتے ہیں اور ان دروازوں تک صرف ان لوگوں کی رسائی ہوتی ہے جنھیں اس سے مس ہو۔ عام لوگوں کی زندگی پر وہ اثر انداز نہیں ہوتے۔ فنون کی محبوبانہ تعریفیں، جو زمانۂ جدید کے مصنفین کرتے ہیں کہ فن یہ ہے فن وہ ہے، سب بے معنی و بے حقیقت، مصنوعی ومبالغہ آمیز لفاظی ہے۔ میرے نزدیک فن صرف دل کو بہلانے اور تفریحِ طبع کا ذریعہ ہے جس طرح مصوّر اسی طرح شاعر اور افسانہ نگار بھی دلوں کو بہلانے کا سامان مہیا کرتا ہے۔"

"ارے لت! ایسی بات تو نہیں۔"

"مَیں تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ ایسی بات ہی ہے۔ پیاری ایلی' ابھی تم بہت بڑی فن کارہ ہو، مگر آہستہ آہستہ یہ بات کم ہوتی چلی جائے گی۔ یہ سب ادائیں اور نازنخرے اور بناوٹیں ہی ہیں۔ فن کار اپنا اور دوسروں کا دل بہلانے سے بڑھ کر اور کوئی کردار ادا نہیں کرتا۔ وہ شروع زمانے کے رومانوی موسیقاروں سے لے کر اس وقت تک یہی کرتے آئے ہیں۔ تم ان کے لیے خواہ کچھ ہی کہو وہ دلوں کو بہلانے کا سامان مہیا کرنے والے ہی رہیں گے۔ جب ہماری عمر تیئس برس کے لگ بھگ ہو تو ان فن کاروں کو ہی دیوتاؤں کی مثل تصور کرتے ہیں۔ ایلی، مَیں پھر پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ وہ اپنی اور دوسروں کی تفریح کا سامان مہیا کرنے والے ہی ہوتے ہیں۔ فن کار کیا ہیں؟ یہ عام طور پر خود پسند، چھوٹے چھوٹے قدوقامت کے مالک، غصے اور غیظ وغضب سے جلد بھڑک اُٹھنے والے، حاسد، خود پسند اور اپنے فن اور اصولوں پر بہت زیادہ گھمنڈ کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی کا مقصد ان کی ظاہری قدوقامت کی طرح چھوٹا ہی ہوتا ہے۔ وہ اپنے ہی ساتھیوں سے اسی طرح جلتے ہیں اور ان سے اسی طرح بغض رکھتے ہیں جیسے دوسرے پیشہ ور اپنے اپنے ہم پیشہ لوگوں سے۔ بھلا مَیں افسانہ نگاروں کو دل بہلانے والا کیوں نہ کہوں جب کہ وہ اپنے تفکرات اور غم واندوہ کو بیان کر کے اپنا دل ٹھنڈا کرتے ہیں اور خصوصاً نوجوان قارئین کے سامنے اپنی غزلوں اور دھندلے افسانوں میں اپنی افسردہ خاطری کو مختلف رنگوں میں پیش کرتے ہیں۔ تیئیس سال سے بڑی عمر کے لوگ بالعموم نہ افسانے پڑھتے ہیں اور نہ ہی نظمیں۔ اس لیے نوجوانوں کے لیے کچھ لکھنے کے لیے میری عمر

بہت زیادہ ہو چکی ہے۔ اگر مَیں اس وقت کوئی افسانہ تحریر کرنے کی کوشش کروں تو میری خواہش ہوگی کہ میرے قارئین وہ متمدن لوگ ہوں جن کی عمر چالیس پچاس سال کے درمیان ہے۔ اگر علم نفسیات کے اصولوں کے مطابق غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایسے لوگوں کو صرف روز مرہ کی زندگی سے ہی دل چسپی ہوتی ہے لہٰذا اگر ان کی خاطر کچھ لکھا جائے تو وہ حقائق پر مبنی ہونا چاہیے۔ ایسے لوگوں کے سامنے واقعات کو تصوّراتی اور خیالی وجودوں کی زبان میں افسانوں کی شکل میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ مَیں واقعہ نگار ہوں اور خود کو اس نظریے کے حق میں پاتا ہوں کہ اپنے ناظرین کرام کو کچھ وقت کے لیے ٹھہراؤں اور انھیں متاثر کر کے پھر آزاد چھوڑ دوں کیوں کہ نہ تو میرے اور نہ ہی ان کے پاس زیادہ وقت ہے۔ ہماری اس چھوٹی سی زندگی میں دراصل واقعات نگاری ہی صحیح فن ہے کیوں کہ وہ بھی ہماری طرح وقتی ہے۔ مَیں اسے اس کی صحیح اور اصلی صورت میں... ہاں، مَیں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ مَیں پہلے ہی اس حد تک پہنچ چکا ہوں بلکہ یہ کہہ رہا ہوں کہ بحیثیت فن کار اس مقصد تک پہنچنا چاہتا ہوں۔''

''تو کیا تم پھر کبھی افسانے نہیں لکھو گے؟'' ایلی نے پوچھا۔

''کون کہہ سکتا ہے کہ وہ آیندہ ایسا یا ویسا ہرگز نہیں کرے گا۔ انسان بعض اوقات کہتا کچھ ہے اور کرتا کچھ اور ہے۔ لہٰذا یہ یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ ایک سال بعد مَیں کیا کہوں گا اور کیا کروں گا۔ اگر مجھے نانی اماں کی زندگی کے متعلق صحیح صحیح علم ہو جائے تو شاید ایک نیا افسانہ ہی قلم بند کر دوں۔ یہ بھی تاریخ کا ایک ورق ہوگا اور جس طرح مجھے زمانۂ حال اور مستقبل کے واقعات کو جاننے میں دل چسپی ہے اسی طرح تاریخ بھی میرے لیے اپنے اندر کشش اور دل چسپی رکھتی ہے۔ اگرچہ تاریخ انسان کے لیے بوجھ کے مترادف ہے جیسا کہ میرے والدین بوجھ بن کر میری کمر دبائے ہوئے ہیں۔ نانی اماں کی زندگی قریب قریب ایک تاریخ ہے: ان کے احساسات اور ان کے ساتھ بیتے واقعات کا تعلق ایک دوسرے زمانے سے ہے۔''

''لت، کاش تم سنجیدگی سے کام شروع کر سکو۔''

''مَیں اٹلی پہنچ کر ہی کام شروع کروں گا اس لیے بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہم فی الحال

گھر آباد کرنے کا خیال دل سے نکال دیں اور نہ اماں جی کے پاس رہیں اور نہ ہی مستقل طور پر ایک مکان میں رہائش اختیار کریں۔ ہم اِدھر اُدھر گھومتے ہیں اور جب بوڑھے ہو جائیں گے تو ہمارے پاس کافی وقت ہوگا کہ مستقلاً کسی جگہ بودو باش اختیار کر سکیں۔ مجھے اٹلی کی طرف کھینچنے والا احساس اس کی تاریخ ہے۔ مَیں زمانہ جدید کے ذریعے زمانہ قدیم تک پہنچنا چاہتا ہوں جس میں مجھے ابھی تک کامیابی نہیں ہوئی۔ مَیں ابھی تک رفائیل[1] اور لیونارڈو[2] کے بارے میں ہی بہت زیادہ سوچ و بچار کیے ہوئے ہوں۔"

"اچھا تو ہم پہلے پیرس اور پھر نیس جائیں گے۔"

"اور اٹلی، اگر تم چاہو تو۔ پیرس میں ہم ایک اور خالہ سے بھی ملاقات کریں گے۔"

"خالہ تھیریس؟" ایلی نے پوچھا۔

"ہاں، وہی تو ہے جو پوپ سے بھی زیادہ سنجیدگی سے کیتھولک مذہب کے اصولوں کی پابندی کر رہی ہیں۔ اور نیس میں بہن اوتیلی سے ملیں گے۔ ایلی، کیا تمھیں علم ہے کہ اوتیلی کسی اطالوی کے ساتھ بغیر شادی کیے رہ رہی ہے۔ امید ہے اس کے باوجود تم اس سے ملنے میں ہچکچاؤ گی نہیں۔"

"مَیں یقیناً اوتیلی کو دیکھنے کی آرزومند ہوں۔ مَیں نے آخری دفعہ اسے برسلز میں گاتے دیکھا تھا۔ وہ بہت خوب صورت عورت ہے اور اس کی آواز بھی بہت سریلی ہے۔"

"ہاں، یہ درست ہے۔ شکل وصورت کے لحاظ سے وہ والدہ صاحبہ سے بہت ملتی جلتی ہے، مگر اس کا قد لمبا ہے۔ وہ ماں جی سے بالکل میل ملاپ نہیں رکھتی اور نہ ہی وہ ان کے ساتھ نبھا سکتی تھی۔ وہ والد صاحب کے پاس ہی رہا کرتی تھی۔ اب وہ اتنی کم عمر نہیں کیوں کہ وہ مجھ سے دو سال بڑی ہے۔ گزشتہ دو برسوں کے دوران مجھے اسے دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ پتا نہیں وہ اب کس حال میں ہے۔ آیا وہ اسی اطالوی کے ساتھ ہی رہ رہی ہے یا نہیں۔ مَیں تمھیں بتاتا

۱۔ رافائیل: (Raphael)، ۱۴۸۳ء تا ۱۵۲۰ء، اطالوی مصوّر اور ماہرِ تعمیرات۔

۲۔ لیونارڈو داونسی: (Leonardo da Vinci)، ۱۴۵۲ء تا ۱۵۱۹ء اطالوی مصوّر، مجسمہ ساز، ماہرِ تعمیرات اور انجینئر۔

ہوں کہ اوتیلی کی اس سے کیسے ملاقات ہوئی۔ واقعہ یوں ہوا کہ وہ دونوں فلورنس سے میلان جانے والی ریل گاڑی میں اکٹھے سفر کر رہے تھے۔ وہ فوج میں لیفٹیننٹ تھا۔ ان کی آپس میں سرسری گفتگو شروع ہوئی اور اب تک وہ کبھی ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں ہوئے۔ اس نے فوج سے استعفٰی دے دیا تاکہ جہاں بھی اوتیلی گانے یا ٹینس کا میچ کھیلنے جائے وہ اس کے ساتھ جاسکے۔ میرا خیال ہے کہ ابھی تک وہ اکٹھے ہی ہوں گے۔ خالہ ستیفانی انھیں گنہگار اور سودائی کا لقب دیتی ہے۔ اوتیلی کو وہ خوش قسمتی اور شادمانی حاصل ہوگئی ہے جس کی اسے تڑپ تھی اور جسے اپنے قبضے میں کرنے میں اس نے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔ افسوس کہ بہت سے لوگ ایسا کرنے میں ہچکچاتے ہیں اور اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے ہیں۔"

"لت، ہم نے تو ایسا نہیں کیا۔ ہم نہ تو ہچکچائے ہیں اور نہ ہی اندھیرے میں ٹامک ٹوئیے مارتے رہے ہیں۔"

"ایلی، کیا تمھیں پورا یقین ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟"

وہ کہنیوں کے سہارے لت کے اوپر جھکی کیوں کہ لت کے لیے اس کی محبت نے جوش مارا اور وہ محسوس کرنے لگی تھی کہ وہ اس کی خاطر زندگی بسر کرنا اور اس کی محبت میں اپنے آپ کو مٹا دینا چاہتی ہے۔ افسردگی اور غم سہنے کے بعد اس کی محبت بہت بڑھ چکی تھی۔ شاید اس کے دل میں یہ شبہ پیدا ہوا ہو کہ جس طرح وہ اپنے آپ کو پیش کرنا چاہتی تھی اس کی لت کو ضرورت بھی ہے یا نہیں، مگر اس کھلی فضا میں، جس میں بادل بادبانی جہاز کے بڑے بڑے مستولوں کی طرح جھوم رہے تھے، اس کا شک ٹھنڈی ہَوا کے جھونکے سے، جو اس کی کنپٹیوں پر سے گزرا، محبت سے لبریز مسکراہٹ بن کر معدوم ہوگیا اور اُس کی محبت نے دل کی گہرائیوں سے جوش مارا اور وہ اس پر اور جھکی اور اسے محبت بھرا بوسہ دے کر کہنے لگی: "مجھے اپنی زندگی سے بھی زیادہ تمھاری محبت کا یقین ہے۔ مَیں تم سے تمھاری خاطر محبت کرتی ہوں۔"

یہ سُن کر لت اپنے آپ کو ساتویں آسمان پر محسوس کرنے لگا کیوں کہ اب اسے کلی طور پر یقین ہو چکا تھا کہ اس کی شادمانی قریب سے قریب تر ہوئی جارہی ہے۔

۷

نانی اماں کا دوسرا بیٹا ہیرلڈ دیریکس تھا جو آنتون سے دو سال چھوٹا تھا اور اب تہتر برس کی عمر کو پہنچ چکا تھا۔ وہ اپنی بیوی کی وفات کے بعد اپنی واحد بیٹی عینا کے گھر پر ہی رہ رہا تھا جس نے ہر برخ کے ساتھ شادی کی ہوئی تھی اور جن کے تین بچے تھے: للّی جوان ہو چکی تھی، اس کے بال چاندی رنگے تھے اور اس کی شادی کرنل فان ویلی سے ہوئی تھی، یُل اور خوس دولڑ کے کالج میں پڑھ رہے تھے۔ عینا دی ہر برخ کو یہ بات پسند نہ تھی کہ اس کے رشتے دار اس قسم کے اخلاق و کردار کے مالک نہیں تھے جو ان کے ماحول کے مطابق ہو۔ وہ پھُپھی ستیفانی کے ہاتھ میں کھیلتی تھی جس کی تعظیم وتکریم وہ بعض پوشیدہ وجوہات کی بناء پر کرتی تھی۔ اپنی پھُپھی کی طرح اس کا بھی یہی خیال تھا کہ اس کی دادی اماں نے دے لادرس کی وفات کے بعد دیریکس خاندان میں شادی کر کے بہت بڑی غلطی کی تھی کیوں کہ وہ لادرس خاندان سے کم حیثیت کے تھے۔ مگر وہ بھول جاتی تھی کہ آخر وہ بھی تو دیریکس کی نسل سے ہی تعلق رکھتی ہے اور اگر اس کی دادی دوبارہ شادی نہ کرتی تو آج اس کا وجود بھی نہ ہوتا۔ مگر عینا اتنی گہری سوچ کی عورت نہ تھی۔ وہ افسوس کیا کرتی تھی کہ وہ دے لادرس کی اولاد سے کیوں نہیں، چناں چہ اس کے خیال میں یہی بہتر تھا کہ اپنے والد کے خاندان کا ذکر ہی نہ کیا جائے۔ اس کا چچا آنتون گندی اور عجیب قسم کی فطرت رکھتا تھا جس کے متعلق لوگوں میں طرح طرح کی باتیں مشہور تھیں۔ وہ اس کے متعلق تجاہلِ عارفانہ سے کام لیا کرتی تھی، مگر ورثے کو تاڑتے ہوئے اس نے اپنی لڑکی بیگم فان ویلی کو اس کا خیال رکھنے کی تلقین کر رکھی تھی۔ عینا جس طرح اپنی روح کے مطابق اپنے باپ کی اچھی لڑکی ثابت ہوئی تھی اسی طرح اپنے بچوں کے لیے بھی اچھی ماں ثابت ہونا چاہتی تھی۔ اُس کی خواہش تھی کہ اُس کا چچا آنتون اپنی جائیداد اُس کی اولاد کے نام کر جائے۔ اس کا دوسرا چچا دان، جس کی بیوی انڈونیشین تھی، اس کے والد کے ساتھ مشترکہ کاروبار کرتا تھا اس لیے یہ لوگ

ہر سال ہالینڈ آیا کرتے تھے۔ ان کے آنے پر کاروباری لحاظ سے تو خوشی ہوتی تھی کہ پیسہ آتا ہے، مگر دلی خواہش یہی ہوا کرتی تھی کہ جتنی جلدی ہو سکے چچا دان موٹی انڈونیشین چچی فلور کے ساتھ انڈونیشیا جانے کے لیے جہاز میں سوار ہو جائے۔ اس کے خیال میں وہ میاں بیوی اس قابل نہ تھے کہ ان کا اپنے حلقے کے کسی فرد سے تعارف کروایا جائے۔

اس کے چچا کی بیوی انڈونیشین نوکرانی معلوم ہوتی تھی۔ چچی کی وجہ سے وہ بہت شرم محسوس کرتی تھی۔ اس طرح اس کی پھُپھی تھیریس تھی۔ پہلے تو بہت آوارہ گرد تھی، مگر اب اس نے کیتھولک مذہب اختیار کر کے پیرس کے ایک راہبہ خانے میں راہبانہ زندگی بسر کرنا شروع کردی تھی جو کہ صحیح طریق سے کلی انحراف تھا۔ دے لادرس ہمیشہ سے ہی والس[1] رہے ہیں، جو رومن کیتھولک والوں سے ڈن ہاخ میں برتر شمار کیے جاتے تھے۔ وہ کوشش کیا کرتی کہ پھُپھی تھیریس کا کسی کے ساتھ ذکر ہی نہ کیا جائے۔ ڈن ہاخ والی پھُپھی کا تو وہ نام لینا بھی پسند نہ کرتی تھی کیوں کہ وہ دو دفعہ یکے بعد دیگر طلاق لے کر تیسری شادی کر چکی تھی اور پھر طرہ یہ کہ اس کی ایک لڑکی گاتی بھی تھی اور بے حد بُرے راستے پر گامزن تھی اور لڑکا دو اخلاق سوز افسانے لکھ چکا تھا جو بہت بُری حرکت تھی۔ اگر چہ وہ اپنے حلقے کے لوگوں کو پھُپھی او تیلی کے متعلق کچھ بھی نہ بتاتی پھر بھی لوگوں کو علم تھا کہ اس کے تین خاوند ابھی تک بقیدِ حیات ہیں۔ جب عینا ان کا خیال کرتی تو اپنی موٹی موٹی مخمور آنکھوں کو عالمِ مایوسی میں اُوپر اٹھا کر ایک سرد آہ بھرتی اور اس طرح دکھائی دیتی گویا ایسلمندے[2] والوں کی طرح ہے جو شرفاء میں شمار ہوتے تھے۔ عینا کے خیال میں اس کے اندر ایسلمندے والوں کا خون دیریکس کے خون سے زیادہ ملا ہوا تھا۔ وہ اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ایسلمندے کی خالاؤں کے ذریعے سے اعلیٰ طبقے کے لوگوں سے تعلقات رکھنا انڈونیشین رشتہ داروں اور ان کے حلقۂ ارباب سے تعلق رکھنے سے کہیں بہتر ہے کیوں کہ دیریکس مشہور خاندان نہ ہونے کی وجہ سے بالعموم تنہائی کے عالم میں

---

[1] والس: (Waals)، جنوبی بلجیئم میں رہائش پذیر والسی لوگ۔

[2] ایسلمندے: (Ijsselmonde)، نیدر لینڈ کے شمال میں واقع ایک قصبے کا نام، ہے جو لوگوں میں خاندانی نام کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے۔

ہی زندگی بسر کرتا تھا۔

عینا کا باپ بہت نرم مزاج اور دوستانہ تعلق رکھنے والا انسان تھا۔ وہ دوسرں کو اپنے ہاں کھانے پر مدعو کرتا اور دوسروں کے ہاں دعوتوں میں شرکت کرتا تھا۔ وہ اپنی طینت کے مطابق مطمئن تاجر کے طور پر زندگی بسر کرتا تھا۔ اس کی صحت اچھی نہ تھی اور اندر سے اس کی روح بھی ٹوٹی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں اور مُنھ کے اِرد گرد درد رہتا تھا، مگر وہ کبھی شکایت نہ کرتا بلکہ خاموشی سے برداشت کرتا تھا۔ اس کا قد لمبا اور جسم لاغر تھا اور رنج وغم سے مارے ہوئے اس شخص کی تکلیف بہت بڑھ چکی تھی، لیکن اس بارے میں وہ سوائے ڈاکٹر کے اور کسی کو کچھ نہ بتاتا تھا حتیٰ کہ ڈاکٹر سے بھی بہت اختصار سے بات کرتا تھا۔ اوروں کا تو ذکر ہی چھوڑیں وہ اپنے بھائی دان کے ساتھ بھی ایسا ہی رویہ رکھتا تھا۔ عینا دی ہر برخ بہت اچھی لڑکی تھی۔ اگر اس کا والد بیمار ہو جاتا تو وہ دیگر امور خانہ داری کی طرح اس کی تیمار داری میں بھی کوئی کسر اُٹھانہ رکھتی اور اس کے ساتھ محبت سے پیش آتی ۔ مگر اس کے دل میں بار ہا یہ سوال اُٹھتا کہ کیا اس کی والدہ کی شادی والد کے پاس انڈونیشین کاروبار سے کافی روپیہ نہ آنے کے باعث خوشی اور مسرت کی شادی تھی؟ یہ بات درست تھی کہ عینا کی والدہ کے پاس پیسہ کم ہوتا تھا اور اسے بھی، عینا کی طرح، گوناگوں مایوسیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔

جب عینا کے خاوند نے قانون پاس کرنے کے بعد سفارتی نوکری حاصل کرنا چاہی اور اسے محسوس ہوا کہ وہ اس کام کا اہل نہیں تو اس نے وکالت شروع کردی ۔ مگر اس کے پاس کافی کام نہ تھا اور اسے روپیہ کمانے میں ناکامی کا مُنھ دیکھنا پڑا تب ان کی آپس میں ناچاقی شروع ہوگئی، لیکن عینا نے راضی بہ رضا ہو کر یہ خیال کرنا شروع کیا کہ شاید اس کی قسمت میں یہی لکھا ہے کہ وہ دولت کی خواہش تو کرے، مگر حسبِ خواہش روپے کا مُنھ نہ دیکھ سکے۔

وہ ایک بڑے مکان میں رہتے تھے۔ اس کا والد بہت فیاض تھا۔ اس نے اپنے نواسے ئِل کی اعلیٰ تعلیم کے تمام اخراجات کی ادائیگی اپنے ذمے لے رکھی تھی پھر بھی وہ بہ مشکل گزارہ کرتی تھی۔ عینا، جو بہت روپیہ پیسہ دیکھنے کی آرزو مند تھی، اُس کے ہاتھ سے رقم بس یونہی

غائب ہو جاتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ پوشیدہ طور پر پھُپھی ستیفانی اور چچا آنتون کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی تھی، لیکن بد قسمتی اس کے گلے کا ہار بنی ہوئی تھی۔ اس کی لڑکی للّی، جو ابھی بمشکل بیس برس کی تھی، فرتس فان ویلی پر فریفتہ ہوگئی اور کچھ دیر مزید انتظار کر کے کسی بہتر جگہ شادی کرنے کی بجائے اسی سے شادی رچا بیٹھی۔ وہ فوج میں ملازم تھا، لیکن اس کی کوئی موروثی جائیداد نہ تھی ۔ عینا اس کے خلاف کچھ بھی نہ کر سکی کیوں کہ اس کے شوہر نے کہہ دیا: بچوں کو خوش ہونے دو۔ اسے ان دونوں کا کچھ وظیفہ مقرر کرنا پڑا، مگر ابھی تھوڑی مدت ہی گزری تھی کہ ان کے ہاں بچہ پیدا ہوگیا۔ عینا نے یہی بہتر جانا کہ وہ بچے کو ستیفانی کے نام سے موسوم کر دے۔ چناں چہ اس نے بچے کا نام ستیفانوس رکھ دیا۔ اس پر للّی نے جھنجھلا کر کہا: ''ستیفانوس؟'' بہرصورت وہ لڑکے کو ستیف پکارنے لگے۔ یہ نام اچھا تھا، ویسے ستیفانوس نام کو پھُپھی بھی نا پسند کرتی تھی۔ عینا کی مرضی تو یہ تھی کہ بچے کو ستیفانوس آنتون کا نام دے، مگر فرتس اور للّی نے اسے قطعاً پسند نہ کِیا۔

عینا ہر بُرخ کا اصول تھا کہ گھر میں نہ تو روپے پیسے کے متعلق اور نہ ہی اپنے خاندان کے متعلق بات چیت کی جائے، مگر اصولوں پر ٹھیک ٹھیک عمل کرنا خالہ جی کا باڑہ نہیں۔ ہر بُرخ کے ہاں اکثر روپے پیسے اور افرادِ خانہ کے متعلق سرگوشیاں ہوتی رہتی تھیں اور عینا اور اس کے خاوند کو یہ دونوں موضوع از حد پسند تھے اور وہ اس پر خوب باتیں کِیا کرتے تھے۔ اب جبکہ ایلی اور لت کی منگنی ہوچکی تھی تو کھانے کے بعد قدرتی طور پر بات کا رخ اس طرف پھرا اور ہیرلڈ دیر یکس ٹکٹکی لگائے اپنے سامنے بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ عینا نے پوچھا:

''اباجی، آپ کے خیال میں ان کے پاس کتنا مال ہوگا؟''

بوڑھے نے جواباً ہلکا سا اشارہ کِیا اور پھر تاڑ کر سامنے دیکھنے میں مشغول ہوگیا۔ ''لت کے پاس تو کافی مال نہیں،'' دی ہر برخ بولا۔ ''اس کے والدین ابھی بقیدِ حیات ہیں اور وہ اخبارات میں مضامین لکھ کر کچھ رقم کما لیتا ہوگا۔''

عینا نے معلوم کرنے کے لیے پوچھا، ''آخر کتنی رقم کماتا ہوگا؟''

دی ہر برخ نے لاعلمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا،'' شاید اسے بوڑھے پاؤس سے، جو برسلز میں رہتا ہے، کچھ مل جائے۔''

'' ہاں، مگر بوڑھے پاؤس کے پاس بھی تو کچھ نہیں ہے۔''

'' ہوسکتا ہے اسے پھُپھی اوتیلی سے کچھ مل جائے جس نے اپنے باپ کا ورثہ حاصل کیا تھا۔''

'' ستاین کے پاس بھی کچھ نہیں ہے۔ وہ باپ ہے، لیکن بھلا اُسے لت کو دینے کی کیا ضرورت۔''

'' بوڑھے تکمہ کے پاس کافی دولت ہے۔ وہ یقیناً ایلی کو کچھ دے گا۔''

'' مجھے تو یہ ایک لاینحل معما دکھائی دیتا ہے کہ آخر وہ کس طرح گزارا کریں گے؟''

'' ان کے پاس فرتس اور للّی سے کچھ کم تو نہیں ہوگا۔''

'' یہ بھی میرے لیے پہیلی سی بنی ہوئی ہے کہ یہ دونوں کس طرح گزر بسر کر رہے ہیں؟'' عینا بولی۔

''تمھیں اپنی بیٹی کے لیے کوئی امیر آدمی تلاش کرنا چاہیے تھا،'' اُس کے خاوند نے جواب دیا۔ اس پر عینا نے اپنی آنکھیں ایسلمندے والوں کی طرح شریفانہ طور پر ذرا بند کر کے اوپر اُٹھائیں اور بولی: '' ہمیں روپے پیسے کے متعلق زیادہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ اس سے مَیں اُکتا جاتی ہوں اور میرا سر چکرانا شروع ہو جاتا ہے۔ بھلا ہمیں اس سے کیا غرض کہ دوسروں کے پاس کتنی دولت ہے؟ پھر بھی مَیں اتنا کہوں گی کہ دادی اماں کے پاس ہمارے اندازے سے کہیں زیادہ مال ہے۔''

'' مجھے معلوم ہے اُس کے پاس کتنا مال ہے،'' دی ہر برخ بولا۔'' کچھ عرصہ ہوا دیل ہُف، رجسٹرار، نے مجھے بتایا تھا۔''

عینا کی آنکھوں کی تکان دور ہوگئی اور وہ خوشی سے جھلملانے لگیں اور اس کے دل میں دولت کی مقدار معلوم کرنے کی بڑی خواہش پیدا ہوئی چناں چہ وہ فوراً بول اُٹھی:

''بھلا کس قدر؟''

دی ہر برخ نے اپنے خُسر کے چہرے پر رنج وملال کے آثار دیکھ کر سیدھا جواب نہ دیا کیوں کہ وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ ملال کسی جسمانی درد کی وجہ سے ہے یا اس کا باعث جذباتی کرب ہے؟ آیا اس کے معدے میں تکلیف ہے یا سوچیں زخم خوردہ ہیں، مگر چوں کہ بات کو فوراً قطع کر دینا مشکل تھا اس لیے بولا: ''پھُپھی ستیفانی کی مالی حالت یقیناً اچھی ہوگی۔''

''چچا آنتون نے انڈونیشیا میں کافی روپیہ کمایا ہوگا اس لیے اس کی مالی حالت ستیفانی سے یقیناً بہتر ہوگی،'' عینا بولی۔ ''وہ چوں کہ شادی شدہ نہ تھا اس لیے اپنے عہدے کے مطابق دعوتیں وغیرہ بھی نہ کِیا کرتا تھا اور جب اُس نے آٹھ سال بعد ریذیڈنٹ کا مکان چھوڑا تو وہ گرنے کے قریب تھا۔ اس نے کافی روپیہ بچایا ہوگا۔'' اس پر دی ہر برخ نے خوشی کی لہر میں آ کر کہا: ''چچا آنتون ایک بوڑھا بدفعل شخص ہے اس لیے اس نے بہت پیسہ ضائع کِیا ہوگا۔''

ہیرلڈ دیریکس نے ہاتھ کا اشارہ کر کے، گویا انھیں درد ہو رہا ہے، ''نہیں، نہیں'' کہتے ہوئے دی ہر برخ کی بات کی تردید کی، لیکن جب عینا نے پوچھا: ''ابا جی، کیا ایسا نہیں ہے؟ کیا چچا آنتون بالکل صحیح طرز پر زندگی گزارتے تھے؟'' تو اسے اپنے تردیدی الفاظ کہنے پر افسوس ہوا۔ ہر برخ نے مزید کہا:

''پھر وہ اس قسم کی بدکاری بھلا مفت میں کیسے کر سکتا تھا؟'' ہیرلڈ دیریکس نے اس کی بات کی تصحیح کے لیے یوں کہا۔

''آنتون کو عورتیں پسند کرتی ہوں گی۔''

''نہیں،'' دی ہر برخ بولا۔ ''چچا آنتون تو چھوٹی عمر کی لڑکیوں کو بھی چاہا کرتا تھا۔''

''نہیں، نہیں۔ ایسا نہیں،'' ہیرلڈ نے پھر اپنے لاغر ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''شش!'' عینا اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے بولی۔ اسے محسوس ہوا تھا بچے آ رہے ہیں اس لیے اُس نے گفتگو ختم کر دی۔ ہر برخ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا:

'' چچا آنتون کے متعلق تیس سال قبل ایک افواہ پھیلی تھی... ''

ہیرلڈ دیریکس نے پھر ''نہیں، نہیں'' کہتے ہوئے اس بات کی تردید کی۔ دریں اثنا یُل اور اُس کا چھوٹا بھائی خوس اندر آ گئے لہٰذا اس شام کو پیسوں اور خاندان کے متعلق مزید کوئی بات نہ ہوئی۔ بچوں کی وجہ سے شام کے وقت چائے کی نشست بہت بارونق تھی۔ عینا چوں کہ بہت اچھی ماں تھی اس لیے اس نے بچوں کی اچھی طرح سے تربیت کی ہوئی تھی اس لیے وہ بابا جان کی موجودگی میں شور وغل مچانے سے پرہیز کرتے اور ہمیشہ خوشی کا سماں پیدا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ہیرلڈ دیریکس وہاں اپنے گھر کی طرح ہی زندگی بسر کرتے تھے۔ دونوں بچے از حد مؤدب تھے جس سے عینا بہت خوش ہوتی تھی اور اس کا کہنا تھا کہ یہ تہذیب وتمدن انھیں دیریکس خاندان سے نہیں ملا۔

جب نانا میاں اپنے کمرے کو جانے لگے تو خوس نے جلدی سے اُٹھ کر کمرے کا دروازہ کھول کر اسے تعظیم سے پکڑے رکھا۔ نانا جی نے نہایت ہی مشفقانہ طور پر بچے کی طرف سر سے اشارہ کرتے ہوئے اس کی پیٹھ تھپکی اور سیڑھیاں چڑھ گئے اور دل میں کہنے لگے، عینا باوجود اپنی کم زوریوں کے بہت اچھی لڑکی ہے۔ مَیں اس گھر میں بہت خوش ہوں اور دونوں بچے مجھ سے بے حد محبت کرتے ہیں۔ یہ ابھی چھوٹے ہیں اور گھناؤنے ماضی میں گزر جانے والی چیزوں کی طرح نہیں، وہ چیزیں جو گزر گئیں، بڑی آہستگی سے گزریں اور سالہا سال سے خوف زدہ کرتے ہوئے گزرتی جا رہی ہیں...

مطالعے کے کمرے میں پہنچتے ہی ہیرلڈ دیریکس نے آتش دان میں گیس کی لو ذرا تیز کی اور کرسی پر بلا آنکھ جھپکے بیٹھ گیا۔ عمر بھر دل دہلا دینے والی چیزیں اُس کی آنکھوں کے سامنے پھرا کرتی تھیں، کبھی کبھی وہ اسے دھمکاتی بھی تھیں۔ اسے یقین تھا کہ اس کی زندگی کے اختتام تک وہ چیزیں اس کی آنکھوں کے سامنے پھرتی رہیں گی خواہ کتنی ہی آہستہ آہستہ کیوں نہ حرکت کریں۔ اب میں تہتر برس کا بوڑھا ہو چکا ہوں اور اکثر بیمار رہتا ہوں اور عمر مجھے قبر کے قریب سے قریب تر لیے جا رہی ہے جس کی مجھے بڑی تمنا ہے کیوں کہ مصائب و آلام کے نیچے میری

کمر ٹوٹی جا رہی ہے۔ مَیں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اتنی عمر کیوں پار رہا ہوں اور گزرے ہوئے زمانے کی چیزیں جنوں اور بھوتوں کی طرح اپنے دامنوں سے گرے ہوئے پتوں پر سرسراہٹ پیدا کرتی آہستہ آہستہ آگے ہی آگے چلی جا رہی ہیں۔ مَیں نے زندگی میں اس قدر چیزوں کو گزرتے دیکھا ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا انسانی عقل و دماغ اتنے واقعات کو اپنے اندر کیسے سمو سکتا ہے۔ ان چیزوں نے اپنے لمبے لمبے دامن زمین پر گھسیٹے تو تھے جن سے پتوں میں سرسراہٹ بھی پیدا ہوئی، لیکن جس بات کا خوف تھا وہ کبھی عالمِ وجود میں نہ آئی اور نہ ہی کوئی درخت کی آڑ سے نکل کر آگے آیا۔ میری نظر میں تو وہ راستہ سنسان ہی رہا اور آگے ہی آگے جاتا رہا جس پر بھوتوں جیسی چیزیں گزرتی رہیں۔ بعض اوقات وہ ذرا مڑ کر دیکھتی تھیں، مگر پھر اپنے دامنوں کو گھسیٹتے ہوئے آگے چل دیتی تھیں اور کسی نے بھی انھیں روکنے کی کوشش نہ کی۔ مَیں نے اپنے بچپن میں، جب مَیں بُل اور خوس کی عمر کا تھا، وہ چیزیں دیکھی تھیں۔ پھر انڈونیشیا میں، جب کافی کی کاشت کاری کیا کرتا تھا، اپنی سادہ زندگی میں ان چیزوں کو دیکھا اور اس وقت بھی جب ایک فیکٹری کا مالک بن گیا اور ایک ناموزوں عورت سے شادی کر لی۔ ہاں مَیں نے غلطی سے ایسا کیا تھا کیوں کہ ''چیزیں'' میری آنکھوں کے سامنے پھرا کرتی تھیں۔

دفعتاً اسے کھانسی کا دورہ پڑا جس سے معدے اور سینے سے درد اُٹھ کر اس کی خشک ٹانگوں میں بھی سرایت کرنے لگا اور وہ بہت افسردہ ہو کر پکارنے لگا: ''ہائے، مجھے کب تک ان چیزوں کو دیکھتے رہنا ہے۔ وہ تو آہستہ آہستہ رینگتے ہوئے گزر رہی ہیں۔ ہائے وہ جلدی سے کیوں نہیں گزر جائیں۔ جب مَیں تیرہ سالہ بچہ تھا تو خوش و خرم ننگے پاؤں اسسٹنٹ ریذیڈنٹ کی کوٹھی کے سامنے والے دریا کے کنارے کھیلا کرتا تھا اور پرندوں، جانوروں اور پھولوں کو دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا اور جاویوں[1] کے بچوں کی طرح کُھلے احاطوں اور بہتے پانیوں میں کھیلا کرتا تھا اور انہی کی طرح بڑے بڑے سرخ پھل دار درختوں پر چڑھا کرتا تھا۔ لیکن دل دہلا دینے والی ایک خطرناک رات کو جب پہلے سخت گرمی تھی اور ہَوا بند تھی اور

---

[1] جاویوں: انڈونیشیا کے ایک جزیرے، جاوا (Java)، کے رہنے والے۔

پھر بارش ہونا شروع ہوئی تو مَیں نے اس ہول ناک چیز کو پہلی بار دیکھا اور میرا دماغ پراگندہ ہوگیا۔ وہ چیز تھی تو ایک دیو کے مشابہ، مگر اس نے مجھے اپنے پاؤں تلے نہ کچلا اور ہمیشہ ہی اپنے پنجے میں پکڑے رکھا اور اسے مَیں عمر بھر دیکھتا رہا ہوں۔''

اس تاریک رات میں وہ ہول ناک چیز وہیں پیدا ہوئی جب مَیں بخار کی شدت کی وجہ سے سو نہ سکتا تھا۔ ہَوا بالکل بند تھی اور رات کی تاریکی شدید بارش کی وجہ سے تاریک تر ہوئی جا رہی تھی اور بارش بادبانی جہازوں کے مستولوں کی مانند معلوم ہوتی تھی جن میں سے ہَوا کا گزرنا ممکن تھا۔

کیا وہ خواب تھا؟ نہیں، وہ حقیقت تھی۔ مَیں وہاں پہاڑوں کے درمیان سنسان بنگلے میں اپنے والدین کے ساتھ اکیلا تھا۔ چوں کہ مَیں اپنے والد صاحب کا چہیتا بیٹا تھا اس لیے میری بیماری کی وجہ سے انھوں نے چھٹی لی ہوئی تھی اور باقی بہن بھائیوں کو اسسٹنٹ ریذیڈنٹ والے مکان میں پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ مجھے نیند نہ آتی تھی اس لیے مَیں نے نوکرانی کو آواز دی: ''نوکرانی، ادھر آ۔''

اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ مَیں سمجھنے سے قاصر تھا کہ وہ وہاں کیوں نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ میرے دروازے کے سامنے چٹائی پر پڑی رہتی تھی اور میری آواز سن کر یک دم بیدار ہو کر آ موجود ہوتی تھی۔ مَیں نے پھر آواز دی: ''نوکرانی، نوکرانی، ادھر آ۔'' مگر جواب ندارد۔ تب میرا دم گھٹنے اور کلیجہ مُنھ کو آنے لگا۔ مَیں اگرچہ بڑی عمر کا تھا تاہم ڈر رہا تھا کہ والد صاحب کی طرح بیمار ہوں اور رات اتنی گرم ہے کہ کہیں زلزلہ نہ آ جائے۔ مَیں نے پھر نوکرانی کو چلا چلا کر بلایا، مگر وہ نہ آئی۔ مَیں نے بستر سے اُٹھنے کی کوشش کی اور مچھر دانی میں اُلجھ کر رہ گیا۔ پھر کوشش کر کے اس سے چھٹکارا پایا اور نوکرانی کو زور سے پکارا، مگر وہ نہ آئی۔ اس وقت مَیں نے برآمدے میں سرگوشیاں سُنیں جس سے میرا خون رگوں میں جمنا شروع ہوگیا۔ مَیں نے سوچا شاید چور ہوں اس لیے اور بھی ڈر گیا، لیکن جب معلوم ہوا کہ وہ جاوی زبان نہیں بول رہے تو مَیں نے خیال کیا کہ وہ چور نہیں ہو سکتے۔ ان آوازوں میں مَیں نے نوکرانی، اپنی والدہ اور ایمیل تکمہ کی آوازیں پہچان لیں۔ مگر میری سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ وہاں کیا کر رہے ہیں؟ تکمہ جو دفتر میں سیکرٹری ہے، وہاں کیا کر

رہا ہے؟ مَیں نے خوف کے عالم میں چیخ مارنا چاہی، مگر ڈر کے مارے میری آواز نہ نکل سکی۔ پہلے تو مَیں ڈرتا رہا، مگر اب مجھ پر سردی سے کپکپی طاری ہوگئی۔ میرے تجسس کی خواہش نے خوف پر قابو پالیا اور مَیں چپ ہوگیا۔ لیکن میرے دانت ابھی بج رہے تھے۔ مَیں معلوم کرنا چاہتا تھا آخر وہ وہاں کیا کررہے ہیں؟ تب مَیں نے نہایت آہستگی سے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا۔ کیا دیکھتا ہوں نہ تو درمیانی جگہ پر اور نہ ہی پچھلے برآمدے میں کوئی روشنی ہے۔ مَیں انھیں صرف یہ کہتے سُن رہا تھا:

"نوکرانی، خاموش، آرام سے؟"

"خدایا، کہیں وہ بچہ نہ سُن لے؟"

"نہیں، نہیں، وہ آرام سے سو رہا ہے۔"

"کہیں پہرے دار کو پتا نہ چل جائے؟"

"نہیں، وہ بھی سو رہا ہے۔"

"خدایا، تیری پناہ، اگر وہ بیدار ہوگیا تو ہم کیا کریں گے؟"

"نوکرانی ... نوکرانی، خاموش، اوتیلی، خاموش ... سوائے دریا میں پھینکنے کے اور کوئی چارہ نہیں ... اوتیلی، خاموش ہو جا، چپ رہ ... مُنھ بند کر ... تجھے کہتا ہوں چپ رہ ... کیا تُو ہم دونوں کو قتل کی واردات میں پکڑوانا چاہتی ہے ... کیا مَیں نے اسے قتل کیا ہے ... میرے لیے اور کوئی راستہ باقی نہ تھا۔ مَیں تو اپنا دفاع کررہا تھا۔ تُو ہی تو اس کی دشمن تھی اور اس سے نفرت کرتی تھی۔ اوتیلی، مَیں تو اس کا بالکل دشمن نہ تھا، مگر تُو نے میرے ساتھ مل کر ایسا کروایا ہے۔"

"او خدایا، او خدا۔ ایسا نہیں ہے..."

"اب تم اپنے قصور سے انکار نہ کرو۔"

"نہیں، نہیں، نہیں!"

"جب مَیں نے اس کا خنجر چھینا..."

"ہاں، ہاں۔"

"چپ رہ، چپ رہ۔"

''خدایا! اب تو بجلی بھی چمکنا شروع ہوگئی ہے۔ اتنی سخت کڑک ہے کہ پہاڑوں سے ٹکرا کر صدائے بازگشت دیر تک سُنائی دیتی ہے۔''

اور جب بارش کے پردے اُڑے تو طوفان کی طرح پانی گرنے لگا اور مجھے ماں کے چیخنے کی آواز سُنائی دی۔

''او تیلی، خاموش، چپ رہ۔''

''مجھ میں ایسا کرنے کی سکت باقی نہیں رہی، مجھے غشی آرہی ہے۔''

''چپ کر، مُنھ بند رکھ اور اس کی ایک ٹانگ پکڑ۔ نوکرانی، تو دوسری ٹانگ تھامے رکھ ... زمین پر کچھ خون پڑا ہے، اسے صاف کر دے۔''

''اچھا، مَیں اسے ابھی صاف کردوں گی، صاحب، اب دریا کی طرف چلو۔ خدایا، خدایا، تیرا ہی آسرا!''

میرے تو اس وقت دانت بج رہے تھے اور آنکھیں پھول کر باہر نکلی جا رہی تھیں اور بخار کی وجہ سے میرا دل دھڑک رہا تھا اور مجھ پر انتہا کا خوف طاری تھا، مگر پھر بھی میرا تجسس بڑھ رہا تھا۔ تب مَیں ننگے پاؤں چلتا ہوا چپکے چپکے تاریک برآمدے سے ذرا آگے آیا اور رات کی مدھم روشنی میں مجھے کچھ دکھائی دیا۔ بجلی شدت سے چمک رہی تھی اور بادل اس طرح گرج رہے تھے گویا پہاڑوں کو پاش پاش کر دیں گے۔ مَیں نے اسی وقت کسی قدر دھندلی نظر سے آگے کو حرکت کرتی ہوئی چیز دیکھی جسے وہ اُٹھائے لیے جا رہے تھے۔ ماں، ایمیل اور نوکرانی کسی انسان کو اٹھائے ہوئے تھے، مگر مجھے معلوم نہ ہو سکا وہ کس کو اُٹھائے لے جا رہے ہیں۔ مَیں اپنی معصومیت میں ان تمام ہول ناک چیزوں کا تصوّر کر رہا تھا جن کے متعلق مَیں نے سکول کی کتابوں میں کئی کہانیاں پڑھی ہوئی تھیں جیسے ڈاکوؤں کا خزانے کو لوٹ کر لے جانا، وغیرہ۔ وہ کسی چیز کو اٹھا کر لے گئے ہیں؟ کیا والد صاحب نے انھیں اُٹھاتے نہیں دیکھا؟ کیا وہ اتنی گہری نیند سوئے ہیں کہ بیدار نہیں ہو سکے۔ وہ باغ میں غائب ہوگئے اس لیے مَیں ان کی آوازیں پھر نہ سُن سکا۔ کیا پہرے دار بھی کچھ نہیں سُن سکتا؟ بارش کی وجہ سے اندھیرے میں کوئی چیز دکھائی

نہ دیتی تھی ۔ میرے کانوں میں صرف بارش کی آواز اور شور گونج رہا تھا۔ بارش اتنے زور و شور سے ہو رہی تھی گویا آسمان پھٹ گیا ہے، مگر اس شور کو نہ تو والد صاحب ہی سنتے تھے اور نہ ہی پہرے دار۔ مجھے سردی اور تپ کی وجہ سے کانپا لگا ہوا تھا۔ اب مَیں نے اپنے ننگے پاؤں کے نیچے کچھ گرم گرم سی چیز محسوس کی ۔ وہ جما ہوا خون تھا جس کی وجہ سے مجھ میں نہ آگے جانے اور نہ ہی پیچھے مڑنے کی جرأت باقی رہی۔ میرے دانت لگا تار بج رہے تھے اور چاروں طرف بارش شور مچا رہی تھی۔ مَیں اس وقت اپنے والد صاحب کو جگا کر ان کے بازوؤں میں راحت حاصل کرنا چاہتا تھا تا کہ ان کی گود میں چھپ کر زار و قطار رو کر دل کی بھڑ اس نکال لوں۔ مَیں ٹٹول ٹٹول کر درمیانی برآمدے کی طرف گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ والد صاحب کا کمرا کُھلا پڑا ہے اور شمع کی لو ڈگمگا رہی ہے۔ اس طرف جاتے ہوئے بھی کوئی نرم گرم چیز پاؤں کو لگتی محسوس ہوئی اور اس کیچڑ کی مانند چیز سے مَیں نے اور کانپنا شروع کر دیا۔ جما ہو خون ہر جگہ پایا جا تا تھا حتیٰ کہ چٹائی پر بھی۔ مَیں نے شمع تک پہنچنے کی کوشش کی تا کہ اسے لے کر والد صاحب کے کمرے میں جاؤں جو برآمدے کے پاس تھا۔ مکان میں صرف یہی روشنی تھی۔ مَیں نے شمع اُٹھا کر دیکھا کہ ماں کے بستر کی حالت خراب ہے اور تکیے زمین پر گرے ہوئے ہیں۔ وہاں مَیں نے کچھ خون بھی دیکھا جس سے مجھ پر مزید خوف طاری ہوگیا۔ میرا جسم برف کی مانند سرد ہونے لگا۔ مَیں شمع لیے احتیاط سے زمین پر پڑے خنجر سے بچ کر گزرا تا کہ پاؤں اس پر نہ پڑ جائے، وہ نہایت ہی خوب صورت ہتھیار جو والد صاحب کو گزشتہ روز ریذیڈنٹ صاحب نے عطا کیا تھا۔ خنجر کا پھل سُرخ تھا۔ میری نگاہوں نے دیکھا برآمدے میں، جہاں رات میں عمارت کا سایہ پڑ رہا تھا، ہر جگہ سُرخی ہی سُرخی تھی۔ مَیں ڈرتے ڈرتے والد صاحب کے کمرے کی طرف گیا۔ مجھے لگ رہا تھا جیسے مَیں خواب دیکھ رہا ہوں۔ مَیں نے والد صاحب کو اونچی آواز سے پکارا: ''اباجی! اباجی!'' اور خوف کی وجہ سے تتلانے لگا۔ مَیں از حد گھبرایا ہوا تھا کیوں کہ والد صاحب کا سہارا موجود نہ تھا۔ مَیں نے والد صاحب کے کمرے کا دروازہ کھولا اور آوازیں دیں ''اباجی! اباجی!'' اور شمع کی روشنی میں ان کا بستر دیکھا۔ معلوم ہوتا تھا وہ وہاں سوئے ضرور تھے، مگر اب موجود نہیں ہیں۔

ہائے ، وہ کہاں چلے گئے، ہائے، وہ کہاں ہیں؟ پھر دفعتاً مجھے ہوش آ گیااور مَیں نے سوچا وہ لہولہان چیز، جسے میں ہول ناک خیال کرتا تھا اور جسے وہ اُٹھائے لیے جارہے تھے، میرے والد ہی تھے۔ اب مَیں بالکل تنہا ہوں اور میرے والد صاحب فوت ہوگئے ہیں جنھیں اُٹھا کر وہ دریا کی جانب لے گئے ہیں۔ تب مَیں نے سوچا مَیں نے وہ چیز دیکھ لی ہے اور ابھی تک دیکھ رہا ہوں اور ہمیشہ ہی دیکھتا رہوں گا۔ نہیں معلوم کیوں؟ تب مَیں اچانک اپنے آپ کو کئی برس بڑا محسوس کرنے لگا۔ مَیں والد صاحب کے کمرے کا دروازہ بند کر کے اور ماں کی شمع ان کے کمرے میں رکھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اندھیرے میں مجھے صرف اپنے دانتوں کے بجنے کی آواز سنائی دے رہی تھی اور میری آنکھیں اُبلی سی جارہی تھیں۔ مَیں نے ہاتھ دھوکر تولیے سے صاف کرکے اسے گندے کپڑوں کی ٹوکری میں پھینک دیا اور بستر میں لیٹ کر مچھر دانی کو بند کر لیا اور چادر کانوں تک کھینچ کر مُنھ چھپا لیا۔ مجھ پر بخار کی وجہ سے اس قدر کپکپی طاری تھی کہ لوہے کا بستر بھی ہلنے لگا تھا۔ اب مَیں بنگلے میں تن تنہا تھا اور مَیں نے اس خوف ناک چیز کو بھوت پریت کی شکل میں بجلی کی چمک اور بادلوں کی دل ہلا دینے والی کڑک میں حرکت کرتے دیکھ لیا تھا۔ مَیں لیٹا ہوا کانپ رہا تھااور مجھے معلوم نہ تھا کہ ایسا کب تک جاری رہے گا۔ آدھ گھنٹہ یا پون گھنٹہ! مَیں نے نوکرانی کو واپس آتے سنا اور والدہ صاحبہ بھی روتی آہیں بھرتی آرہی تھیں۔ نوکرانی بڑبڑاتے کہہ رہی تھی: '' بیگم صاحبہ، خاموش رہیں۔''

''انھوں نے ہمیں دیکھ لیا ہوگا؟''

'' یہاں کوئی نہیں ہے۔ ہیرلڈ کا خیال کیجیے ، بیگم صاحبہ،'' نوکرانی نے کہا۔

اب ہر طرف سناٹا چھا گیا۔ انھوں نے دیکھا مَیں تپ سے کانپتے ہوئے وہاں پڑا ہوں اور میری آنکھیں باہر کو نکلی ہوئی ہیں۔ مَیں اس وقت سے لے کر بوڑھا ہونے تک اس ہول ناک منظر کو دیکھتا چلا آرہا ہوں۔

دوسرے روز دریا کی چٹانوں کے درمیان والد صاحب کی نعش پائی گئی۔ اِرد گرد کے رہنے والے خیال کررہے تھے کہ یہ واقعہ کسی عورت کی وجہ سے ہوا ہوگا، لیکن ڈاکٹر رولفس نے

اپنی رپورٹ میں لکھا کہ وہ ڈوبتے ہوئے چٹان کو پکڑنے کی کوشش میں زخمی ہو کر مر گئے تھے چناں چہ مقامی باشندوں کو اِدھر اُدھر کی باتیں بنا کر کانا پھوسیاں کرنے کے لیے کوئی مواد نہ ملا۔ کنٹرولر صاحب نے اپنی رپورٹ میں لکھا: ''اسسٹنٹ ریذیڈنٹ ڈیریکس عارضی طور پر سرکاری بنگلے میں مقیم تھے۔ بخار اور حبس کی وجہ سے انھیں نیند نہ آسکی تو ہَوا خوری کے لیے باہر چلے گئے۔ پہرے دار نے تعجب کا اظہار کیا ہے کہ موسلادھار بارش میں وہ کیسے باہر گئے، لیکن یہ پہلا موقعہ نہ تھا کہ وہ جنگل میں بے چینی اور بے خوابی کی وجہ سے گئے ہوں۔ دریا میں طغیانی آنے کی وجہ سے چٹانوں کے درمیان تیرنا ممکن نہ تھا اس لیے زخمی ہوگئے اور ڈوب کر ہلاک ہوگئے۔ ان کی نعش بنگلے کی نچلی طرف کسی مقامی باشندے نے دیکھی تھی اور صبح کے وقت ان کی بیوی کو ان کا بستر خالی پا کر ازحد گھبراہٹ کا سامنا ہوا تھا۔

ہیرلڈ ڈیریکس اپنے سنسان کمرے میں اس طرح ٹکٹکی لگائے چیزوں کو دیکھنے میں مصروف تھا کہ اسے اپنی لڑکی، عینا، کے دروازہ کھول کر اندرداخل ہونے کا پتا بھی نہ چلا۔

عینا نے آواز دی: ''اباجی، اباجی'' لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا، تب اس نے ذرا زور سے پکارا: ''اباجی!'' تو وہ ہوش میں آیا۔ ''مَیں آپ کو شب بخیر کہنے آئی ہوں،'' عینا بولی۔

''اباجی، آپ کن خیالات میں کھوئے ہوئے ہیں؟''

اپنے سر پر ہاتھ پھیر کر ہیرلڈ ڈیریکس بولا: ''نہیں، کچھ نہیں، بچی، مَیں عمرِ رفتہ کے متعلق غور کر رہا تھا۔'' وہ ابھی تک انھیں دیکھ رہا تھا، کہنے لگا: ''دیکھو، وہ اُدھر جا رہی ہیں۔ جن بھوت لمبے لمبے چوغے اوڑھے دامنوں کو پتوں پر گھسیٹتے ہوئے سرسراہٹ پیدا کرتے چلے جا رہے ہیں جن سے راستے کے درختوں کے پیچھے ایک ہول ناک چیز ہلتی معلوم ہو رہی ہے۔''

''اباجی، آپ تو گزرے ہوئے زمانے کی چیزوں کے متعلق باتیں کر رہے ہیں۔ مَیں تو کبھی ایسا نہیں کرتی۔ جن کے پاس پیسے نہیں ان کے لیے تو زمانۂ حاضرہ کے مسائل ہی لاینحل ہیں۔'' اور وہ شب بخیر کہہ کر اور بوسہ دے کر چلی گئی۔

''نہیں، ماضی کی چیزیں اور واقعات ابھی دھیرے دھیرے گزر رہے ہیں۔''

۸

لت پاؤس اپنے کمرے میں کام میں مشغول تھا کہ اسے نچلے کمرے سے والدہ صاحبہ اور ان کے خاوند ستاین کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ اس کی والدہ کی آواز میں جوش وغضب بڑھتا جا رہا تھا جبکہ ستاین بھرائی ہوئی آواز میں بیوی کی باتوں کو کاٹتے ہوئے چھوٹے چھوٹے فقروں کا اضافہ کرتا جاتا تھا جس سے اس کی والدہ کا غضب اور بھی بھڑکنے لگتا اور وہ تتلانا شروع کر دیتی اور اس کا سانس پھولا ہوا اور دم رکتا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ لت نے یہ سُن کر قلم رکھ دیا اور جا کر دیکھا کہ بوڑھی نوکرانی دروازے کے ساتھ کان لگائے خوش ہو کر ان کی باتیں سُن رہی ہے۔ جب اسے لت کے اُترنے کی آواز آئی تو وہاں سے فوراً بھاگ کر غائب ہو گئی۔

لت نے آ کر پوچھا، ''جھگڑے کی کیا وجہ ہے؟''

''بات یہ ہے کہ مَیں پاگل پنے میں مال مشترکہ کی شرط پر اس کے ساتھ شادی کر بیٹھی تھی ورنہ جو چاہتی کرنے کی مجاز تھی،'' ماں نے کہا۔ ''کیا وہ میرے بچے نہیں ہیں۔ اگر انھیں پیسوں کی ضرورت پڑے تو کیا مَیں ان کی مدد نہ کروں اور انھیں فاقہ کشی کرنے دوں ... جبکہ یہ ... ستاین ...''

ستاین نے اسے اکساتے ہوئے کہا، ''کیا؟''

''میرا مال لے کر بُری عورتوں کے پیچھے دوڑا پھرتا ہے۔''

''اری، ماں۔ اری، ماں۔''

''ہاں، یہ حقیقت ہے۔''

''ماں جی، خاموش۔ آپ تو پاگل ہو رہی ہیں۔ آپ ایسی باتیں نہ کریں۔ ستاین، کیا بات ہوئی ہے؟''

تمھاری والدہ کو لندن سے خط آیا ہے...''

'' کیا تریویلی کا؟''

'' ہاں، ہیوگ کا خط آیا ہے جس میں اس نے پیسے مانگے ہیں۔''

'' تو کیا مَیں چاہتے ہوئے بھی اپنے بچوں کو پیسے نہ بھیجوں؟'' ماں نے لت سے مخاطب ہو کر کہا۔'' کیا ہیوگ میرا بچہ نہیں؟ تم تو یہ بھی پسند نہیں کرتے کہ مَیں اسے کبھی دیکھوں۔ تو کیا مَیں اس سے بالکل ہی قطع تعلق کرلوں۔ مَیں ستاین کی پنشن کا روپیہ تو نہیں مانگتی۔''

'' آپ کی والدہ اپنی مرضی کے مطابق جو چاہیں کرسکتی ہیں،'' ستاین نے لت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔'' مگر تمھیں علم ہے کہ ہمارے پاس عام گھریلو اخراجات پورا کرنے کے لیے ابھی کافی روپیہ نہیں۔ اگر وہ ہیوگ کو پچاس پونڈ بھجوا دے تو مَیں نہیں جانتا ہم کیسے گزارہ کریں گے۔ یہی سارا جھگڑا ہے ورنہ وہ جو چاہیں کرسکتی ہیں۔ مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔''

'' تم تو بری عورتوں پر میرا روپیہ خرچ کرتے رہتے ہو۔ تم بدفعل ہوا اور ہمیشہ سے یہی تمہارا وتیرہ رہا ہے۔''

'' اماں جی، جھگڑا بند کر کے ذرا خاموش ہو جائیں اور مجھے ہیوگ کا خط دکھائیں۔''

'' نہیں، وہ خط تو مَیں تمھیں بھی پڑھنے کے لیے نہیں دوں گی۔ تم خود کو کیا خیال کیے بیٹھے ہو۔ مَیں اپنے لڑکے کی زیر نگرانی نہیں ہوں۔ کیا تو اس کی طرف داری کرتے ہوئے ماں کے خلاف ہو رہا ہے؟ تم دونوں ہی چاہتے ہو کہ مَیں اپنے گوشت پوست کے ٹکڑوں اور پیارے بچوں کو تمھاری خاطر ہمیشہ کے لیے بھول جاؤں کیوں کہ اس میں تمھیں اپنا فائدہ نظر آتا ہے۔ مَیں تو انھیں شاذ ہی دیکھتی ہوں۔ بھلا مجھے کب جان اور ہیوگ کو ملنے کا موقعہ ملتا ہے۔ ہیوگ کو مَیں نے عرصہ ہوا نہیں دیکھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ مَیں نے ان کے والد کے متعلق دھوکا کھایا تھا، لیکن تیری طرح وہ بھی میرے بچے ہیں۔ اسی طرح اوتیلی بھی۔ مَیں بھلا اپنے بچوں کو کیوں فاقہ کشی کرنے دوں؟''

'' دوسروں کا ذکر چھوڑیے، مَیں اس بات کو اچھی طرح جانتا ہوں کہ ہیوگ آپ کی محبت، احسان اور کم زوری سے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔''

"نہیں، تم اس کے متعلق کچھ بھی نہ کہو۔ تم جیسے چاہو اپنے بہن بھائیوں سے قطع تعلق کیے رکھو۔ تم تو یہی خیال کرتے ہو کہ صرف تم ہی دنیا میں موجود ہو اور تمہارے سوا تمھاری ماں کی اور کوئی اولاد نہیں۔ جاؤ، اپنی خواہش کے مطابق شادی کرتے پھرو اور اپنی ماں کو اس مرد کے پاس تنہا چھوڑ جاؤ جو راتوں کو دبے پاؤں بُری عورتوں کے پیچھے دوڑا پھرتا ہے کیوں کہ ابھی وہ جوان ہے جبکہ اس کی بیوی بوڑھی ہو چکی ہے۔ مَیں حلفیہ کہتی ہوں اگر وہ اسی طرح دوسری عورتوں کے پیچھے جانا چاہتا ہے اور تم شادی کرلو گے تو پھر مَیں اس گھر میں نہیں رہوں گی بلکہ ہیوگ کے پاس چلی جاؤں گی جو میرا بہت پیارا بچہ ہے اور جسے مَیں نے سال بھر سے نہیں دیکھا۔"

"اچھا، ماں جی، زیادہ چلائیں نہیں، ذرا آرام کریں۔ آپ اس طرح جھگڑا کر کے اور چلا چلاّ کر گالیاں دے کر مجھے چکنا چور کرتی رہتی ہیں۔ بہت بہتر، مَیں ہیوگ کا خط پڑھنے کے لیے نہیں مانگوں گا، لیکن ستاین حق بجانب ہے کیوں کہ جہاں تک ہماری مجموعی مالی حالت کا تعلق ہے اس میں سے پچاس پونڈ کی رقم ہیوگ کو بھیجنا احمقانہ فعل ہوگا۔ وہ تو کہیں شہر میں کسی مشکوک سے کام پر لگا ہوا ہے اس لیے آپ کو ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیے۔"

"ارے خود غرض! ہاں، تم ایسے ہی ہو۔ مَیں تو ایسا ہی کروں گی۔ تمھیں بھلا کیا علم کہ تمھاری ماں کے پاس کتنی دولت ہے۔ مَیں جب چاہوں میرے پاس پیسہ آ جاتا ہے۔"

"جی ہاں، جی ہاں۔ مَیں جانتا ہوں پہلے آپ کھو دیتی ہیں اور پھر پالیتی ہیں۔"

"اگر مجھے الماری میں پڑے ہوئے پیسے نہ ملے اور ستاین نے چابی نہ دی تو مَیں بنک جا کر رقم حاصل کرنے کی درخواست دوں گی جسے وہ رد نہیں کریں گے۔ پھر بنک کی معرفت ہی وہ رقم بھجوا دوں گی۔ دیکھ، مَیں ایسا کرنے کی مجاز ہوں۔ تم تو بہت ہی خود غرض ہو۔ مَیں ابھی اپنا ٹوپ پہن کر جاتی ہیں اور کل یا پرسوں ہیوگ کو رقم مل جائے گی... ہائے، اسے کب پیسے پہنچیں گے؟ لت، مَیں اسی طرح تیرے لیے اور اوتیلی کے لیے بھی کروں گی جیسا کہ اب ہیوگ کے لیے کر رہی ہوں۔ مَیں اس کی ماں ہوں اور ماں کی ممتا کا یہی تقاضا ہے کہ ایسا ہی کروں..."

پھر وہ تتلانے لگی۔ غصے سے اس کا سانس رکا جا رہا تھا۔ وہ حسد سے جل رہی تھی کہ لت

نے ستاین کی طرف داری کی ہے نیز اس لیے بھی کہ ستاین لت کو اس کی نسبت زیادہ پسند کرتا ہے۔ یہ بات اس کے سینے میں برچھی کی طرح لگی جس سے وہ اس قدر سٹپٹائی کہ بے خود ہو کر لت اور ستاین کے مُنھ پر طمانچے مارنے کی ٹھان رہی تھی۔ ستاین کو تو وہ مار ہی دینا چاہتی تھی۔ اس کا چہرہ فق تھا۔ وہ غصے سے کرسیوں اور میز سے ٹکریں کھاتی، کمرے کا دروازہ دھڑام سے بند کر کے سیڑھیاں چڑھ کر اوپر چلی گئی اور اپنے کمرے میں درد کی وجہ سے سسکنے لگی۔ ستاین اور لت اپنے سروں پر اس کے پاؤں فرش پر زور زور سے مارنے کی آوازیں سُن رہے تھے۔ اس نے گالیاں دیتے اور اپنے آپ سے باتیں کرتے کپڑے بدلے۔ لت نے ستاین کی سخت مزاجی کو نرم مزاجی میں بدل دیا جس سے داڑھی کے پیچھے اس کا چہرہ اور بھی خوب صورت نظر آنے لگا۔ ستاین لت سے مخاطب ہو کر بولا: ''لت، مَیں تو بیس برس سے یہ باتیں برداشت کرتا چلا آ رہا ہوں۔''

''بیس برس سے، ستاین؟ چیخنا، چلانا، گالیاں دینا؟''

''وہ تیری والدہ ہے، پیارے لت، مجھے اس کے خلاف زیادہ نہ کہنے دو۔''

''ستاین، یہ درست ہے کہ وہ میری والدہ ہیں اور باوجود ان کی ان کم زوریوں کے مَیں ان سے محبت کرتا ہوں، مگر مَیں محسوس کر سکتا ہوں کہ آپ کو اس سے کتنی تکلیف پہنچتی ہو گی۔''

''تکلیف اُٹھانا؟ یہ مجھے نہیں معلوم، انسان آہستہ آہستہ احساسات کھو کر ایسی باتوں کا عادی ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات جب مَیں سوچتا ہوں تو مجھے خیال آتا ہے مَیں نے اپنی زندگی یونہی برباد کر ڈالی ہے۔ اس سے نہ تو مجھے اور نہ ہی اسے کوئی فائدہ پہنچا ہے۔''

''آپ انھیں ایک لاڈلے بچے کی طرح خیال کرنے کی کوشش کریں جس کی عادات خراب ہو چکی ہوں،'' لت بولا۔ ''آپ ان سے ذرا محبت اور پیار بھی کِیا کریں۔ انھیں محبت بھری باتوں کی تڑپ رہتی ہے۔ بیچاری امی جان پیار اور محبت کی بھکاری ہیں۔ مَیں کسی اور کو نہیں جانتا جسے اس قسم کی باتوں کی اتنی احتیاج ہو۔ جب مَیں ان کے سر پر ہاتھ پھرتا ہوں تو وہ پیار سے میرے ساتھ لگ جاتی ہیں اور نہایت خوشی محسوس کرتی ہیں۔ اور اگر انھیں محبت بھرا بوسہ دوں تو ان کے سرور کی حد ہی نہیں رہتی اور اگر تعریفی طور پر کہوں: آپ کے چہرے کی جلد تو ابھی

بہت ملائم ہے تو خوشی سے اچھل پڑتی ہیں۔ وہ یقیناً ایک بچے کی طرح ہیں۔ آپ انھیں ان نظروں سے دیکھنے کی کوشش کریں اور ذرا محبت اور پیار کا سلوک روا رکھیں۔"

"مَیں پہلے تو اس کا عاشق زار تھا، مگر اب اس سے محبت کرنا ناممکن ہے۔ اگر وہ ہمیشہ جھگڑا فساد نہ کرتی تو باوجود مجھ سے عمر میں بڑی ہونے کے ہم محبت اور پیار سے رہ سکتے تھے، مگر وہ تو بہت ہی مشکل کردار کی مالک ہے۔ ہمارے پاس کوئی پیسے نہیں اور اس دفعہ اسے الماری سے بھی رقم نہیں ملی اور وہ بلا سوچے سمجھے بنک سے قرض حاصل کرنے کی ٹھان رہی ہے تا کہ ہیوگ کو رقم بھیجی جا سکے۔" تریویلی کے خطوط کی وجہ سے ہمیشہ ہی جھگڑا ہوتا ہے۔ وہ یکے بعد دیگرے اس کا خون چوسنے میں لگے ہوئے ہیں اور سب سے کمینی حرکت یہ ہے کہ ان باتوں کے پیچھے ان کے والد کا ہاتھ ہوتا ہے"۔

"کیا آپ کو یہ بات یقینی طور پر معلوم ہے؟"

"ہاں،، تریویلی ہمیشہ ہی ایسی باتوں کے پیچھے ہوتا ہے اور بچوں پر اثر ڈال کر خطوط لکھواتا ہے۔ ہم تو اس کی وجہ سے مقروض ہوتے جارہے ہیں۔ لت، مَیں نے کئی دفعہ طلاق دینے کا ارادہ کیا، مگر چوں کہ تمھاری والدہ کو اس سے پہلے دو دفعہ طلاق مل چکی ہے اس لیے مَیں نے اس سے الگ ہونے کی کوشش نہیں کی، مگر بسا اوقات سوچتا ہوں کیا مَیں اپنی زندگی یونہی ضائع تو نہیں کر رہا۔ بھلا اسے میرا کیا فائدہ اور مجھے اس سے کیا حاصل ہے؟ ہم دونوں گزری ہوئی باتوں کی وجہ سے اکٹھے رہ رہے ہیں۔ ہاں، شہوت کی وجہ سے، جواب مر چکی ہے، بعض اوقات انسان پر پاگل پن کا ایک اندھا لمحہ آتا ہے جس کی وجہ سے وہ کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے دنیا ومافیہا کو بھول جاتا ہے۔ انہی چیزوں کی وجہ سے، جو گزر چکی ہیں، مَیں اب تک اپنی زندگی برباد کر رہا ہوں۔ مَیں بیس برس سے ایسا کر رہا ہوں۔ مَیں بالکل سادہ سا انسان ہوں۔ پہلے میری زندگی خوش خوش گزرتی تھی۔ مَیں فوج میں عہد یدار ہونے کی وجہ سے بڑا خوش تھا، لیکن اب میرا دل اس قسم کی تمام باتوں سے بھر چکا ہے اور مَیں فنا ہو جانے والی چیز کی وجہ سے اپنی عمر تباہ کرتا جارہا ہوں۔"

''ستاین، آپ کوعلم ہے کہ جو کچھ آپ کر رہے ہیں مَیں اسے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کیوں کہ یہ سب کچھ آپ میری ماں کی خاطر کر رہے ہیں، لیکن مَیں نے کئی بار عرض کیا ہے کہ آپ اپنی راہ چلیں، مَیں محض قربانی کو پسند نہیں کرتا۔ اگر آپ میری ماں سے الگ ہو کر زندگی کا لطف اُٹھا سکتے ہیں تو آپ کو یقیناً ایسا کرنا چاہیے۔''

ستاین پر پھر لا ابالیانہ جذبات غالب آ گئے۔ ''بیس برس گزرنے کے بعد انسان میں ازسرِ نو زندگی شروع کرنے کی طاقت باقی نہیں رہتی۔ چوں کہ تمھاری والدہ اکیلی رہ گئی تھی اس لیے مَیں اسے چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اس میں دراصل میرا قصور تو نہ تھا۔ نہیں، زیادہ قصور میرا اپنا ہی تھا۔ اور اب، جب کہ وہ بوڑھی ہو چکی ہے، اسے چھوڑنا ایک نازیبا اور کمینی حرکت ہوگی جو مجھ سے نہیں ہوسکتی۔ یہ قربانی نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف کچھ کرنے کی مجھ میں طاقت ہی نہیں، مگر مَیں اپنی زندگی کو جہنم بھی نہیں بنانا چاہتا۔ اگر میری مرضی ہو تو مَیں، اپنی راہ لے سکتا ہوں، ہاں، تمھاری والدہ مبالغہ کرتی ہے، مَیں راتوں کو کسی کے پاس نہیں جاتا۔''

''اماں جی میں حسد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ وہ آپ سے حسد کرتی ہیں۔''

''تم سے بھی حسد کرتی ہوگی۔ وہ ایک ناخوش عورت ہے۔ وہ جتنی بوڑھی ہوتی جائے گی اتنی ہی ناخوش ہوگی۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جنھیں ہرگز اتنی لمبی عمر نہ پانی چاہیے۔ آ، جیک، ہم ذرا تازہ ہَوا کھا آئیں۔ ہاں، اگر اس نے یہی رویہ اختیار کیے رکھا تو اس پر قانونی پابندیاں لگوانے کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوگا۔''

لت ستاین کی یہ بات سُن کر ذرا ڈرا کہ وہ والدہ صاحبہ پر مالی معالات کے سلسلے میں قانونی پابندی لگوانا چاہتا ہے، مگر دل میں کہنے لگا کہ اس کا خیال واقعی درست ہے لہٰذا مَیں موقعہ ملنے پر تسلی اور سکون کے ساتھ اس معاملے پر والدہ صاحبہ سے بات کروں گا۔ اس وقت تو کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ وہ غصے سے آگ بگولا ہیں او ہیگ کو پچاس پونڈ بھجوانے کے لیے پاگل سی ہو رہی ہیں اور اسے یہ رقم بھجوا کر ہی دم لیں گی۔

لت نے اپنے کمرے میں جا کر کام شروع کیا اور فنونِ لطیفہ کے متعلق ایک مضمون لکھ

ڈالا۔ اس میں اس نے بیان کیا کہ فنونِ لطیفہ تفریح طبع کے لیے ہیں اور مصنفین دلوں کو بہلانے والے ہی ہوتے ہیں۔ وہ اس نظریے سے کلی طور پر متفق تھا یا نہیں، اس کا نفسِ مضمون پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ اسے لکھنے سے اس کا اصل مقصد چند اوراق سیاہ کر کے اپنی زبان دانی اور زورِ قلم کا اظہار کرنا تھا تا کہ ایک طرف تو وہ لوگوں کے دلوں کو موہ لے اور دوسری طرف ان کے دلوں میں آگ سی لگا دے۔ شاید چارلس پاؤس کا خیال درست ہی نکلے۔ اس نے خوب صورت الفاظ پر مشتمل فصیح و بلیغ جملے اس طرح لکھے کہ اس سے قارئین کے دلوں کو فتح کر لے۔ لکھتے لکھتے اس کا خیال ماں کی طرف چلا گیا اور اس نے دفعتاً لکھنا بند کر دیا۔ ماں کے متعلق اس کا دل بھر آیا۔ اسے ستاین کا بھی خیال تھا، لیکن وہ اپنی ماں کے متعلق بہت فکر مند تھا۔ وہ اُٹھ کر اپنے کمرے میں ٹہلنے لگا جو اٹلی کی مختلف یادگاروں سے بھرا پڑا تھا اور اس میں اٹلی کے اساتذہ کی طرح چند شہرہ آفاق مصوروں کی تصاویر بھی آویزاں تھیں۔ وہ سوچنے لگا: ستاین تو بہت ہی نیک انسان ہے جس نے مجھے میری والدہ کے پہلو میں کمرا دے کر خود چھت والے حجرے میں بستر بچھایا ہوا ہے۔ لت اپنی ماں کے بارے میں بہت پریشان تھا کیوں کہ وہ انھیں ایک بچی کی مانند خیال کرتا تھا۔ پہلے وہ بے حد حسین، دلکش اور ایک گڑیا کی مانند خوب صورت نظر آیا کرتی تھیں۔ مجھے یاد ہے جب میری عمر سترہ برس تھی تو وہ دوسری عورتوں سے زیادہ خوب صورت اور پیاری دکھائی دیتی تھیں۔ ان کی آنکھیں معصوم اور چہرہ کسی تصویر سے مشابہ تھا۔ ان کا جسم موٹا تھا اور نہ ہی نحیف بلکہ بھرا ہوا تھا۔ اس وقت وہ اڑتیس برس کی تھیں، مگر دیکھنے میں کہیں کم عمر معلوم ہوتی تھیں۔ میرے سامنے وہ منظر بھی ہے جب والدہ صاحبہ نے سیلٹی رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا جس کے کالر پر کھال لگی ہوئی تھی اور اسی کھال کی ٹوپی انھوں نے سر پر لے رکھی تھی اور میرے ساتھ برف پر ناچتی تھیں۔ دیکھنے والے خیال کرتے تھے کہ وہ میری بہن ہیں۔

بے چاری امی اب تو بوڑھی ہو چکی ہیں۔ وہ یقیناً محبت کی دیوی تھیں۔ ان کے پانچ بچے پیدا ہوئے جن کے لیے وہ ماں کی طرح نہ تھیں۔ لت سر ہلا کر اور مسکرا کر کہنے لگا۔ مَیں نے تو خود ہی اپنی تربیت کا بیڑا اٹھایا تھا۔ اوتیلی نے بھی خود ہی اپنی تربیت کی اور اسے اپنے طور پر خدا

دادقوتوں اور اپنی خوش الحانی کا علم ہوا، مگر تریویلی ذرا زیادہ ہی گنوار ہو گئے تھے۔ نہیں، امی جان نہ تو صحیح طور پر ماں کی جگہ تھیں اور نہ ہی سلیقہ شعار خاتونِ خانہ۔ وہ صرف اور صرف محبت اور پیار کی بھوکی تھیں۔ انھیں جس طرح پہلے محبت اور پیار کی احتیاج تھی ویسے ہی اب بھی ہے۔ وہ زندگی میں جس طرح پہلے بچوں کی طرح خوشی اور محبت کی متلاشی تھیں اسی طرح اب بھی ہیں۔ میرے سوا کوئی اور امی جان سے اتنی محبت نہ کرتا تھا کیوں کہ مَیں جانتا تھا انھیں اس کی اشد ضرورت ہے۔ ایک دفعہ انھوں نے میرے سوتیلے بھائی ہیوگ کی طرف، جو بہت خوب صورت تھا، اشارہ کرتے ہوئے کہا: 'لت' اس نے تو گزشتہ آٹھ ماہ کے عرصے میں مجھے ایک دفعہ بھی محبت بھرا بوسہ نہیں دیا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ امی جان ہیگ کے بوسے کے لیے تڑپ رہی ہیں، لیکن وہ ان سے اچھا سلوک نہ کرتا تھا۔ دراصل ماں کی ماتا کا جوش تھا کہ وہ چاہ رہی تھیں ان کا بیٹا انھیں بوسہ دے۔

قانونی پابندیاں لگوانا؟ شاید ایسا کرنا ضروری ہی ہو، مگر ایسا کرنا بہت بُرا فعل ہوگا۔ آہ! کملی اماں۔ آپ بھی تو بعض اوقات احمقانہ حرکت کر بیٹھتی ہیں۔ اتنی نا سمجھ، اتنی بچکانا، ایسی بوڑھی عورت۔ آہ! بوڑھے ہونا نہایت ہولناک امر ہے اور پھر اپنی عادتوں سے باز نہ آنا:

''ہائے، امی جان!''

''لت کیا بات ہے؟'' وہ بولی۔

''کچھ نہیں، امی جان۔''

''میرے پیارے بچے، میری جان، میرے دل کے ٹکڑے، تجھے کیا ہو گیا ہے؟''

وہ ایسے کانپ رہا تھا جیسے بخار کا زور ہو۔ اس کا مُنھ زرد تھا اور وہ مردانہ وار اپنے احساسات پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا تا کہ دلیر اور بہادر ثابت ہو، مگر اس کے اِردگرد گھنے بادل سے چھا رہے تھے اور اس کی نظروں کے سامنے اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔

''میرے لاڈلے بچے، میری جان''۔ وہ اس کی بلائیں لیتی ہوئی اسے دیوان کی طرف لے گئی اور اسے اپنے بازوؤں میں لے لیا۔

''ماں جی، ماں جی، بوڑھا ہونا، بوڑھے ہو جانا...''

''میرے بچے، چپ رہ، آرام سے بیٹھ، ذرا تسکین حاصل کر۔'' وہ اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے دلاسے دینے میں مشغول تھی اور وہ اپنی ماں کے سینے سے لگا ہوا تھا۔ اسے علم تھا کہ وقتاً فوقتاً اسے بیماری اور کم زوری کا ایسا دورہ پڑتا ہے اور جب اس پر یہ حالت طاری ہوتی ہے تو ماں کا سہارا لے کر پکارا کرتا ہے: ''ہائے، امی! ہائے، مَیں بوڑھا ہوتا جا رہا ہوں۔''

یہ اس کی کم زوری تھی جسے وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ اب اسے سکون آ گیا تھا جیسے بخار اُترنے سے ہو جاتا ہے۔ برسوں کے گزرنے سے نہ تو انسان زیادہ سیکھتا ہے اور نہ ہی اس سے اس کی تربیت ہوتی ہے۔ آہ! زمانے نے تجھے تیری اصلی طبع پر ہی چھوڑ دیا، لیکن اس کے خوب صورت اور حسین پہلوؤں کو کاٹ کر دور پھینک دیا۔

خالہ ستیفانی کہتی تھیں کہ سارے خاندان میں شہوت پرستی کے جنون کی لکیر کھنچی ہوئی نظر آتی ہے جو دیریکس کی طرف سے نہ تھی۔ شاید اس کے خیال میں یہ نانی اماں کی طرف سے ہو کیوں کہ میرے سُننے میں آتا رہا ہے نانی اماں بھی امی جان کی طرح محبت کی دیوی ہوتی تھیں۔ لوگ ان کے انڈونیشیا میں کارہائے نمایاں کا ذکر کِیا کرتے تھے۔ تکمہ صاحب سے تعارف ہونے کے بعد سے ان کے خاندان پر نامبارک شادیوں کی ایک لعنت سے پڑی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ وہ پہلے دو دفعہ شادی کر چکی تھیں۔ جنرل دی لادرس درندہ صفت انسان تھا، مگر خالہ ستیفانی اس کا دفاع کرتی تھیں۔ کہا جاتا ہے نانا دیریکس کے ساتھ نانی اماں بالکل خوش نہ تھیں اس لیے اس وقت سے ان کے کارنامے شروع ہوتے ہیں۔

نانا دیریکس ایک طوفانی رات میں پہاڑوں کے درمیان بنگلے کی پچھلی طرف والے دریائے تخلہ میں ڈوب کر مر گئے تھے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ اس واقعے کے متعلق سالہا سال تک مختلف قسم کی افواہیں اُڑتی رہی تھیں۔ تاریخ کا یہ ورق سن اُٹھارہ سو ساٹھ عیسوی میں شروع ہوتا ہے... کہا جاتا ہے کہ نانا کی کسی گاؤں میں کوئی خفیہ دوست تھی جس کی وجہ سے کسی جاوی نے غصے میں آ کر انھیں قتل کر ڈالا، مگر ڈاکٹر رولفس کے بیان کے مطابق یہ جھوٹا افسانہ تھا۔

ماموں آنتوں نے شادی تو نہیں کی، مگر یہ لکیر ان میں آ کر اور بھی گہری ہوگئی ۔ ماموں ہیرلڈ بہت مہربان انسان ہیں، مگر وہ ایک لاینحل معما بن کر رہ گئے ہیں۔ ان کی شادی بھی نا کام ہی رہی ۔ وہ انڈونیشیا میں زراعت کرتے تھے اور ان کی شادی ہالینڈ کے ایک بڑے گھرانے کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ ماموں دان انڈونیشیا میں رہتے تھے ۔ ان کی شادی نا کام تو نہیں ہوئی، مگر انھوں نے آتے آتے ایک مقامی عورت فلور سے شادی رچالی ۔ خالہ وِلن ہف نانی کے خاندان سے ہیں۔ ان میں بھی وہ لکیر موٹی صورت میں نظر آرہی ہے۔ آہ! یہ سب کچھ گزر چکا ہے اور وہ بوڑھے ہو چکے ہیں۔

خالہ تھیریس نے شادی میں نا کامی کے بعد رومن کیتھولک مذہب اختیار کرلیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا لڑکا تھیوان کے خاوند سے نہیں ہے ۔ میری اپنی ماں نے تین دفعہ شادی کی ہے اور تینوں دفعہ ہی نا کامی کا مُنھ دیکھنا پڑا۔ مَیں نے اس سے پہلے کبھی بھی اس لکیر کو نسل در نسل دیکھنے کی کوشش نہیں کی اور اب ایسا کیا ہے تو یہ ایک خوف ناک اور تھرا دینے والا امر ثابت ہوا ہے۔ اس سے مَیں یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوں کہ لوگ معاشرتی اور ازدواجی رسوم وقوانین کی پابندی کرتے ہوئے ایسے افراد سے شادی کر بیٹھتے ہیں جن کی طبائع اور مزاج ایک دوسرے سے بہت مختلف ہوتے ہیں۔

ان لوگوں نے آپس میں کیوں شادیاں کیں؟ اب وہ بوڑھے ہو چکے ہیں، لیکن اگر اس زمانے میں پروان چڑھتے تو کیا پھر بھی انھی افراد سے شادی کرتے جن سے انھوں نے پہلے کی تھی؟ میرے نزدیک ان کا جنونی خون جبری شادیوں کو ہرگز قبول نہ کرتا بلکہ وہ آزادانہ طور پر اپنی طبیعت کے مطابق اپنا ساتھی تلاش کرتے ۔ اُس زمانے میں ان لوگوں نے محض شہوت پرستی کی خاطر ہی ان افراد سے شادی کی تھی۔ جب شہوت پرستی کے جوش نے ان پر دباؤ ڈالا تو انھوں نے اپنے معاشرتی قانون کے سامنے ،جس پر وہ بلادھڑک عمل کرتے چلے آرہے تھے، سرِ تسلیم خم کر کے قانونی شادی کرتے ہوئے شادی کے ناشادماں اور ناکامراں ہونے کی لعنت اپنے آپ پر مسلط کرلی۔ مگر ماموں ہیرلڈ کو ہم مستثنیٰ قرار دیں گے۔

اچھا تو پھر مَیں شادی کیوں کر رہا ہوں؟ جس طرح اس نے اپنی ماں سے یہ سوال کیا تھا اسی طرح سنجیدگی سے اب اپنے آپ سے بھی پوچھا۔ اس نے ترش رو ہو کر اپنی طرف دیکھا اور اپنے آپ سے پھر سوال کیا: مَیں شادی کیوں کر رہا ہوں؟ کیا مَیں اپنے نفس کو نہیں جانتا۔ اس پر اپنی نفس پرستی عیاں تھی۔ اسے علم تھا کہ وہ اپنی ظاہر داری اور زورِ قلم پر گھمنڈ کرتا ہے۔ پھر وہ ناراض ہونے کی بجائے مسکرا دیا اور سوچنے لگا: اے خدایا مَیں شادی کیوں کر رہا ہوں؟ مَیں نے ایلی کو شادی کرنے کے لیے کیوں پوچھا ہے؟ پھر بھی وہ خوش تھا کیوں کہ وہ ایلی کے ساتھ سنجیدگی سے محبت کرتا تھا۔ وہ اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز سمجھتا تھا۔ مگر اس کے لیے اس خیال پر قابو پانا مشکل تھا کہ وہ شادی کیوں کر رہا ہے؟ کیا وہ اپنے خاندان پر پڑی ہوئی لعنت سے محفوظ رہے گا۔ اچھا تو پھر مَیں رسمی شادی کیوں کروں؟ اوتیلی نے جو بات مذاقیہ طور پر کہی تھی وہ شاید ٹھیک ہی ہو۔ کیا اس کا بغیر شادی کے اطالوی فوجی افسر کے ساتھ رہنا صحیح نہیں۔ اس نے خود لکھا تھا جب تک آپس میں محبت ہے وہ اکٹھے رہیں گے۔ کیا مَیں ایلی کو، جو اتنی عقلمند ہے، کہہ سکتا ہوں کہ مَیں شادی کے بغیر آزادانہ طور پر تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔ نہیں، اسے یہ بات نہیں کہہ سکتا، مگر وہ سمجھ ضرور جاتی۔

بہر حال مَیں شادی کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ قسمت کی لعنت ہم سے پرے ہی رہے گی کیوں کہ ایلی سے میرا شادی کرنا شہوت پرستی کی خاطر نہیں بلکہ محبت کی خاطر ہے اس لیے ناشاد مان اور ناکامران شادی کا جوا ہماری گردنوں میں نہیں ڈالا جائے گا۔

چچاؤں اور خالاؤں نے شادیاں تو کی تھیں، مگر وہ سب کی سب نا مبارک ثابت ہوئیں کیوں کہ وہ خوش نہ تھے۔ اب وہ بوڑھے ہو چکے ہیں اور پرانی باتیں گزر چکی ہیں، لیکن کیا جواب نوعمر ہیں وہ بھی ان باتوں سے دوچار ہوں گے؟ کیا وہ باتیں اسے بھی پیش آئیں گی جواب بڑی عمر کا ہوا جا رہا ہے۔ آہ! انسان بوڑھے سے بوڑھا تر ہوتا جاتا ہے۔ ہائے! وہ خوفناک گھناؤنا بڑھاپا جس سے بال سفید ہو جاتے ہیں۔ اگر مجھے میری ظاہری شکل وصورت پر گھمنڈ کی وجہ سے نیچا دکھایا جائے تو یہ اتنا بُرا نہیں جتنا یہ کہ میرے ادبی فخر کی بیخ کنی کی جائے۔ ظاہری اور باطنی،

روحانی اور جسمانی ذلت و رسوائی کا دفعتاً آنا گھناؤنا نہیں بلکہ عقل و جسم میں فتور کے آہستہ آہستہ، دھیرے دھیرے آنے کا امکان گھناؤنے خوابوں اور خیالوں کی علت ہے۔ جسم کا سوکھتے جانا اور ذہن کا کُملا کُملا کرنانی اماں اور دادا تکمہ کی طرح بوڑھے بوڑھے ہو جانے کا خیال دل کو ہلا دینے والی بات ہے، مگر نوے سال سے بھی زیادہ عمر کے بوڑھے موجود ہیں جنھیں ابھی تک کچھ باتیں حرکت میں رکھے اور آپس میں منسلک کیے ہوئے ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ بیتے واقعات کے متعلق ہی آپس میں باتیں کرتے رہتے ہوں۔ ہاں، مگر ستانوے برس کا بوڑھا ہونا... نہیں، بالکل نہیں۔ اتنا بوڑھا ہونا مجھے پسند نہیں۔ مَیں تو چاہتا ہوں سوکھنے، کُملانے اور اپنی صلاحیتوں کے زائل ہونے سے پہلے ہی اس دنیا سے کوچ کر جاؤں۔

اس پر اتنا خوف طاری ہوا کہ اسے سردی محسوس ہونے لگی۔ جب اسے خیال آیا کہ وہ بھی ستانوے برس کی عمر پاسکتا ہے تو اس پر لرزہ طاری ہوگیا اور وہ پکار اٹھا: خدایا، تیری پناہ۔ تیری پناہ۔ ایسا ہرگز نہ ہو۔ مَیں اس سے بہت پہلے اس دنیا کو خیر باد کہنا چاہتا ہوں۔ اے میرے خدا، تو مجھے جوانی میں ہی اپنے پاس بلالے۔ مَیں تیری دنیا سے ناامید نہیں ہوں بلکہ زندگی سے مجھے ازحد پیار ہے۔ دنیا تو نہایت حسین ہے۔ دنیا دلوں کو موہ لینے والی ہے میں اپنی قابلیت اور ذہانت کی وجہ سے لطف اٹھاتا ہوں اور اب میری روح ایلی کی محبت سے سرشار ہوکر نفیس احساسات پیدا کررہی ہے۔ مَیں تروتازہ اور جوان عمر سے محبت کرتا ہوں۔ مَیں قوتوں کے زوال اور جسم کے سوکھنے کُملانے سے پناہ مانگتا ہوں۔ کاش تروتازگی، جوانی کے ایام ہمیشہ باقی رہیں۔ کاش جوانی کے عالم میں ہی مَیں اس جہانِ فانی سے رخصت ہو جاؤں۔

اس طرح نہایت عجز و انکسار سے وہ اپنے خدا کے سامنے، جسے وہ نور اور پوشیدہ راز خیال کرتا تھا، دعا کرتا رہا، مگر اسے یقین نہ تھا کہ وہ غیر محدود و لامتناہی ہستی ایسے شخص کی دعا قبول کر سکتی ہے جو ایک حقیر سی چیز ہونے کے باوجود نہایت خود غرض و خود پسند ہے۔ جس میں جواں مردی کا شائبہ بھی نہیں بلکہ وہ ازحد بزدل اور اپنے نفس پر گھمنڈ کرنے والا ہے۔

وہ کمرے میں اِدھر اُدھر ٹہلتے ہوئے کہنے لگا: کیا مَیں اپنے نفس کو نہیں جانتا۔ کیا مَیں خود کو

اپنے آپ سے چھپا سکتا ہوں۔ کیا مَیں نے اپنے آپ کو اچھی طرح نہیں سمجھا۔ وہ ان خیالات میں اس قدر غرق تھا کہ اسے دروازہ کُھلنے کی آواز بھی سنائی نہ دی۔ اور جب اس کے کانوں میں یہ آواز پڑی: ''پچاس پونڈ کی رقم بھجوائی جا چکی ہے۔'' تو وہ چوکنا ہوگیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ اس کی والدہ مجنونانہ صورت لیے سامنے کھڑی ہے اور اس کی بچوں جیسی آنکھیں ایک چھوٹے دیو کی مانند شعلہ زن ہیں اور مُنھ شریر بچے کی طرح کُھلا ہوا ہے۔ وہ لگاتار اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی اور بوسے دیتی رہی اور کوشش کرتی رہی کہ اس کے بال بکھر نہ جائیں۔ وہ اس سے محبت کرتی تھی اس لیے اسے پورا پورا یقین تھا کہ مادرانہ شفقت اس کے اطمینانِ قلب اور روح کی تسکین کا موجب ہوگی۔

''میرے بچے، آرام سے بیٹھ، فکر مت کرو۔'' وہ لگاتار یہ الفاظ دہراتی رہی الہٰذا وہ کچھ دیر تک نہایت اطمینان سے بیٹھا رہا۔

پھر ماں پوچھنے لگی: ''کیا تُو ابھی سے بوڑھا ہونے کو اتنا گھناؤنا خیال کر رہا ہے۔ بعد میں تو ایسا ہوسکتا ہے، مگر ابھی سے؟'' مگر اسی وجہ سے وہ بھی تو بالعموم افسردہ خاطر رہا کرتی تھی۔

''جی ہاں،'' لت نے جواب دیا۔

''ہاں، مَیں بھی اسے اچھا نہیں سمجھتی۔ لیکن تیری عمر تو ابھی بہت چھوٹی ہے۔''

اب اسے اپنے احساسات پر قدرے قابو حاصل ہو چکا تھا۔ اس لیے ذرا شرم محسوس کرنے لگا اور سوچنے لگا کہ وہ بھی اپنی ماں کی طرح ایک بچہ ہی رہے گا۔

بیماری، کم زوری اور خفقانِ قلب کی وجہ سے اس کے بڑھاپے کا خوف جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا اور اسے صرف اپنی ماں کے پاس ہی سکون ملتا تھا حالانکہ وہ حقیقی ماؤں کی طرح نہ تھی۔

نہیں، اس نے خود پر قابو پا کر شرمیلی آواز سے اور لاپروائی برتتے ہوئے سوچا۔

''جی ہاں، مَیں ابھی بہت چھوٹی عمر کا ہوں۔''

''تو شادی کر رہا ہے اور تیری عمر تو ابھی شروع ہونے والی ہے۔''

''اس لیے کہ مَیں شادی کر رہا ہوں۔''

''ہاں، اس لیے کہ تو شادی کر رہا ہے۔ کاش تجھے شادمانی ملے۔ میرے بچے، اپنی ماں کی

طرح نہیں... "

وہ ذرا ڈرا، مگر مسکرادیا کہ اس نے اپنے آپ کو اور اپنی ماں کو دوبارہ پالیا ہے۔ ماں، جس کی وجہ سے اسے تسکین حاصل ہوئی تھی، اس کے بالوں پر ہاتھ پھیر کر اور اسے محبت بھرا بوسہ دے کر کہنے لگا:

" ہم بیچارے انسانوں کو بعض اوقات عجیب وغریب قسم کے خیالات وتصورات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور ہم عجیب قسم کی حرکات کر بیٹھتے ہیں۔ باوجود نو عمر اور جوان ہونے کے اپنے آپ کو بیمار اور بوڑھا محسوس کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

" اماں جی، مجھے ایک دفعہ نہایت سنجیدگی کے ساتھ آپ سے بات کرنی ہے، مگر فی الحال نہیں کیوں کہ اب مجھے کچھ کام ہے۔ مہربانی فرما کر اب آپ مجھے تنہا چھوڑ دیں اور یہ کہ آپس میں محبت سے رہیں، مَیں اب بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ آپ مجنونوں کی طرح جوش میں نہ آیا کریں۔"

وہ شریر بچے کی طرح خوش ہو کر مسکراتے ہوئے دل میں کہنے لگی: مَیں نے پچاس پونڈ بھیج دیے ہیں۔

جب وہ دروازے سے باہر گئی تو لت اپنا سر ہلا ہلا کر تعجب کرنے لگا اور جب اس نے اپنا نفسیاتی تجزیہ کیا تو افسوس کرتے ہوئے کہنے لگا: " دراصل ہم سب ہی بے چارے انسانوں کو کسی کی زیرِ نگرانی رہنے کی ضرورت ہے۔ لیکن کس کی زیرِ نگرانی؟ بہتر یہی ہے کہ ہم کام میں لگے رہیں اور زیادہ سے زیادہ کام کرتے چلے جائیں......"

۹

بوڑھا تکمہ اُسترے کے دستے کی شکل کا پل عبور کر کے فوجی بیرک کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ اس نے عادت کے مطابق اچھی طرح بٹن بند کر کے اوَرکوٹ پہنا ہوا تھا اور ہاتھی دانت کے دستے والی چھڑی کا سہارا لیے نہایت احتیاط سے قدم اُٹھاتا جا رہا تھا۔ اوتیلی ستاین دی ویرت، جو دوسری طرف سے آ رہی تھی، اسے دیکھ کر اس کی طرف گئی اور سلام کیا۔ تکمہ نے اس کے سلام کا جواب دیتے ہوئے پوچھا:

''اوتیلی، کیا تم بھی اپنی ماں کی طرف جا رہی ہو؟''

''جی ہاں، مَیں بھی ادھر جانے کا ارادہ رکھتی ہوں،'' اس نے جواب دیا۔

''آج صبح بارش ہو رہی تھی،'' بوڑھا تکمہ بولا۔ ''میرا ارادہ تو جانے کا نہ تھا، مگر پھر بھی آ گیا ہوں اور آدیلے بڑبڑاتی رہی ہے۔ لیکن اب تو موسم بہتر ہو گیا ہے۔''

''ہو سکتا ہے پھر بارش ہو جائے، تکمہ صاحب، آپ کے پاس چھتری بھی نہیں ہے۔''

''ہاں، بچی، مگر مجھے چھتری اتنی پسند نہیں، اس لیے میں کبھی اسے لے کر باہر نہیں نکلتا۔ سر کے اوپر ایک چھپر سا لیے پھرنا ذرا عجیب سا دکھائی دیتا ہے۔''

اوتیلی مسکرا دی۔ اسے علم تھا کہ اگر بوڑھا چھتری لے کر باہر جائے تو چھڑی کا سہارا لے کر چل نہیں سکے گا۔ اس نے پوچھا، ''اگر بارش ہو جائے اور آپ سواری نہ لینا چاہیں تو کیا مَیں آپ کو گھر چھوڑ آؤں؟''

''نہیں، بچی، مجھے سواری سے چھتری سے بھی زیادہ نفرت ہے۔''

وہ جانتی تھی کہ اسے یکے کے دھکوں سے تکلیف ہوتی ہے۔ وہ پھر بولا: ''جس سواری میں مَیں سوار ہونا پسند کرتا ہوں وہ صرف سیاہ رنگ کی بگھی ہے، لیکن اگر بارش ہو تو تم اپنی چھتری کے نیچے مجھے گھر چھوڑ آنا۔ اچھا مجھے اپنا بازو تھامنے کے لیے دو، مَیں اسے پسند کرتا

ہوں۔"

اوتیلی نے اس کی طرف اپنا بازو پھیلا دیا اور بڑے میاں اس کا سہارا لے کر ساتھ ہولیے۔ اس کا دایاں قدم ذرا اکڑا ہوا تھا س لیے وہ بوڑھے شخص کی طرح آہستہ آہستہ بے قاعدگی سے قدم اُٹھاتا،ٹھوکریں کھاتا جارہا تھا۔ اس نے پوچھا،" بچی،تم اتنی خاموش کیوں ہو؟"

"تکمہ صاحب،مَیں؟"

"ہاں،تم۔"

"آپ کی نظر سے کوئی چیز بھی اوجھل نہیں رہتی۔"

"دراصل مجھے تمھاری آواز سے محسوس ہوا تھا کہ کوئی بات ضرور ہے۔"

"ہاں ، مجھے کچھ فکر سا لگا ہوا ہے، لیجیے ہم پہنچ گئے۔" انھوں نے دروازے کی گھنٹی بجائی۔ انا دروازہ کھولنے کے لیے دوڑی آئی۔

"مَیں ذرا سانس لے لوں ... انا،" بوڑھے نے کہا۔ ذرا... ستالوں۔ میرا کوٹ رکھو، مَیں سوچتا ہوں... اور، اور ذرا دیر کے لیے.. سانس لیتا ہوں۔"

"اب سردی شروع ہورہی ہے،" بوڑھی انا نے کہا۔" ہم بیٹھک میں جلد ہی آگ جلا کر کمرا گرم کرنا شروع کر دیں گے۔ بیگم دیریکس خودتو نیچے نہیں آتیں ،مگر کوئی نہ کوئی ملاقاتی آیا ہی رہتا ہے اور ڈاکٹر رولفس بہت سردی محسوس کرتے ہیں۔"

بوڑھے نے گھبرا کر کہا،" نہیں ،نہیں۔ ابھی کمرا گرم کرنا شروع نہ کریں۔ گرم کمرا تو ہم بوڑھوں کے لیے عذاب ہے۔"

وہ تھک جانے کی وجہ سے اپنے دونوں ہاتھ چھڑی پر رکھ کر بیٹھ گیا اور انا انھیں اکیلا چھوڑ کر چلی گئی۔

"اچھا، بچی، بتاؤ تو سہی فکر کس بات کی ہے؟"

"مَیں کسی قدر غمگین ہوں کیوں کہ وہ کل شادی کرلیں گے۔ اور مَیں پیچھے اکیلی رہ جاؤں گی۔"

''ہاں، ہاں۔ صبح لت اور ایلی کی شادی ہو جائے گی۔ خدا انھیں شاد مان رکھے۔''

''ہاں، مَیں بھی یہی دعا کرتی ہوں... مگر مَیں ...''

''بتاؤ، بچی، کیا مسئلہ ہے...؟''

''مَیں تو خوش نہ ہوں گی۔''

''کیوں؟''

''میرے پاس باقی کیا رہ جائے گا۔ تب تو میرے پاس میرا ایک بچہ بھی موجود نہ رہے گا۔ میرا خیال ہے کہ مَیں انگلینڈ چلی جاؤں کیوں کہ وہاں جان اور ہیوگ موجود ہیں اور مریم بھی انڈونیشیا سے واپس آ رہی ہے۔''

''ہاں، بچی، جب انسان بوڑھے ہو جاتے ہیں تو اکیلے ہی رہ جاتے ہیں۔ ذرا میری طرف نظر کرو۔ ایلی کی شادی کے بعد صرف آدیلے ہی میرے پاس رہ جائے گی۔ یہ میری بڑی خوش قسمتی ہے کہ مَیں باہر نکل کر تمھاری والدہ کو ملنے آ سکتا ہوں۔ اس طرح آپ سب سے اور ڈاکٹر رولفس سے بھی ملنے کا موقعہ مل جاتا ہے۔ اگر مجھ میں باہر جانے کو طاقت مفقود ہوئی ہوتی تو میرا پرسانِ حال کون ہوتا؟ لیکن تم تو ابھی جوان ہوا!''

''مَیں! کیا مَیں جوان ہوں؟''

''ہاں بچی، کیا تم جوان نہیں ہو؟''

''تکمہ صاحب، مَیں تو اب ساٹھ برس کی ہو چکی ہوں۔''

''بچی... تم ساٹھ برس کو پہنچ چکی ہو... تم مجھے بتاتی ہو کہ تم ساٹھ برس کی ہو۔'' بوڑھے نے اپنے دماغ پر زور دے کر یاد کرنے کی کوشش کی اور اچانک چھا جانے والی دھند کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنے دماغ پر مزید زور ڈالا اور پھر بولا:

''بچی، تمھیں غلطی لگ رہی ہوگی۔ تم ابھی ساٹھ سال کی نہیں ہو سکتیں۔''

''تکمہ صاحب، مَیں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ مَیں ساٹھ سال کی ہو چکی ہوں۔''

''آہ، لیجے، تم بھی اتنی عمر کی ہو چکی ہو۔''

اپنے دماغ پر زور ڈالنے کے لیے اس نے آنکھیں ذرا بند کیں اور آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگا:

"ساٹھ سال کی۔ ساٹھ سال سے زیادہ... ساٹھ سال سے زیادہ..."

"ساٹھ، ٹھیک ساٹھ سال کی۔"

"ہاں، ہاں، ساٹھ سال کی۔ بچی، تم ساٹھ سال کی ہوگئی ہو۔ میرا خیال تھا کہ تم چالیس یا پچاس سال کی ہوگی۔ مَیں خواب دیکھ رہا تھا۔

گویا بوڑھا خواب دیکھ رہا تھا کہ وہ یہ کہہ رہا ہے ساٹھ سال، ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ وہ اسی طرح بڑبڑا رہا تھا کہ اوتیلی اس کی بات سمجھنے سے قاصر تھی۔

"کیا آپ کسی الجھن میں پڑ گئے تھے؟" اوتیلی نے پوچھا۔

وہ چوکنا ہو کر بولا، "کب؟"

"ابھی ابھی... ابھی ابھی۔ جب آپ کا خیال تھا کہ مَیں چالیس سال کی ہوں۔ آپ کیا کہہ رہے تھے؟"

"ہاں، ہاں، مَیں تمھاری بات سمجھ رہا ہوں۔ مَیں ابھی اچھی طرح سُن سکتا ہوں۔ میری قوتِ سماعت ہمیشہ ہی اچھی رہی ہے۔ بہت تیز، بہت تیز۔"

اوتیلی ستاین خیال کرنے لگی کہ وہ بھٹک کر اصل بات سے بہت دور جا رہا ہے۔ اس نے پہلے کبھی اسے اس حالت میں نہیں دیکھا تھا۔

"بچی، تم ساٹھ برس کی ہو چکی ہو۔" جب بوڑھے نے اپنے جذبات پر قابو پالیا تو آرام سے کہنے لگا۔ "ہاں اتنی عمر کی ہوگئی ہو۔ بوڑھے عام طور پر یہی سمجھتے ہیں کہ نوعمر بچے ہمیشہ بچے ہی رہتے ہیں اور جوان ہمیشہ جوان، مگر اب تو تم بھی بوڑھی ہو رہی ہو۔"

"ہاں، مَیں بہت بوڑھی ہوئے جا رہی ہوں۔ آہ! بہت ہی تھوڑا وقت باقی رہ جائے گا۔" اس کی آواز نہایت دردناک محسوس ہوتی تھی۔

"آہ! بچی، تمھیں پاؤس کے ساتھ جھگڑا نہیں کرنا چاہیے۔ نہیں، اس سے میری مراد

تریویلی ہے۔''

''شاید آپ کی مراد ستاین ہو؟''

''ہاں، میری مراد وہی ہے۔''

''لیکن مَیں تو اسے بالکل برداشت نہیں کرسکتی۔''

''لیکن پہلے تو برداشت کرسکتی تھی۔''

''ہاں، جب انسان کسی پر عاشق ہوتو.....''

''ہاں، ہاں، تم پہلے اسے پسند کرتی تھیں۔'' بوڑھے نے زور سے کہا۔'' کل وہ شادی کریں گے، ٹھیک ہے نا۔''

''جی ہاں، کل صبح۔''

''اچھا! مَیں تو اس موقعے پر موجود نہیں ہوسکوں گا جس کا مجھے ازحد افسوس ہے، لیکن...''

''جی ہاں، وہاں جانا آپ کی تکان کا موجب ہوگا۔ وہ ابھی نانی اماں سے رخصت ہونے آئیں گے۔''

''ہاں، بہت اچھا ہوگا۔''

'' ویسے ان کی شادی زیادہ دل چسپ بھی نہیں ہوگی کیوں کہ وہ اس میں دل لگی کا سماں پیدا نہیں کر رہے۔ انھوں نے شادی کے موقعے پر کسی قسم کی دعوت کا بندوبست نہیں کِیا اور نہ ہی وہ گرجے میں شادی کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے شادی بے رونق سی معلوم ہوتی ہے۔

'' مجھے تو یہ بات بھی عجیب محسوس ہو رہی ہے کہ ایلی نے شادی کے موقعے کے لیے کوئی خاص لباس بھی نہیں بنوایا۔ ایلی باوجود نوعمر ہونے کے بہت ہی سنجیدہ معلوم ہوتی ہے۔ اگر انسان کی پہلی شادی ہوتو مَیں اس قسم کا رویہ پسند نہیں کرتی، مگر وہ کہتے ہیں کہ ہم کس کی خاطر اتنی تکالیف برداشت کریں۔ دوستوں اور رشتہ داروں کی خاطر جنھیں دراصل ان سے کوئی سروکار ہی نہیں۔ پھر دعوت پر کافی پیسہ بھی خرچ ہوتا ہے۔''

تکمہ نے کہا،'' ایلی جو چاہتی اسے مل سکتا تھا۔ دعوت، ناچ گانے کی مجلس یا کچھ اور، مگر وہ

ایسا کرنا پسند نہیں کرتی تھی۔ نہیں، ان دونوں میں سے کوئی بھی ایسا پسند نہیں کرتا۔ یہ ان کا اپنا خیال ہے۔"

"تکمہ صاحب!" اوتیلی ذرا ہچکچائی۔

"ہاں، بچی..."

"مَیں آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتی ہوں، مگر ایسا کرنے کی جرأت نہیں کرسکتی۔"

"بچی، تم جرأت کیوں نہیں کرسکتیں... کیا تمھیں کسی چیز کی ضرورت ہے؟"

"نہیں... نہیں ایسا تو نہیں... مگر پھر بھی..."

"اچھا، بچی، کہوتو... کیا رقم کی ضرورت ہے؟"

اس پر اوتیلی نے روتے ہوئے کہا:

"مَیں آپ سے مانگنا نہایت بُرا خیال کرتی ہوں اور ایسا کرنا ٹھیک بھی نہیں۔ آپ لت کو نہ بتائیں کسی موقعے پر مَیں خود اسے آگاہ کر دوں گی۔ دیکھیے، مَیں کُھلے بندوں کہے دیتی ہوں کہ مَیں نے کچھ رقم ہیوگ کو بھیج دی ہے اور اب میرے پاس اپنے اخراجات کے لیے کوئی رقم نہیں رہی۔ اگر آپ ہمیشہ سے مجھ پر اتنے مہربان نہ ہوتے تو مَیں آپ سے رقم مانگنے کی کبھی جرأت نہ کرتی۔ مگر آپ ہمیشہ مجھ سے لاڈ کرتے رہے ہیں اور مجھ سے پیار کرتے رہے ہیں۔ اگر آپ ناپسند نہ کریں تو مَیں آپ سے... آپ اتنے... سے میری مدد کرسکتے ہیں۔"

"بچی، کتنی رقم؟"

ماں اوتیلی نے دروازے کی طرف جھانک کر دیکھا کہ کوئی سُن تو نہیں رہا۔ پھر کہنے لگی، "تین سو گلڈر کی رقم۔"

"ٹھیک ہے، بچی۔ شام کو شادی کے بعد میرے پاس آنا... اس کے علاوہ بھی اگر کبھی کسی چیز کی ضرورت ہوتو بلا تامل مجھ سے مانگ سکتی ہو۔"

"آپ مجھ پر ہمیشہ ہی بہت مہربان رہے ہیں اور ہمیشہ مجھ سے پیار کرتے رہے ہیں۔"

"مجھے تمھاری ماں سے انتہائی محبت ہے اس لیے تم سے بھی محبت کرتا ہوں۔ تم ہمیشہ

مانگ سکتی ہو۔ بچی، مانگ لیا کرو۔ مگر ذرا سمجھ سے کام لو۔''

'' تکمہ صاحب، مَیں کیا کروں؟''

اب بوڑھے کو پھر اونگھ سی آ گئی تھی، مگر لمحے بھر بعد وہ بولا،'' کوئی بے سمجھی کی بات نہ کرنا۔''

'' اس سے کیا مراد ہے؟''

'' ساٹھ برس، ساٹھ برس سے زیادہ۔'' وہ مُنھ ہی مُنھ میں بڑبڑا رہا تھا۔ اوتیلی یہ دیکھ کر کہ اسے چھڑی کے دستے پر ہاتھ رکھے نیند آ گئی ہے، ذرا ڈری اور اس نے دبے پاؤں دروازہ کھول کر نوکرانی کو بلایا:'' انا، انا۔''

نوکرانی دوڑتی ہوئی آئی اور بولی،'' بیگم صاحبہ، کیا بات ہے؟''

'' ادھر آ، دیکھ تکمہ صاحب اونگھنے لگے ہیں۔ ہم ان کے جاگنے تک ان کے پاس ہی ٹھہرتے ہیں۔ ٹھیک ہے نا۔''

نوکرانی بوڑھے تکمہ پر ترس کھاتے ہوئے پکار اٹھی،'' آہ، بوڑھی روح!''

'' یہ ابھی نہیں ہے... ؟'' اوتیلی نے ڈرے ہوئے بچے کی طرح پوچھا، لیکن انا نے اطمینان دلاتے ہوئے اپنا سر ہلا دیا۔ بوڑھا چھڑی کے دستے پر ہاتھ رکھے اکڑ کر کرسی پر بیٹھا سو رہا تھا اور دونوں عورتیں ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہی تھیں۔

۱۰

دروازے کی گھنٹی بجی تو ماں اوتیلی نے آہستہ سے کہا، ''لت اور ایلی ہوں گے۔''
انا نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا تو بولی، نہیں۔ یہ تو ہیرلڈ صاحب ہیں۔''
وہ دروازہ کھولنے گئی اور اوتیلی اس کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر اپنے بھائی کے استقبال کے لیے گئی۔ بہن بھائی نے ایک دوسرے کو سلام کیا اور پھر بھائی پوچھنے لگا، ''کوئی امی جان کے پاس تو نہیں؟''
''نہیں،'' اوتیلی نے جواب دیا۔ ''تکمہ صاحب مجھے ابھی ابھی دروازے کے پاس ملے تھے۔ انھیں ذرا اونگھ آگئی ہے۔ مَیں ان کے بیدار ہونے تک یہیں انتظار کروں گی۔''
''اچھا تو پھر مَیں ماں جی کے پاس جاتا ہوں۔''
''بھائی ہیرلڈ، تمھاری صحت اچھی معلوم نہیں ہوتی،'' اوتیلی بولی۔
''مجھے کچھ درد ہے جس کی وجہ سے میری طبیعت قدرے خراب ہے،'' بھائی نے جواب دیا۔
''تمھیں کہاں درد ہو رہا ہے؟'' اوتیلی نے دریافت کیا۔
''ہر جگہ، کلیجہ اور دل سب کچھ بگڑا ہوا ہے،'' ہیرلڈ بولا۔ ''اوتیلی، کل بڑا دن ہے نا۔''
''اوتیلی نے ذرا افسوسناک لہجے میں جواب دیا، ''جی ہاں۔ مگر وہ بالکل مہمان نواز نہیں ہیں۔ نہ تو انھوں نے کوئی دعوت دی ہے اور نہ ہی گرجے میں شادی کا انتظام کیا ہے۔''
''لت نے مجھے شادی کا گواہ بننے کے لیے کہا ہے۔''
''ہاں، آپ کو اور ستاین کو،'' اوتیلی نے جواب دیا۔ ''ڈاکٹر رولفس اور دی ہر برخ ایلی کی طرف سے گواہ ہوں گے۔ آنتون نے گواہ بننے سے انکار کر دیا تھا۔''
اب وہ دبے پاؤں سیڑھیوں سے اوپر چلے گئے اور جب دستک دے کر اندر گئے تو کیا

دیکھتے ہیں کہ نوکرانی مردہ دلی سے اخبار سے کچھ پڑھ کر سنا رہی ہے وہ فوراً اُٹھ کھڑی ہوئی اور کہنے لگی: ''بیگم صاحبہ، ہیرلڈ صاحب آئے ہیں،'' اور پھر باہر چلی گئی۔

باوجود درد کے بوڑھے بیٹے نے ادب سے جھک کر ماں کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ وہاں کسی قدر اندھیرا تھا اس لیے بوڑھی ماں کا چینی مٹی کے رنگ کا جھریوں بھرا چہرہ قرمزی رنگ کے بڑے بڑے پردوں اور چلمن میں سے گزر کر آنے والی مدھم روشنی میں بمشکل نظر آرہا تھا۔ وہ کرسی پر کشمیری کپڑے کی لمبی قمیص پہنے اس طرح اکڑ کر بیٹھی ہوئی تھیں جیسے کوئی ملکہ تخت نشین ہو اور گود میں بغیر انگلیوں کے دستانوں میں اس کی پتلی اور سلاخوں کی مانند اکڑی ہوئی انگلیاں بے تحاشا کانپ رہی تھیں۔ لڑکے اور ماں نے ایک دوسرے کو سلام دعا کی اور وہ اس کے پاس والی کرسی پر بیٹھ گئے کیوں کہ کھڑکی سے ملحقہ کرسی تکمہ صاحب کے لیے مخصوص تھی اور اس پر کسی اور کو بیٹھنے کی اجازت نہ تھی خواہ وہ موجود ہوں یا نہ۔ پھر وہ اِدھر اُدھر لت اور ایلی کی شادی کے سلسلے میں باتیں کرنے میں مشغول ہو گئے۔

بعض اوقات ہیرلڈ کے چہرے پر، جو بالکل زرد پڑا تھا، درد کا اثر نمایاں ہو جاتا اور وہ درد کے عالم میں پہلو بدلنا شروع کر دیتا تھا۔ پھر اس کی آنکھوں کے سامنے تمام گزشتہ واقعات ایک ایک کر کے پھرنے لگے۔ وہ جب بھی بیٹھ کر سوچ بچار کیا کرتا تو اسے جن بھوت لمبے لمبے چوغے پہنے گرے ہوئے پتوں پر دامن گھسیٹتے اور سرسراہٹ پیدا کرتے نظر آیا کرتے تھے۔ وہ سالہا سال سے انھیں آہستہ آہستہ گزرتے دیکھتا رہا تھا اور اس کا خیال تھا یہ سلسلہ کبھی ختم نہ ہوگا اور وہ انھیں عمر بھر اسی طرح گزرتے دیکھتا رہے گا۔ وہ حیران تھا کہ دوسروں نے کیوں انھیں نہ دیکھا اور نہ ہی وہ آوازیں سنیں۔ ڈاکٹر رولفس نے یقیناً زخم کا معائنہ کیا ہوگا۔ مگر اس نے زخم کا ذکر کرنے کی بجائے اس کی تردید ہی کی ۔ یہ افواہ بھی پھیلی تھی کہ گاؤں میں کسی عورت کے معاملے میں خنجر سے زخم آیا تھا کیوں کہ وہاں خون کے نشانات پائے جاتے تھے۔ پھر اور افواہیں بھی پھیلیں کہ میرے والد صاحب ایک طوفانی رات میں باغ میں سیر کر رہے تھے تو موسلا دھار بارش کے طوفان میں پھنس کر غرق ہو گئے۔ وہ خطرناک گھناؤنی چیز گزرتے

ہوئے گھور گھور کر مجھے دیکھ رہی تھی۔ مَیں اس بڑھاپے کی عمر کو کیوں پہنچا۔ چیزیں اتنی آہستہ آہستہ کیوں گزریں؟

جب وہ جوان ہوا تو اسے پہلے سے زیادہ علم حاصل ہو چکا تھا کہ اس کے باپ نے اپنی بیوی کے کمرے میں سرگوشیاں ہوتی سنیں اور یہ معلوم کر کے کہ ان میں تکمہ کی آواز شامل ہے، جوان کے گھر آنے جانے والے دوست تھے، وہ پھر کان لگا کر سننے لگے اور جب انھیں یقین ہوگیا کہ تکمہ ان کی بیوی کے پاس ہے تو وہ سخت آگ بگولا ہوئے۔ ان کا خون غصے سے کھولنے لگا۔ ان کی آنکھیں شعلے برسانے لگیں اور وہ ہتھیار ڈھونڈنے لگے۔ خنجر کے سوا کوئی اور ہتھیار ان کے ہاتھ نہ لگا۔

وہ چپکے چپکے بیوی کے کمرے کی طرف گئے جہاں سے آوازیں آرہی تھیں۔ وہ آپس میں خوش گپیاں کرتے سنائی دے رہے تھے۔ انھوں نے دروازے کو اس زور سے دھکا دیا کہ اس کی بانس کی چٹخنی ٹوٹ گئی وہ فوراً اندر چلے گئے۔

اب کیا تھا۔ دو مرد ایک عورت کی وجہ سے لڑنے لگے۔ ان کا شہوانی جوش پرانے زمانے کی مانند تھا۔ اسی طرح حسد، بغض اور جوش انتقام بھی۔ وہ اس وقت نہ تو انسان تھے اور نہ ہی جواں مرد بلکہ وہ درندوں کی طرح تھے جو ایک مادہ کی وجہ سے لڑائی کرتے ہیں۔ ان کے دماغ میں کوئی بہتر بات نہ آئی۔ ان کے سامنے صرف شہوت، حسد، کینے اور انتقام کا جذبہ تھا۔ تکمہ نے والد صاحب کے ہاتھ سے خنجر چھین کر انھیں کاری زخم پہنچایا، مگر مَیں نے اپنی والدہ کو وہاں نہیں دیکھا اس لیے مجھے علم نہیں کہ ان کا اس لڑائی میں کیا کردار تھا جو دو درندہ خصلت انسانوں کے درمیان برپا تھی۔

اس نے بار ہا اپنی ماں کے پاس بیٹھے ہوئے اس گزرنے والی چیز کے متعلق معلوم کرنے کی کوشش کی۔ آج بھی اسے کچھ پوچھنے کی بہت خواہش ہوئی چناں چہ اس نے اس بوڑھی عورت سے پوچھا:

''کیا آپ کی سہیلی آپ کو اخبار پڑھ کر سُنا رہی تھی؟''

"ہاں!"

"کیا وہ اچھی طرح پڑھ سکتی ہے؟"

"ہاں، مگر بعض اوقات اس کے لیے مشکل ہوتا ہے کیا سُنائے۔"

"کیا آپ کو سیاست سے دل چسپی ہے؟"

"یہ جنگ پیدا کرتی ہے اور یہ نہایت ہی مکروہ فعل ہے کہ اس قدر انسان اپنی جانیں دیں۔"

"دراصل یہ بڑے پیمانے پر قتل ہے۔"

"ہاں، یہ قتل ہے۔"

"کیا نوکرانی قسطوں میں بیان کی جانے والی کوئی کہانی پڑھ کر سُناتی ہے؟"

"نہیں، مجھے اس میں کوئی دل چسپی نہیں ہے۔"

"مجھے بھی نہیں۔"

"ہم ایسی کہانیوں کے لیے بہت بوڑھے ہیں۔"

"ہاں، ہم بوڑھوں کی اپنی قسط وار سرگذشت ہے۔"

"ہاں، مگر آرام اور سکون کی زندگی ہی بہتر ہے۔"

"تب تو آپ کو خود کو ملامت کرنے کی ضروت ہی نہیں۔" اس نے دیکھا کہ اس کی سلاخوں کی مانند پتلی پتلی انگلیاں مسلسل لرز رہی ہیں اور وہ دل میں کہنے لگا، اس کے پاس اپنے خاوند سے بے وفائی کرنے کے علاوہ کوئی اور قابل ملامت یاد تو نہیں۔ مَیں نے خود تو محسوس نہں کیا، مگر پھر بھی جنوں بھوتوں کے چوغوں کے دامن خشک پتوں پر گھسٹتے ہی رہے ہیں۔

"آپ کی سہیلی نے اس بدفعلی کے متعلق پڑھ کر نہیں سُنایا؟"

"کس بدفعلی کے متعلق؟"

"انگلینڈ میں کوئی عورت تھی جو..."

"نہیں، ایسی باتیں تو وہ پڑھ کر نہیں سُناتی۔"

اس کے الفاظ اپنے اندر انکسار کا رنگ رکھتے تھے۔ اس کا پوپلا مُنھ اور انگلیاں لگاتار

کانپ رہی تھیں۔

اس کے بیٹے کو اس پر رحم آنے لگا۔ وہ صرف یہ بات معلوم کرنا چاہتا تھا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔ اسے علم تھا کہ اس کی ماں کی وہ روح، جو کسی وقت مجسم شہوت تھی اور اپنی خوشی کے ایک لمحے کے لیے سب کچھ بھول جایا کرتی تھی، اب خشک ہو چکی ہے اور وہ موت کی گھڑیاں گن رہی ہے۔ اسے علم تھا اس کی والدہ کو خاوند سے بے حد نفرت تھی حالانکہ پہلے وہ اس کی پوجا کرتی تھی۔ جب اس کی شہوت خاوند کے حق میں سرد پڑ گئی تو وہ اس سے متنفر ہو گئی۔

۱۱

دروازے کی گھنٹی تو تکمہ کی آنکھ کُھل گئی۔ اسے علم تھا کہ اس پر نیند غالب آ گئی تھی، لیکن اس نے معذرت کرنے کی بجائے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی کہ وہ ہاتھی دانت کی چھڑی کے دستے پر ہاتھ رکھ کر ذرا آرام کر رہا تھا اور جب اس نے ڈاکٹر رولفس کو اندر آتے دیکھا تو اپنی عادت سے مجبور ہو کر مذاقاً کہنے لگا، '' ڈاکٹر صاحب، آپ اتنے برس گزرنے کے باوجود پھر بھی پتلے نہیں ہو رہے۔''

تکمہ صاحب، کیا مَیں آپ کے نزدیک موٹا ہوں؟ '' ڈاکٹر نے پوچھا۔ دراصل ڈاکٹر لڑکھڑاتا ہوا اندر آیا تھا۔ اس کا پھولا ہوا پیٹ اس کی کوتاہ ٹانگ کی طرف ٹیڑھا ہو کر جھکا ہوا تھا۔ راہبوں کی طرح داڑھی چٹ کیے ہوئے چہرے پر سنہری عینک کے پیچھے اس کی بے اطمینان نگاہیں چمک رہی تھیں۔ تکمہ ہمیشہ اس کے موٹے پیٹ پر تنقید کیا کرتا تھا جسے ڈاکٹر پسندیدگی کی نظر سے نہ دیکھتا تھا۔

'' ہیرلڈ اوپر گئے ہیں، '' اوتیلی ستاین بولی۔

تکمہ بہ مشکل اُٹھتے ہوئے کہنے لگا، '' آؤ، بچی، ہم بھی اوپر جاتے ہیں اور ہیرلڈ کو باہر نکال دیں گے۔''

چناں چہ وہ اوپر چلا گیا اور اتنے میں دروازے کی گھنٹی پھر بجی۔ بوڑھی انا نے ڈاکٹر سے مخاطب ہو کر کہا، '' بعض اوقات بہت سے ملاقاتی آتے ہیں۔ بہر حال بیگم صاحبہ کو فراموش نہیں کیا جاتا۔ ہم جلد ہی اس بیٹھک کو گرم کرنا شروع کر دیں گے کیوں کہ اِدھر کوئی نہ کوئی انتظار میں بیٹھا ہی رہتا ہے۔''

'' بہت خوب، بالکل ٹھیک ہے، '' ڈاکٹر بولا اور اپنے ہاتھوں کو آپس میں رگڑنے لگا گویا اسے سردی لگ رہی ہے، پھر کہنے لگا، '' انا، سردی تو شروع ہو گئی ہے۔ اب ضرور آگ جلانی چاہیے۔''

''ہاں،'' انا بولی۔'' مگر تکمہ صاحب تو کمرا گرم کرنے کو صحت کے خلاف سمجھتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے،'' ڈاکٹر نے جواب دیا۔'' تکمہ صاحب کے اندر تو ہمیشہ ہی تنور جلتا رہتا ہے۔ خیر دیکھیے، دیکھیے، بچے آگئے ہیں۔''

ایلی نے لت کے ساتھ کمرے میں داخل ہوتے ہی پوچھا،'' کیا ہم اوپر جا سکتے ہیں؟''

''ہاں، آپ اوپر جا سکتے ہیں،'' انا نے جواب دیا۔

''ہیرلڈ صاحب نیچے آرہے ہیں۔ اوپر آپ کی والدہ صاحبہ اور تکمہ صاحب ہی نانی اماں کے پاس ہوں گے۔''

لت مذاقاً کہہ اُٹھا،'' معلوم ہوتا ہے نانی اماں نے دربار لگایا ہوا ہے۔'' مذاق کرتے ہوئے وہ ہچکچایا بھی تھا کیوں کہ نانی کے ہاں آکر اس پر بھی رعب طاری رہتا تھا اور ماضی کا ساسماں محسوس ہوتا تھا۔ اس کی طبیعت بے انتہا حساس تھی اس لیے وہاں ماضی کے واقعات اور یادیں بہت متاثر کرتی تھیں اسی لیے وہ یہاں آنے میں تامل سے کام لیا کرتا تھا۔

بوڑھے راہب جیسی شکل وشباہت والے ڈاکٹر کی عمر نانی سے کم تھی۔ اس نے اسے ایک دل کش اور دل رُبا خاتون کی صورت میں دیکھ رکھا تھا۔ سیڑھیوں سے ماموں ہیرلڈ نیچے اُتر رہا تھا۔ وہ دوسروں سے بہت چھوٹا تھا پھر بھی اس کا چہرہ سکڑا ہوا تھا۔ پہلے تو کسی جسمانی درد کی وجہ سے ایسا تھا، مگر اب اندرونی درد اور افسردہ خاطری سے اور بھی سکڑ گیا تھا۔ اس نے نہایت ہی نرم آواز سے خدا حافظ کہا اور کل پھر ملیں گے کہہ کر ہاتھ ہلاتا ہوا باہر چلا گیا۔

افسردہ آواز سے لت پر ہمیشہ کپکپی طاری ہو جایا کرتی تھی۔ جب ڈاکٹر انا سے گفتگو کر رہا تھا تو وہ ایلیٰ کے پیچھے پیچھے اوپر گیا۔ ابھی تک اسے وہاں ''او، او'' اور'' اچھا، اچھا'' کی آوازیں سُنائی دے رہی تھیں۔

لت موسم خزاں کے پہلے دن سے ہی'' ہائے بڑھاپا، ہائے بڑھاپا'' کا دل میں درد کرتے ہوئے لرز رہا تھا۔ اندر داخل ہونے پر کیا دیکھتا ہے کہ نانی اماں اور دادا تکمہ کے درمیان اس کی والدہ ایک بچے کی طرح بیٹھی ہے جس سے لت کو عجیب سا احساس ہوا۔ اس نے ایلی کے

پیچھے چلتے ہوئے اپنی آواز اور پاؤں کی آہٹ پر قابو پائے رکھا۔ اس وجہ سے ایلی بھی چلتے وقت بہت محتاط تھی۔ اس کا خیال تھا لت کے یوں چلنے کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ ان کے شیشے کے مانند نازک اور پُرانے ماحول کو اپنی نوجوان روح کے جوش وخروش سے چکنا چور نہ کر ڈالے۔

بوڑھی خاتون بولی، ''کل تم شادی کر رہے ہو۔ بہت اچھا۔ بہت خوب۔'' پھر اس نے اپنے چوکور ہاتھ اُٹھا کر نہایت سکون کے ساتھ اپنے کانپتے ہوئے ہونٹوں سے پہلے لت اور پھر ایلی کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ تب سب ایک حلقے کی صورت میں بیٹھ گئے اور اِدھر اُدھر کی باتوں میں مشغول ہو گئے۔

لت اپنے آپ کو ایک بچے اور ایلی کو ایک نوعمر بچی اور اپنی والدہ کو ایک جوان عورت کی مانند تصور کرنے لگا۔ وہ نانی کی ہم صورت دکھائی دیتی تھی، مگر دوغلی نسل والوں کے نقش ونگار اس میں حسین بن کر مفقود ہو چکے تھے۔ اس کی ماں کی شکل تکمہ سے ملتی معلوم نہ ہوتی تھی گو دونوں کی نگاہوں، اشاروں اور مسکراہٹ میں بڑی مشابہت تھی۔ یہ دیکھ کر وہ سوچنے لگا کہ لوگ ان کے متعلق جو چہ میگوئیاں کیا کرتے تھے وہ شاید ٹھیک ہی ہوں۔ لوگ کہا کرتے تھے چوں کہ چھوٹی بچی دیریکس کی وفات کے اتنا عرصہ بعد پیدا ہوئی ہے اس لیے اسے دیریکس کی لڑکی شمار نہیں کیا جاسکتا چناں چہ وہ اسے اکثر تکمہ کی طرف ہی منسوب کیا کرتے تھے۔ وہ اپنے دل سے سوال کرنے لگا: تو کیا وہ ماں باپ اور بچی کی صورت میں یہاں بیٹھے ہیں؟ کیا وہ تکمہ کا نواسہ اور ایلی کی پھُپھی کا لڑکا ہے؟ مَیں نے افواہیں تو سُنی تھیں، مگر مجھے صحیح صورت حال کا علم نہیں ہوا تھا۔ اب تو مَیں نے ان میں مشابہت بھی پائی ہے، لیکن فی الواقع اگر ایسی ہی بات تھی تو ان دونوں بوڑھوں کو بھی اس کا علم ضرور ہوگا۔ بڑھاپے کی وجہ سے ان کے قویٰ کم زور ہو کر ابھی مضمحل نہیں ہوئے بلکہ ان دونوں کے احساسات کسی خاص علت کی وجہ سے ابھی تک تیز ہی ہیں۔ نانی اماں کو باوجود بڑھاپے کے اس کی شادی کا اچھی طرح علم ہے اور دوسرے خاندانی امور سے بھی بالکل واقف ہیں۔ ابھی انھوں نے اطلاع دی تھی کہ ماموں دان بمع ممانی فلور کے انڈونیشیا سے آرہے ہیں، لیکن وہ متعجب تھیں۔ شروع سردیوں میں وہ یہاں کیوں آرہے ہیں۔ ممانی فلور

کو یہاں کا موسم نہیں بھائے گا۔ وہ سوچے گی کاش مَیں یہاں آنے کی بجائے انڈونیشیا میں ہی رہ جاتی ۔مَیں تو برسوں سے یہاں بیٹھی ہوں اور انتظار ... انتظار...

وہ ذرا تھتھلائی اور کھڑکی سے باہر جھانکنے لگی۔ دوسری کھڑکی کے ساتھ کرسی پر بیٹھا تکمہ سر ہلا ہلا کر اس کی تائید کر رہا تھا۔لت اس منظر کو دیکھ کر لرز گیا۔ اس نے اپنی ماں کو اشارہ کیا، مگر وہ اسے نہ سمجھ سکی۔ اس نے یہی خیال کیا کہ وہ جانا چاہتا ہے۔ ان دنوں وہ افسردہ خاطر اور غمگین تھی پھر بھی اُٹھتے ہوتے مسکرائی اور کہنے لگی:

'' ماں جی، اب ہم رخصت ہوتے ہیں۔'' پھر اس نے تکمہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا، '' کیا مَیں آپ کو گھر تک چھوڑ آؤں؟''

''نہیں، بچی،'' تکمہ نے جواب دیا۔'' اب بارش ختم ہو چکی ہے اس لیے ایسا کرنے کی ضرورت نہیں ۔مَیں اکیلا ہی چلا جاؤں گا۔'' ماں اوتیلی کی آواز غمگین بچے کی طرح تھی، مگر تکمہ کی آواز میں پدرانہ فخر اور ذرا گھبراہٹ پائی جاتی تھی۔

لت اور ایلی بھی اُٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے نانی اور دادا کو احتیاط سے بوسہ دیا۔ ماں اوتیلی نے بھی اپنی والدہ اور تکمہ کو بوسہ دیا۔ ان کے روانہ ہونے کے بعد ڈاکٹر لڑکھڑاتا ہوا اندر داخل ہوا۔

'' آیئے، ڈاکٹر رولفس۔''

ڈاکٹر مُنھ ہی مُنھ میں بڑبڑاتا ہوا کرسی پر گر پڑا۔ تینوں بوڑھے بلا بات چیت کیے کچھ دیر تک بیٹھے رہے ۔ باہر اندھیرا چھا گیا اور موسم خزاں کی سخت سرد ہَوا نے پہلے زرد پتے صوفیہ لان پر لا پھینکے۔

دفعتاً ڈاکٹر تکمہ سے مخاطب ہوا،'' آپ تو بہت دیر تک گھر سے باہر رہتے ہیں۔''

'' نہیں، نہیں۔''

'' اس وقت بالعموم زیادہ ٹھنڈ ہو جاتی ہے،'' ڈاکٹر بولا۔

'' نہیں، مجھے سردی نہیں لگتی،'' بوڑھے نے جواب دیا۔

''ہاں۔ آپ کے اندر تو ہمیشہ ہی آگ جلتی رہتی ہے۔''

''ہاں، جس طرح آپ موٹے سے موٹے تر ہوتے جا رہے ہیں۔''

اس پر ڈاکٹر قہقہہ مار کر ہنسا۔ اس نے ہنسی مذاق میں خود پیش قدمی کی تھی چناں چہ وہ ناراض نہ تھا اور تکمہ بھی زور زور سے ہنسنے لگا۔

بوڑھی عورت بغیر بولے ذرا آگے کو جُھک کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ اس نے دیکھا ناساؤلان پر شام کی تاریکی چھا رہی ہے۔ وہ سلاخوں کی طرح اکڑی ہوئی انگلیوں سے اشارہ کر کے کہنے لگی: ''اِدھر دیکھو۔ میرے خیال میں اِدھر درختوں کے نیچے سے کچھ گزر رہا ہے۔''

''کیا گزر رہا ہے؟''

''مجھے علم نہیں کیا۔ شاید کوئی چیز یا انسان۔''

''او تیلی، وہاں کچھ بھی نہیں۔ اری، وہاں سے کچھ بھی گزر نہیں رہا،'' تکمہ نے جھٹ سے جواب دیا۔

''میرا خیال تھا کہ وہاں دھندلی سی کوئی چیز ہے۔''

''ہاں، دھند سی ہے،'' ڈاکٹر بولا۔

تکمہ نے بھی تائید کرتے ہوئے کہا، ''ہاں، وہ دھند ہی ہے۔''

''آپ بہت دیر سے گھر جاتے ہیں،'' ڈاکٹر نے تکمہ سے کہا۔

''میرے پاس موٹا کوٹ ہے۔ یہ بہت گرم ہے۔''

''خوب، خوب... اچھا تو یہ بات ہے،'' ڈاکٹر بڑبڑایا۔

بڑھیا کہنے لگی: ''پتے سرسرا رہے ہیں اور ہَوا بین کر رہی ہے۔ یہ سردی کے جلد آنے کا پیش خیمہ ہے۔ تو پھر ایک اور موسمِ سرما۔''

''ہاں، ہاں، سردیاں آ رہی ہیں۔ یہ ایک دفعہ پھر آ رہی ہیں۔''

''ہاں، اب یہ آخری سردیاں ہوں گی،'' بڑھیا بولی۔

ڈاکٹر اس کی بات کی تردید کرتا ہوا بولا، ''نہیں، نہیں۔ مَیں تو آپ کو سو سال تک

''ہاں۔ آپ کے اندر تو ہمیشہ ہی آگ جلتی رہتی ہے۔''

''ہاں، جس طرح آپ موٹے سے موٹے تر ہوتے جا رہے ہیں۔''

اس پر ڈاکٹر قہقہہ مار کر ہنسا۔ اس نے ہنسی مذاق میں خود پیش قدمی کی تھی چناں چہ وہ ناراض نہ تھا اور تکمہ بھی زور زور سے ہنسنے لگا۔

بوڑھی عورت بغیر بولے ذرا آگے کو جُھک کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ اس نے دیکھا ناساؤلان پر شام کی تاریکی چھا رہی ہے۔ وہ سلاخوں کی طرح اکڑی ہوئی انگلیوں سے اشارہ کر کے کہنے لگی: ''اِدھر دیکھو۔ میرے خیال میں اِدھر درختوں کے نیچے سے کچھ گزر رہا ہے۔''

''کیا گزر رہا ہے؟''

''مجھے علم نہیں کیا۔ شاید کوئی چیز یا انسان۔''

''او تیلی، وہاں کچھ بھی نہیں۔ اری، وہاں سے کچھ بھی گزر نہیں رہا،'' تکمہ نے جھٹ سے جواب دیا۔

''میرا خیال تھا کہ وہاں دھندلی سی کوئی چیز ہے۔''

''ہاں، دھند سی ہے،'' ڈاکٹر بولا۔

تکمہ نے بھی تائید کرتے ہوئے کہا، ''ہاں، وہ دھند ہی ہے۔''

''آپ بہت دیر سے گھر جاتے ہیں،'' ڈاکٹر نے تکمہ سے کہا۔

''میرے پاس موٹا کوٹ ہے۔ یہ بہت گرم ہے۔''

''خوب، خوب... اچھا تو یہ بات ہے،'' ڈاکٹر بڑبڑایا۔

بڑھیا کہنے لگی: ''پتے سرسرا رہے ہیں اور ہَوا بین کر رہی ہے۔ یہ سردی کے جلد آنے کا پیش خیمہ ہے۔ تو پھر ایک اور موسمِ سرما۔''

''ہاں، ہاں، سردیاں آرہی ہیں۔ یہ ایک دفعہ پھر آرہی ہیں۔''

''ہاں، اب یہ آخری سردیاں ہوں گی،'' بڑھیا بولی۔

ڈاکٹر اس کی بات کی تردید کرتا ہوا بولا، ''نہیں، نہیں۔ مَیں تو آپ کو سو سال تک

پہنچانے کی ٹھانے ہوئے ہوں۔"

تکمہ نے سر ہلا کر اس کی تائید کی اور بولا، "پہلے ہی ساٹھ سال کا عرصہ بیت چکا ہے۔"

ڈاکٹر ذرا چوکنا ہوا اور بولا، "کیا؟"

"... اتنا عرصہ گزر چکا ہے۔"

"تم کیا کہہ رہے ہو؟" بڑھیا کی گھٹی ہوئی چیخ سے مشابہ آواز سُنائی دی۔

"مَیں کہہ رہا ہوں،" تکمہ بولا، "اوتیلی ... لیجیے ... اب ساٹھ برس ہو گئے ہیں۔"

"اوہ، ہاں۔"

"اب ساٹھ برس سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے... کہ ساٹھ سال قبل، کہ ..."

"کہ ... کیا؟" ڈاکٹر بولا۔

"کہ دیریکس ڈوب کر مر گیا تھا،" تکمہ نے جواب دیا۔

ڈاکٹر نے سر ہلایا اور کہا، "ہاں۔"

بڑھیا نے سرد آہ بھر کر ہاتھوں کو ایک زاویے سے اور بہ مشکل مُنھ کی طرف لے جاتے ہوئے کہا، "اس کے متعلق بات نہ کرو، تم ایسا کیوں کر رہے ہو؟"

تکمہ بولا: "مَیں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔"

ڈاکٹر بڑبڑاتے ہوئے کہنے لگا، "نہیں، نہیں، اس کے متعلق کوئی بات نہیں کرتے۔ ہم کبھی بھی اس کے متعلق گفتگو نہیں کرتے۔ تکمہ صاحب، آپ کو اس بارے میں کچھ کہنے کا خیال کیوں آیا؟ یہ کوئی ایسی بات تو نہیں ہے، مگر اوتیلی کو اس سے غم ہوتا ہے۔"

اس پر بڑھیا اطمینان سے بولی، "نہیں، اب مجھے غم نہیں ہوتا۔ اب مَیں اتنی بوڑھی ہو چکی ہوں کہ مجھے دکھ نہیں ہو سکتا۔ مَیں تو اب انتظار کی گھڑیاں گن رہی ہوں۔ دیکھو، وہاں کچھ گزر تو نہیں رہا؟"

"کہاں؟"

"اس سامنے والے باغ میں۔ یا وہاں سڑک پر۔ کچھ سفید سا۔"

''نہیں، اوتیلی، وہ صرف دھندی ہے۔''

''لیکن پتوں میں سرسراہٹ پیدا ہو رہی ہے۔''

ڈاکٹر نے پھر بڑبڑاتے ہوئے اس کی تردید کی جبکہ تکمہ سر ہلا کر ہی رہ گیا۔

وہ کافی دیر خاموش بیٹھے رہے۔ ہاں یہ ساٹھ سال پہلے کا واقعہ تھا۔ تینوں، بڑھیا، بوڑھا اور ڈاکٹر اس واقعے کا اپنے تصور میں مشاہدہ کر رہے تھے۔

ڈاکٹر نے اسے دیکھا تھا اور اس کا معائنہ کیا تھا اس لیے اسے علم تھا۔ اسے اوتیلی سے، باوجود عمر میں اس سے چھوٹا ہونے کے، محبت تھی اور ایک موقعے پر اس نے اس کا اظہار بھی کیا تھا۔

''آئیں، اب چلتے ہیں،'' تکمہ بولا۔ ''اب میرے جانے کا وقت ہو گیا ہے۔''

وہ بہ مشکل کھڑا سوچنے لگا کہ آج تو وہ ایک خط بھی نہ پھاڑ سکا جو کہ ٹھیک بات نہ تھی۔ مگر خط پھاڑنے سے انگلیوں میں درد شروع ہو جاتا تھا۔ پھر ڈاکٹر بھی اٹھا اور۔ نوکرانی کو اطلاع دینے کے لیے اس نے دو دفعہ گھنٹی بجائی اور آواز دی، ''نوکرانی، اب ہم جا رہے ہیں۔''

کمرے میں اندھیرا چھا چکا تھا۔

''خدا حافظ، اوتیلی،'' یہ کہہ کر تکمہ نے اس سے ہاتھ ملایا، لیکن اس کا ہاتھ ذرا سا ہی اٹھ سکا۔ ''اچھا، اوتیلی، ہم کل یا پرسوں پھر ملیں گے۔''

ڈاکٹر نے بھی ہاتھ ملایا۔ انھوں نے نیچے آ کر دیکھا کہ اوتیلی ستاین ابھی تک وہیں ہے۔ تکمہ بولا، ''بچی، تم ابھی تک یہیں ہو۔''

''ہاں، تکمہ صاحب، مَیں آپ کو گھر پہنچا کر آؤں گی کیوں کہ اب بہت دیر ہو گئی ہے۔ ایلی کی بھی یہی رائے تھی۔ آدیلے گھبرا رہی ہو گی۔''

''بہت اچھا، بچی۔ بوڑھے کو گھر چھوڑ آؤ۔''

بوڑھے نے اوتیلی کے بازو کا سہارا لیا اور غیر ہموار سڑک پر گرتے سنبھلتے انا کو الوداع کہہ کر گھر روانہ ہو گیا۔ جب نوکرانی نے دیا جلانا چاہا تو بڑھیا نے اسے روکا اور کہا، ''ذرا ٹھہر اور دیکھ سڑک پر گرے ہوئے پتوں پر کوئی جا تو نہیں رہا؟''

نوکرانی نے جھانک کر دیکھا اور کہنے لگی، ''نہیں، خانم، کچھ بھی نہیں ہے۔ ذرا دُھند اُٹھ رہی ہے۔ تکمہ صاحب تو آج بہت دیر تک بیٹھے رہے ہیں۔'' پھر اس نے کھڑکی بند کر کے دیا جلا دیا۔ بڑھیا نے نوکرانی اور انا کے ہمراہ بستر میں جانے سے پہلے شور بہ نوش کیا اور پھر بستر پر لیٹ گئی۔

۱۲

شام کے وقت بوڑھا پاؤس برسلز کے ریلوے اسٹیشن پر ان کے استقبال کے لیے آیا اور انھیں دیکھ کر کہنے لگا، ''خوش آمدید میرے پیارے بچے، کیا حال ہے؟ تو یہ تمھاری بیوی ہے۔ بہت ہی پیاری لگتی ہے۔'' وہ بازو کھول کر پہلے لت سے اور پھر ایلی سے گلے ملا اور بولا:

''مَیں نے ہوٹل میٹروپول میں کمرا مخصوص کرا دیا ہوا ہے، لیکن شام کے کھانے کا انتظام گھر پر ہی کیا ہے تاکہ میں بھی تمھاری شادی کی خوشی میں شریک ہوسکوں۔ توقع تو نہیں ہے کہ تم لوگ تھکے ہوئے ہوگے۔ نہیں، یہ کوئی لمبا سفر نہیں ہے۔ تمہارے صندوق ہوٹل بھجوا کر گھر چلتے ہیں، میرے پاس سواری موجود ہے۔''

''کیا ہم تینوں اس میں بیٹھ سکیں گے؟''

''ہاں، ہاں، ہم بہت آرام سے بیٹھیں گے۔''

ایلی نے ستر سالہ بوڑھے کو، جو ابھی تک تروتازہ اور سڈول جسم رکھتا تھا، دوسری بار دیکھا تھا۔ اس سے پہلے منگنی کے بعد لت کے ساتھ اسے ملنے آئی تھی۔ وہ خیال کرتی تھی کہ یہ ہے تو بہت خوش و خرم، مگر اس میں آمرانہ روح پائی جاتی ہے۔ وہ لت کو دوبارہ دیکھنے کی وجہ سے ازحد خوش ہوا تھا۔ اس نے خود دروازہ کھولا اور لت سے پہلے ہی یکے والے کو پیسے دے دیے اور نوبیاہتا جوڑے کو سیڑھیوں سے اوپر لے گیا۔ کمرا گرم کرنے کے لیے شام کو نوکر موجود نہ ہونے کی وجہ سے اس نے خود چولہا جلایا اور کہنے لگا: ''گھر کا کام کاج کرنے والی عورت صرف صبح کو ہی آتی ہے، اس لیے مَیں بالعموم کھانا ایک ہوٹل میں کھاتا ہوں۔ میرا خیال تھا تم لوگوں کی خاطر مدارات بھی ہوٹل میں ہی کی جائے، مگر پھر مَیں نے سوچا گھر پر مجلس زیادہ پررونق رہے گی۔''

اس نے ایک نوجوان کی طرح بڑی پھرتی سے آتش دان میں گیس جلائی جسے دیکھ کر ایلی مسکرا اُٹھی۔ میز سجا ہوا تھا جس پر گل دان میں پھولوں کا دستہ رکھا تھا اور ایک طرف برتن میں

پینے کے لیے کچھ بوتلیں برف میں لگی ہوئی تھیں۔

بوڑھے نے ایلی کی پیشانی پر بوسہ دے کر کہا، '' خوش آمدید، میری پیاری بیٹی۔'' اور اس کا ٹوپ اور کوٹ اتروا کر اپنے سونے کے کمرے میں رکھ دیے اور لت کو مخاطب کر کے بولا، '' لت، تم بھی اپنا کوٹ وہاں رکھ دو۔''

تمھارے والد تو بہت اچھے ہیں،'' ایلی نے کہا۔

چھوٹا کمرا سجا ہوا تھا۔ اس میں اس کا ذاتی فرنیچر تھا۔ الماری میں کتابیں اور ایک طرف ہتھیار رکھے ہوئے تھے اور ماں او تیلی کا فوٹو بھی دیوار پر آویزاں تھا۔ اسے دیکھ کر پہلے کی طرح اب بھی ایلی پر عجیب اثر ہوا۔ وہ فوٹو اس کے بیسویں برس کا تھا۔ اس کے پُرانی طرز کے لمبے لمبے بال نہایت ہی خوب صورت اور دل کش تھے اور وہ افسانوی دیوی نظر آتی تھی۔ ایلی کو تعجب ہوا کہ ستاین کے کمرے میں بھی کتوں اور گھوڑوں کی تصویریں تھیں اور وہ بھی شکاری اور کھلاڑی قسم کا انسان اور خوب صورت مرد ہے۔ وہ مسکرا اٹھی اور سوچنے لگی، ماں او تیلی کے لیے یقیناً اسی قسم کے مرد ہی دل چسپی کا باعث ہوں گے۔ وہ اس طرح مسکرائی جس طرح لت اپنی ماں کو دیکھ کر مسکرایا کرتا تھا۔

بوڑھا پاؤس کہنے لگا، '' تم دونوں ایک دوسرے سے بہت ملتے جلتے ہو۔'' اور میز کے قریب جا کر بولا، '' دیکھو، یہ سب کچھ مَیں نے تمہارے لیے تیار کیا ہے۔ کیا تمھیں کافیار[1] اور سینکی ہوئی روٹی پسند ہے۔''

'' کافیار تو میرا من بھاتا کھاجا ہے،'' لت نے جواب دیا۔

'' ہاں، یہ مجھے یاد ہے۔ لیکن یہاں پکانے کا چولہا نہیں اور نہ ہی کوئی نوکر ہے اس لیے سرد کھانے کا انتظام ہی کر سکتا ہوں۔ مَیں نے مچھلی کا بندوبست بھی کیا ہے۔ شاید یہ بہت زیادہ ہو۔ پھر سرد مرغی اور رس کے ساتھ سیب کا حلوہ۔ یہ دراصل ڈچ قسم کا کھانا ہے۔ اس طرح نہ تو یہاں

---

[1] کافیار: (Caviar)، بحیرۂ خضر کے ایرانی و روسی پانیوں میں پائے جانے والی خاص قسم کی مچھلی، عزم مرغ، کے چھوٹے چھوٹے انڈے جو انتہائی گراں قیمت اور منفرد ذائقہ رکھتے ہیں۔

اور نہ ہی فرانس میں کھاتے ہیں۔ اس کے بعد، ایلی، تمہارے لیے بالائی کا کیک حاضر ہے۔''

''مَیں بھی تو کریم کیک پسند کرتا ہوں،'' لت بولا۔

''اور بعد ازاں کافی، شراب اور سگار۔ ایلی، تمہارے لیے بھی سگریٹ موجود ہیں۔ بس یہی سب کچھ ہے۔ اس سے بڑھ کر مَیں کوئی انتظام نہیں کر سکا۔''

''ارے اباجی ... یہ بہت کچھ ہے اور سماں بھی پُر رونق ہے۔''

بوڑھے نے جلدی سے شمپَین[۱] کی بوتل کھولی اور بولا:

''دیکھو، بچو، یہ رہی شراب۔''

''شراب زور سے جھاگ بن کر اچھلی۔

''ایلی، ٹھہر، ذرا مجھے پیالہ بھرنے دو، یہ رہا تمہارے لیے۔ خدا تمھیں خوش نصیب اور خوش وخرم رکھے۔''

''آپ میں لت کی چند خصوصیات ہیں،'' ایلی نے کہا۔

''مجھ میں؟ اس صورت میں تو لت نے کچھ مجھ سے لیا ہے۔''

''ہاں، میرا مطلب بھی یہی تھا۔''

''اچھا یوں، ورنہ اس سے کچھ اور ہی مطلب نکلتا ہے۔''

''ہاں، لیکن لت تو اپنی ماں سے بھی ملتا جلتا ہے۔''

''ہاں، مَیں ماں سے مشابہت رکھتا ہوں،'' لت بولا۔

لت کا جسم پتلا اور بال سکے سنہری تھے۔ اس کے برعکس بوڑھے کا جسم بھاری اور موٹا اور رنگ بہت شوخ تھا۔ اس کے سر کے بال سفید تھے جن میں کچھ سیاہ بال لکیروں کی مانند دکھائی دیتے تھے۔

''میرا مطلب تھا اگرچہ لت اپنی ماں سے مشابہ ہے پھر بھی خوش مزاجی میں آپ سے ملتا جلتا ہے۔''

---

[۱] شمپَین: (Chanpagne)، فرانس کی ایک مہنگی شراب۔

بوڑھے نے مذاقیہ لہجے میں جواب دیا: ''تو کیا میں ہَوا کی طرح ہوں؟''
پھر وہ سب کھانے کی میز کی طرف اشارہ کرکے باتوں میں لگ گئے۔
''کیا تُو اندازہ کرسکتی ہے ابا جی ستر برس کے ہیں؟'' لت نے کہا۔ ''میں تو جب بھی انھیں دیکھتا ہوں حیران رہ جاتا ہوں۔ آپ کو بھلا کون سی چیز جوان رکھے ہوئے ہے؟''
''میرے بچے، مجھے نہیں معلوم، مگر مَیں ایسا ہی ہوں۔''
''کیا کبھی آپ کو بڑھاپا آنے کا خوف لاحق نہیں ہوا؟''
''نہیں، میرے بچے، مَیں کبھی ہراساں نہیں ہوا اور نہ ہی کبھی میرے دل میں بڑھاپے کا خوف پیدا ہوتا ہے۔''
''اچھا تو پھر مجھے وہ کہاں سے مل گیا؟ اماں کے دل میں وہ چیز کبھی پیدا نہیں ہوئی جو میرے دل میں ہے۔''
''تم ایک فن کار ہو اور اس قسم کے لوگوں کو ایسی باتوں کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے، لیکن مَیں ایک عام انسان ہوں۔''
''ہاں، کاش میں بھی ایسا ہی ہوتا۔ کاش میرا جسم بھاری اور کندھے چوڑے ہوتے۔ مَیں جب بھی آپ کو دیکھتا ہوں مجھے بڑا رشک آتا ہے۔''
''ارے لت، تم ٹھیک ہو،'' ایلی بولی۔
''لت، اگر تم میری طرح ہوتے تو اپنی بیوی کی دل کشی کا باعث نہ بنتے،'' بوڑھے نے لت کا دفاع کرتے ہوئے اپنے خلاف بات کی۔
''کون جانتا ہے، پیارے ابا جی۔''
''بچے، گھر کی صورت کیسی ہے؟''
''ویسی ہی جیسی ہمیشہ سے ہے۔''
''تمھاری ماں کی صحت ٹھیک ہے؟''
''جسمانی طور پر بالکل ٹھیک ہیں اور جذباتی طور پر وہ شدید دباؤ کے نیچے ہیں کیوں کہ

مَیں نے شادی کر لی ہے۔''

''ستاین کے ساتھ اس کے تعلقات کیسے ہیں؟''

''وہ آپس میں لڑائی جھگڑا کرتے رہتے ہیں۔''

''ہاں، تمھاری ماں... '' پاؤس کچھ کہتے کہتے بولا،'' ایلی، ذرا چٹنی لو۔ نہیں، لت، لا مجھے دے، مَیں بوتل کھول دیتا ہوں۔ ہاں تو، تمھاری ماں ہمیشہ سے جھگڑا لو رہی ہے۔ بہت افسوس ہے، وہ ایسی ہی ہے۔ فوراً ہی بھڑک اُٹھنا اور گالیوں پر اُتر آنا... یہ مَیں ابھی تک نہیں بھولا ورنہ وہ بہت پیاری اور خوب صورت ہے۔''

''تب تو ماں کی بری عادات میں مَیں ان سے ملتا جلتا ہوں؟''

''نہیں، ایسا نہیں ہے بلکہ خود پسندی میں تم دونوں ایک سے ہو۔''

''ابا جی، کاش مَیں آپ سے مشابہ ہوتا؟''

''لت، تم ایسے ہی فضول باتیں کر رہے ہو... کیا تم اور چٹنی لوگی، ایلی... یقیناً اور تب ہم دیکھیں گے مرغی کا گوشت کیسا ہے۔ اس طرح نہیں، لت، مجھے پکڑا، مَیں تمھیں دیتا ہوں... تم نے شادی بھی بڑی خاموشی سے کی ہے اور گرجے میں بھی نہیں کی۔''

''جی نہیں۔''

''کوئی استقبالیہ نہیں... ؟''

''جی نہیں۔ ہم نے کوئی دعوت نہیں کی کیوں کہ ایلی کی بہت ہی کم سہیلیاں اور میرے بھی ہالینڈ میں کوئی خاص دوست نہیں۔ ہم ڈن ہاخ میں دوسرے لوگوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں اس لیے میرے اٹلی میں ڈن ہاخ کی نسبت زیادہ جان پہچان والے لوگ ہیں۔ قریباً سارا خاندان ہی الگ تھلگ رہتا ہے۔ صرف دے ہر برخ ہی دوسروں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی اور کسی سے تعلق نہیں رکھتا۔ جو بہت بوڑھے ہو چکے ہیں انھیں تو خیر جانے دیجیے، ہاں، نانی ماں، دادا تکمہ اور بوڑھا ڈاکٹر رولفس آپس میں میل جول رکھتے ہیں۔ ماموں آنتون تو بالکل ہی دوسروں سے الگ رہتے ہیں۔ ماموں ہیرلڈ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں۔''

''ہاں، وہ مجھ سے عمر میں چند سال بڑے ہیں، لیکن وہ بیمار رہتے ہیں۔''

''جی ہاں، وہ ہیں ہی عجیب قسم کے وہ ہمیشہ سے ہی ایسے رہے ہیں۔ خاموش، افسردہ خاطر، لیکن بحیثیت انسان وہ بہت اچھے ہیں۔''

''ہم گھر پر کیا والدہ صاحبہ اور ستاین کے ساتھ خوشی منا سکتے تھے؟''

''تم خالہ ستیفانی کو بھول رہے ہو۔ ان سے تو ورثہ ملنا ہے۔ آنتون سے بھی، مگر ستیفانی کی مالی حالت بہتر ہے۔''

''لت تو ورثے میں کوئی دل چسپی نہیں رکھتا،'' ایلی بولی۔

''تب تو تم پر کوئی مالی بوجھ بھی نہیں پڑا،'' بوڑھا پاؤس بولا۔ ''اچھا پھر دعوتوں وغیرہ کی کوئی ضرورت نہیں۔ واقف کار تو ہم سب کے ہی کم ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ دوسرے انڈونیشین خاندانوں کے گرد بہت جمگھٹا رہتا ہے۔''

''مجھے پتا نہیں۔ ہمارے گرد تو جان پہچان والوں کا کوئی اِزدحام نہیں۔''

''نہیں؟ ہمارے گرد کافی شور شرابا رہا ہے جس کی وجہ امی ہوئی ہیں اور اس وجہ سے انھوں نے جان پہچان والے بھی کھو دیے ہیں۔''

''ہاں، اس کا کردار اچھا نہ تھا۔ وہ تین مردوں سے شادی کر چکی ہے میں کیا کہوں، مَیں اپنی حالت پر مطمئن ہوں، لیکن ہمارے خاندان کی زیادہ عزت اور تکریم نہیں اور خاندان کے لوگوں نے بھی اس بارے میں کوئی خاص سوچ بچار نہیں کیا۔''

''دراصل اس کی ابتداء نانی اماں سے ہوئی تھی۔ وہ بالکل آزادانہ زندگی بسر کیا کرتی تھیں۔''

''مَیں نے ان کے متعلق بہت سی افواہیں سنی ہیں۔''

''مَیں نے بھی بہت افسانے سنے ہیں، لیکن وہ اُڑتے اُڑتے نہ تھے۔ کہتے ہیں نانی بڑے ناز نخرے والی عورت تھی اور جاوا میں شہوت پرستی کے سمندر کی شناور کے طور پر مشہور تھی۔''

''کہا جاتا ہے کہ اماں... مجھے پتا نہیں، مگر ممکن ہے... تم دونوں کی صورت بھائی بہن

کی طرح ملتی جلتی ہے۔''

'' زیادہ سے زیادہ ہم ماموں او پھُپھی کے بچے ہو سکتے ہیں،'' ایلی نے کہا۔'' ہاں، یہ نانی اماں سے ہی شروع ہوا ہے۔ اس کے متعلق بہت سی افواہیں پھیلی تھیں، مگر اب وہ لوگ بہت بوڑھے ہو چکے ہیں اور ان کے ہم عمر مر چکے ہیں اور چیزیں گزرتی گئیں۔''

'' اتنی پرانی باتوں کو بھلا کون کریدتا ہے؟''

'' نانی اماں کے عاشق؟''

'' اور ڈاکٹر صاحب؟''

'' کہتے ہیں ایلی کا دادا...''

'' وہ تو اب بوڑھے ہیں۔''

'' ہاں، مگر کبھی وہ بھی جوان تھے۔''

'' اور کبھی ہم بھی بوڑھے ہو جائیں گے۔''

'' ہم تو ابھی سے بوڑھے ہو رہے ہیں،'' لت آہ بھر کو بولا۔

'' خاموش رہ لڑکے، پہلے ستر برس کا تو ہو لے۔ ابھی کافی وقت پڑا ہے۔ ہاں، دادی دے لادرس، دادی دیریکس۔ پچاس برس قبل انڈنیشیا میں رہتے ہوئے مجھے ان کی کوئی بات یاد نہیں ہے۔''

'' اوخدایا، اتنا لمبا وقت،'' لت تھرتھراتے ہوئے بولا۔

'' اگر خوف لاحق ہو رہا ہے تو شراب کا ایک گلاس اور پی لے۔ ہاں، پچاس سال ہوئے اور اس وقت میری عمر بیس برس تھی اور نانی کی عمر چالیس برس ہوگی، مگر وہ تب بھی نہایت خوب صورت عورت تھی۔ وہ نوجوانی میں ہی پہلے خاوند کے فوت ہونے کی وجہ سے بیوہ ہوگئی تھی اور اس کے بعد دیریکس ڈوب کر مر گیا اور جب تمھاری والدہ پیدا ہوئی تو اس کی عمر چھتیس برس تھی۔''

'' ہائے کتنا عرصہ گزر چکا ہے،'' لت بولا۔'' اتنا لمبا عرصہ کہ اس پر غور کرنے سے سر چکرا جاتا ہے۔''

''اب ساٹھ برس گزر چکے ہیں،'' پاؤس بولا۔'' اس وقت میں بچہ تھا۔ میری عمر دس سال ہوگئی ابھی تک مَیں وہ واقعہ نہیں بھولا۔ اس وقت مَیں اپنے والدین کے ساتھ سمارنگ[1] میں رہتا تھا جہاں میرے والد فوجی محاسب کے عہدے پر متعین تھے۔ میرے والدین دیریکس کو جانتے تھے اس لیے ان کے متعلق باتیں کیا کرتے تھے۔ مَیں اس وقت نوعمر بچہ تھا اس لیے اس واقعے کا مجھ پر گہرا اثر ہوا۔ اس کے متعلق بہت سوال اُٹھے کہ نعش نکلوا کر دوبارہ معائنہ کروایا جائے، لیکن اسے دفن کیے کئی مہینے گزر چکے تھے اس لیے ایسا نہ کیا گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی ملکی باشندے نے عورت کی وجہ سے طیش میں آ کر انھیں جان سے مار ڈالا تھا، لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس روز تکمہ بھی وہاں آئے ہوئے تھے اور نانی... ہم اس کے متعلق بات کیوں کریں؟ تم لوگوں کے ساتھ اس کا کوئی خاص تعلق نہیں۔''

ایلی حواس باختہ تھی اور اس کا رنگ زرد پڑا ہوا تھا۔ بوڑھے پاؤس نے پوچھا،'' بچی کیا بات ہے؟ لت بھی لرز رہا ہے حالانکہ اس واقعے کو عرصہ گزر چکا ہے۔''

''تو کیا آپ کہنا چاہتے ہیں وہ بوڑھے کوئی بات چھپا رہے تھے۔''

''گمان تو یہی ہے،'' پاؤس نے جواب دیا۔'' اچھا چھوڑو ان باتوں کو، آؤ، ہم تھوڑی اور شمپئین پئیں اور اس پر مزید بات نہ کریں۔ وہ خود ان باتوں کو بھول چکے ہوں گے۔''

''ہاں، جب انسان اتنا بوڑھا ہو جائے تو بھول ہی جاتا ہے۔''

''تو کیا بوڑھا ہونے پر انسان کا دماغ اور حافظہ ساتھ چھوڑ دیتا ہے؟'' لت نے پوچھا۔

''تو کل تم پیرس جاؤ گے؟''

''جی ہاں۔''

''کیا خالہ تھیریس سے بھی ملو گے؟''

''جی ہاں، میرا خیال تو ہے،'' ایلی نے جواب دیا۔'' ہم صرف آوارہ گردی ہی نہیں کریں گے۔؟

---

[1] سمارنگ: (Semarang)، انڈونیشیا کے ایک جزیرے، جاوا، کے شمال میں واقع ایک علاقہ۔

"اس کے بعد؟"

"ہم نیس جائیں گے۔"

"اوتیلی سے بھی ملو گے۔"

"بالکل،" لت بولا۔

"ٹھیک ہے، تو بھلا کیسے ہمارے خاندان کا حلقۂ احباب اچھے لوگوں پر مشتمل ہو سکتا ہے؟ اوتیلی مجھ سے خط و کتابت رکھتی ہے۔ وہ کسی اٹالین کے ساتھ رہتی ہے۔ کیا تم سمجھ سکتے ہو کہ وہ شادی کیوں نہیں کرتے۔ میرے لیے تو یہ ایک معما بنا ہوا ہے؟"

"انھیں شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے،" لت بولا۔

"لت، ذرا غور تو کر، ہم نے بھی تو شادی کی ہے نا،" ایلی بولی۔

"ہم اوتیلی سے زیادہ رسم ورواج کے پابند ہیں اور میں ہمیشہ سے ہی ان باتوں کا اوتیلی سے زیادہ پابند رہا ہوں۔ میں تجھے یہ کہنے کی ہرگز جرأت نہیں کرسکتا تھا کہ تو میرے ساتھ بغیر شادی کے رہے۔ اوتیلی میں مجھ سے زیادہ ہمت پائی جاتی ہے۔"

"وہ بہت ہمت والی اور نہایت ہی خوب صورت لڑکی ہے،" پاؤس بولا۔

"وہ تو آپ کی طرح ہے۔"

"ہاں خوب صورتی میں۔" پاؤس نے مذاقاً جواب دیا۔ "ایلی کچھ اور کلیجی لے، لیکن وہ شادی کیوں نہیں کرنا چاہتے؟ ان کا شادی نہ کرنا میرے لیے ایک معما ہی بنا رہے گا۔ آخر ہم سبھوں نے بھی تو شادی کی ہے۔"

"لیکن کیسے؟" لت بولا۔

"میں یہ کہے بنا نہیں رہ سکتا، لت، کہ تم نے اپنی شادی کے روز رسم و رواج کی اچھی طرح پابندی نہیں کی۔"

"اوتیلی نے اپنے اِردگرد بہت ناکام شادیاں دیکھی ہیں۔"

"وہ بھی ایسا ہی لکھتی ہے، مگر میرے نزدیک یہ کوئی وجہ نہیں... ایسی باتوں کی پروا کیے

بغیر لوگ شادیاں کرتے رہتے ہیں۔ لوگ بلدیہ اور گرجے میں شادی کرتے ہیں۔ تمہارا گرجے میں شادی نہ کرنا بھی مجھے پسند نہیں۔''

'' اباجی، آپ کے نزدیک تو اس کی کوئی وقعت نہیں کہ کوئی پادری شادی کروائے اور دعا کرے یا نہ کرے۔''

''مَیں اسے کوئی وقعت نہیں دیتا، مگر پھر بھی ایسا کیا جاتا ہے۔ یہ ایسی باتیں ہیں جو انسان انسانوں میں رہنے کی وجہ سے کرتا ہے۔''

'' لیکن تمام رسم ورواج اور معاشرتی طور طریقے تبدیل ہو رہے ہیں۔''

'' تم اس کے متعلق بحث کر سکتے ہو، مگر میرا عقیدہ ہے کہ انسان کو رسم ورواج کے مطابق شادی کرنی چاہیے۔ بلدیہ میں بھی اور گرجے میں بھی۔ ہاں، تم گرجے میں شادی نہیں کرتے اور اوتیلی بالکل ہی شادی نہیں کرتی۔ کیا مجھے اسے جدیدیت کے نام پر قبول کرلینا چاہیے؟ میرے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں۔ یہ بہت افسوس کی بات ہے۔ اب تو وہ ایک بڑی آرٹسٹ ہے اس لیے وہ عام شہری عورتوں کے خلاف کام کرسکتی ہے۔ مگر جب بھی وہ ہمارے معاشرے میں واپس آئے گی تو اس کے لیے زندگی آسان نہ ہوگی۔ بھلا اس قسم کے افراد پر مشتمل خاندان کے اِردگرد اچھے جان پہچان والوں کا حلقہ کیسے بن سکتا ہے؟''

'' یہ بات اطمینان بخش ہے کہ ہم ایسا حلقہ بنانے کے نہیں۔ میرے اچھے جاننے والے تو اٹلی میں ہیں۔''

'' بچو، شاید تم درست کہتے ہو۔ ہوسکتا ہے کہ اوتیلی کا بالکل ہی شادی نہ کرنا اور تمہارا صرف بلدیہ میں شادی کرنا ٹھیک ہو۔''

ایلی نے جواب دیا: '' بہرصورت اگرچہ ہم نے کوئی دعوت نہیں دی پھر بھی ہمارا عشائیہ بہت بارونق ہے۔''

'' اور بہت ہی لاجواب قسم کا،'' لت بولا۔'' ایلی یہ کیک بہت ہی مزے دار ہے۔''

'' ہاں، ہمیں پرانی باتوں کو کریدنا نہیں چاہیے تھا،'' بوڑھے نے کہا۔'' اس سے تو لت پر

لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ دیکھو تو بچے کس طرح کیک ہڑپ کر رہے ہیں۔تم بالکل اپنی ماں کی طرح کھاتے ہو، ہاں، بچوں کی طرح۔''

''ہاں ،بعض اوقات مَیں ایک بچے کی طرح ہوتا ہوں،لیکن پھر بھی امی کی طرح نہیں۔''

''کیا وہ انگلینڈ جائے گی؟''

''انھوں نے مجھ سے وعدہ تو کیا تھا کہ وہ نہیں جائیں گی،لیکن ایسا وعدہ زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ہم دیر تک سفر میں رہیں گے اور ساری سردیاں اٹلی میں ہی گزاریں گے۔ ہاں، ایک بات ضرور مطمئن کرنی والی ہے اور وہ یہ کہ ان کے پاس پیسے نہیں اور میں نے آنے سے پہلے بینک والوں کو کہا تھا کہ اگر وہ قرض لینے آئیں تو ٹال مٹول کر کے رخصت کر دیا جائے۔''

''لیکن وہ جیسے پہلے لیتی تھی اب بھی لے لے گی۔''

''مگر بینک والوں نے اس معاملے میں میری مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا کہ والدہ صاحبہ کو کوئی رقم نہیں دیں گے۔''

''لیکن وہ پھر بھی حاصل کر ہی لے گی۔''

''کس سے؟''

''مجھے اس کا علم نہیں،لیکن وہ پھر بھی حاصل کر لے گی۔ وہ ہمیشہ ہی لے لیتی ہے، پتا نہیں کیسے؟''

''ابا جی،آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

''ہاں بچے ،خواہ تم ناراض ہومَیں تو اپنے تجربے کی بنا پر کہہ رہا ہوں۔ مجھے کئی بار تمھاری والدہ کے متعلق روپے پیسے کے بارے میں مشاہدہ کرنے کا موقعہ ملتا رہاہے۔اس کے پاس کوئی پیسہ نہ ہوتا تھا،مگر کچھ دیر بعد رقم موجود ہو جاتی تھی۔''

''امی جان حساب کتاب کے معاملے میں ذرا بے پروا ہیں اس لیے انھیں الماری میں رکھے پیسے مل جاتے ہوں گے۔''

''ہاں، میں اس بات کو جانتا ہوں۔ پہلے بھی انھیں اپنی الماری میں رکھے پیسے مل جایا

کرتے تھے اور خوشی کی بات یہ ہے کہ اب بھی انھیں مل جاتے ہیں۔ اگر ملعون تریویلی درمیان مین نہ آتا تو روپے پیسے کی وجہ سے ہم کبھی جداہ ہوتے۔ اگر وہ کسی کو پسند کر لیتی تھی تو... آؤ، ہم اس کے متعلق زیادہ باتیں نہ کریں۔ دیکھو، تم اس پرانی تصویر کو جانتے ہو۔ اس وقت وہ اس طرح نظر آتی تھی جیسی یہاں تصویر میں ہے۔ مَیں اسے ابھی تک نہیں بھولا اور نہ ہی کسی اور سے محبت کر سکا ہوں۔ اب تو مَیں بوڑھا فرتوت ہو چکا ہوں، بچو، میرے پیارے بچو، مگر میرا خیال ہے کہ مَیں ابھی تک اس سے محبت کرتا ہوں۔ بعض اوقات تو مَیں خیال کرتا ہوں کہ اب کچھ بھی باقی نہیں اور سب کچھ گزر چکا ہے، لیکن پھر بھی مجھے بڑھاپے کے باوجود اس بات سے بے حد تکلیف ہوتی ہے اور میری طبیعت خراب ہونے لگتی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ مَیں ابھی تک اس سے محبت رکھتا ہوں۔ اگر تمھاری ماں کا اخلاق اور مزاج اور طرح کا ہوتا اور اس کی تریویلی سے ملاقات نہ ہوتی تو... لیکن کئی اور بھی "اگر" ہیں۔ اگر تریویلی سے ملاقات نہیں ہوتی تو ستاین سے ہوجاتی۔ اس کی ملاقات بہر حال کسی اور سے ہوجانی تھی۔ ایلی، کچھ اور کافی لے لو۔ آؤ، ہم آرام سے کسی اور موضوع پر گفتگو کریں اور پرانی باتوں کا ذکر نہ کریں۔ آیندہ کے پروگرام اور اٹلی کے متعلق ایک دوسرے کو اپنی تجاویز بتائیں۔ ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی، فی الحال صرف ساڑھے دس بجے ہیں۔ ہاں، ٹھیک ہے، تم نے ابھی ابھی شادی کی ہے۔ اچھا تو میں تمھیں ہوٹل چھوڑ آتا ہوں۔ پیدل چلتے ہیں، ہوٹل زیادہ دور نہیں۔ تمہارا بوڑھا باپ ہوٹل کے دروازے پر تمھیں بوسہ دے کر، شب بخیر کہہ کر اور دعا دے کر واپس آجائے گا۔"

۱۳

وہ چند روز سے پیرس میں مقیم تھے۔ ایلی پہلی مرتبہ وہاں گئی تھی اس لیے وہ لوفر[۱]، کلونی[۲] اور بازاروں میں لوگوں کی چہل پہل اور کافی گھروں اور تھیٹروں وغیرہ سے ازحد لطف اندوز ہوئی تھی اور اس وجہ سے وہ خالہ تھیریس سے ملنا بھی تقریباً بھول چکے تھے۔

''یہی بہتر ہوگا کہ ہم وہاں جائیں ہی نہ،'' ایک صبح جب وہ بڑے بازار میں سیر کر رہے تھے لت اچانک بلند آواز سے ایلی کو پکار کر بولا۔ ''ممکن ہے وہ ہمیں پہچانتی بھی نہ ہوں۔''

ایلی نے اسے اپنی دیانتدارانہ روح کے خلاف سمجھا اور کہنے لگی، ''جب ہم نے منگنی کی تھی تو ان کی طرف سے مجھے محبت بھرا خط بمع تحفے کے ملا تھا۔ لت، وہ خوب جانتی ہیں کہ ہم کون ہیں۔''

''مگر انھیں یہ علم تو نہیں کہ ہم پیرس آئے ہوئے ہیں لہٰذا ہم وہاں نہیں جاتے۔''

''خالہ تھیریس کو مَیں نے برسوں سے نہیں دیکھا، مگر ابھی تک ان کی یاد باقی ہے۔ جب ماں جی کی آخری شادی ہوئی تھی تو مَیں اٹھارہ برس کا تھا اور خالہ تھیریس اس وقت اڑتالیس برس کی تھیں۔ وہ نہایت ہی خوب صورت نظر آتی تھیں۔ وہ ماں جی کی نسبت نانی اماں سے زیادہ ملتی جلتی ہیں۔ ان میں بھی حاکمانہ اور رعب ڈالنے والی روح پائی جاتی ہے جو نانی کی پُرانی تصویروں میں دیکھی جا سکتی ہے جیسے وہ اب بھی تخت کی مانند کرسی پر بیٹھی دکھائی دیتی ہیں اور مجھ پر اس کا گہرا اثر ہوتا ہے۔''

''خالہ تھیریس بہت دبلی پتلی، خوب صورت، شوقین مزاج اور پُرسکون اور مطمئن شخصیت رکھتی تھیں اور اس کے ساتھ شان دار مسکراہٹ بھی۔''

۱۔ لوفر: (louvre)، پیرس کا قومی عجائب گھر جو ۱۵۴۶ء میں ایک محل کے طور پر تعمیر کیا گیا تھا اور ۱۷۹۳ء کو عوام کے لیے بطور عجائب گھر کھول دیا گیا۔

۲۔ کلونی: (Cluny)، وسط مشرقی فرانس کا ایک شہر جو ۹۱۰ء سے عیسائیت کا ایک اہم مقام خیال کیا جاتا ہے۔

'' گیوکنڈا[1] کی طرح کی مسکراہٹ؟'' ایلی بولی۔

'' ہاں گیوکنڈا کی سی مسکراہٹ،'' لت نے مسکراتے ہوئے جواب دیا وہ اپنی بیوی کے پیرس میں اس قدر لطف اندوز ہونے پر بہت خوش تھا۔

'' ایلی، ذرا سنو تو۔ جب ہم فان مِلو کے بنائے ہوئے مجسمے، '' وینس[2] ''، کے سامنے کھڑے تھے تو تم بہت لطف اندوز ہو رہی تھیں اس لیے میں نے تمھاری محویت میں مخل ہونا مناسب نہ سمجھا اور یہ نہ بتا سکا کہ اب جو میں نے اسے کئی برس بعد دیکھا ہے تو اس کا پرانا اثر زائل ہو گیا ہے۔ ذرا تصور تو کرو....''

'' کیا بات ہے، لت؟''

'' اب مَیں نے دیکھا کہ وہ بوڑھی ہوگئی ہے۔ تمھیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ بوڑھی ہو چکی ہے۔''

'' کیا بے جان چیزیں بھی بوڑھی ہوتی ہیں؟'' ایلی نے دریافت کیا۔

'' عرصہ ہوا مَیں نے اسے دیکھا تھا۔ اس وقت وہ پرسکون اور باوقار اور باقرار، صاف ستھری اور پُرحشمت تھی، مگر اب میرے نزدیک وہ اپنا رعب کھو چکی ہے اور غریبانہ لنگڑی اور میلی سی ہوگئی ہے اور اس کے پیچھے والا سرخ رنگ کا مخملی پردہ بھی پہلے کی طرح شوخ نہیں رہا۔ اس سے مجھے صدمہ پہنچا ہے اور مَیں غمگین ہو گیا ہوں۔ اب مَیں عقل سے کام لیتے ہوئے کہتا ہوں کہ مخمل کا نیا پردہ لگنا چاہیے تاکہ اسے پہلے کی طرح باوقار اور برف کی مانند سفید دیکھ کر میرا مزاج درست ہو۔ مگر وہ یقیناً بوڑھی ہو چکی ہے اور اس سے میرے دل کو ایسا دھچکا پہنچا ہے کہ اس کا اثر گھنٹے بھر تک باقی رہا ہے، مگر اسے مَیں نے تم پر ظاہر نہیں ہونے دیا۔ علاوہ ازیں سارا پیرس ہی بوڑھا ہو چکا ہے۔ اُف! نہایت گندہ، بالکل پرانی طرز کے چھوٹے چھوٹے مکانوں کا مجموعہ جو ایک دوسرے کے اوپر نیچے بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور یہ آج سے پندرہ سال قبل کی بہ نسبت بہت زیادہ پرانا دکھائی دیتا ہے۔ ذرا اوپر کی سڑک پر اس کاغذی مرغی کو تو دیکھو۔

[1] گیوکنڈا: (Gio Conda)، شہرہ آفاق پینٹنگ، '' مونالیزا''، کو فرانسیسی میں گیوکنڈا بھی کہتے ہیں۔
[2] وینس: (Venus)، یونانی اساطیر میں محبت کی دیوی۔

عجیب بات یہ ہے کہ یہ مرغی، جو اس اشتہار میں گھی میں تلی جارہی ہے، اس میں یہ پندرہ سال سے اسی طرح گھوم رہی ہے۔ کل مجھے تھیٹر فرانسیز میں قے آنے لگی تھی جیسا کہ آج فان مِلو کے ''وینس'' کے پاس گزرتے ہوئے۔ تھیٹر فرانسیز بہت پرانا ہو چکا ہے، اتنا پرانا کہ میں نے چیختے ہوئے خود سے پوچھا، کیا یہ ہمیشہ سے ایسا ہی تھا یا مَیں خود بڑا ہونے کی وجہ سے اسے بوڑھا اور پرانا تصور کر رہا ہوں؟

''ہاں تو پھر خالہ تھیریس؟''

''اچھا، تم انھیں ملنا چاہتی ہو۔ چھوڑو، ہم وہاں نہیں جاتے کیوں کہ وہ بوڑھی ہو چکی ہیں اور ہمارے وہاں جانے سے بھلا انھیں کیا فائدہ ہوگا! ابھی ہم کم عمر ہیں، مَیں بھی اور تم بھی ... کہیں تم اپنے جلد ٹیش میں آجانے والے خاوند کو بوڑھا تو نہیں سمجھ رہیں؟ یقین کرو اٹلی میں ہم صحیح معنوں میں لطف اٹھائیں گے۔''

''مگر وہاں تو سب کچھ اور بھی پُرانا ہوگا۔''

''یہ درست ہے، مگر وہ اور زیادہ پرانا نہیں ہوگا، کیوں کہ یہ سب کچھ پہلے ہو چکا ہے اور اس کا تعلق ماضی سے ہے۔ اٹلی کا ظاہر و باطن ماضی ہی ہے اس لیے وہ اس قدر پرسکون نظر آتا ہے۔''

''لیکن یقینی طور پر وہ ملک جوان اور تازہ ہے، جدید زندگی پروان چڑھ رہی ہے۔''

''مجھے اس کی پروا نہیں۔ مَیں تو صرف ماضی کو دیکھتا ہوں جو بہت خوب صورت ہے اور پرسکون طریقے سے خاموش ہے۔ وہ مجھے غم زدہ نہیں کرتا۔ مجھے غمگین کرنے والے تو صرف بوڑھے لوگ ہیں اور پرانی چیزیں جو ابھی زندہ ہیں اور اتنی پرانی ہیں کہ بہت آہستہ آہستہ ہم سے آگے آگے رینگ رہی ہیں۔ اٹلی میں جو مردہ بھی پڑا ہوا ہے وہ بہت شان دار ہے۔ وہ مجھے افسردہ کرنے کی بجائے سکون بخشتا ہے اور میری ستائش کے لائق ہے، وہ پہلے زندگی کی روح سے پورم پور لبریز تھا۔ پیرس مجھے پژمردہ کرتا ہے کیوں کہ یہ شہر فرانس کی طرح مرتا جارہا ہے۔ روم کو دیکھنے سے مجھے خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اس شہر میں مَیں خود کو جوان اور زندہ پاتا ہوں اور

اس سے مجھے خوشی ہوتی ہے، بے انتہا خوشی اور اسی دوران میں نیست و فنا کی پُرسکون خوشی سے سرشار ہوتا جاتا ہوں۔''

''اچھا تو یہ تمھارا دوسرا مضمون ہوگا۔''

''تم بہت شریر ہو۔ اگر تم میرے خیالات کی وجہ سے مجھ پر مضمون نگاری کا الزام دھرتی ہو تو مَیں اپنا مُنھ بند رکھوں گا۔''

''غصہ کرنے کی ضرورت نہیں، اچھا تو خالہ تھیریس کے ہاں کب جائیں گے؟''

''ہم نہیں جائیں گے۔ بہرصورت شیطان کا نام لیں تو وہ حاضر، خدا کی پناہ پیرس بھی کتنا چھوٹا ہے، ایک گاؤں کی طرح۔''

''کیوں، کیا بات ہے، لت؟''

''دیکھو، تھیو آرہا ہے، تھیوفان درستف۔''

''تھیو! خالہ تھیریس کا لڑکا؟''

''ہاں۔ ہیلو، تھیو۔ کہو بھئی کیا حال ہے؟ کتنی عجیب بات ہے کہ ہماری تم سے ملاقات ہوئی ہے۔''

''مجھے بالکل علم نہیں تھا کہ آپ لوگ پیرس میں ہیں۔ آپ لوگ ہنی مون منا رہے ہیں؟''

وہ چھوٹے قد کا فربہ اندام مرد تھا جو چالیس سے زیادہ کا تھا۔ اس کا چہرہ بھرا ہوا اور اس میں اس کی چھوٹی چھوٹی چمک دار آنکھیں ایلی کی طرف تاڑ لگائے دیکھ رہی تھیں۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا یہ کون ہے جو اتنی نوعمر ہے اور جس کی ابھی ابھی شادی ہوئی ہے۔ دکھائی دے رہا تھا وہ انھیں ابھی کسی اچھے سے ریسٹورنٹ میں کھانے کی دعوت دے گا اور پھر بعد میں کہیں اور جانے کی۔ چوں کہ وہ عرصے سے بیرونِ ملک رہ رہا تھا اس لیے اس کی زبان، کپڑوں اور اشاروں میں کچھ تبدیلی آچکی تھی جس نے اس کے طبعی ڈچ طرزِ تکلم اور رکھ رکھاؤ کو بہت مدھم کر رکھا تھا، مگر عجیب بھدے پن سے۔ وہ ابھی تک ایک چھوٹے سے ہاتھی کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ اس کے کان ساٹیر[1] کی طرح

---

[1] ساٹیر: (Satyr)، یونانی اساطیر میں، بکرے کے سر اور آدمی کے جسم والا، ایک دیوتا جو کنواریوں کا دل دادہ ہے۔

کے تھے اور اس کی آنکھیں خوب چمک رہی تھیں اور اس کے ہونٹ مسکراتے وقت ذرا پھول جاتے تھے گویا ان میں انڈوینیشین خون ملا ہوا ہے اور ان کے درمیان سفید دانت جگمگا رہے تھے۔ اس کے سامنے سے کوئی عورت گزر جاتی تو اس کی آنکھیں اسے ننگا کر کے رکھ دیتیں اور وہ کچھ دیر تک صرف اسی کے خیالوں میں گم ہو جاتا تھا۔

''تھیو، ہم ابھی ابھی تمھاری والدہ کے متعلق بات کر رہے تھے،'' لت بولا اور اس نے ایک دفعہ پھر کہا کتنی عجیب بات ہے کہ ہماری تم سے ملاقات ہوئی ہے۔''

''مَیں ہر روز صبح کے وقت اس سڑک پر گھومنے آتا ہوں اس لیے یہ قدرتی بات ہے کہ ہماری یہاں ملاقات ہوگئی۔ مجھے بڑی خوشی ہے کہ آپ کو شادی کی مبارک باد دینے کا موقعہ مل گیا اور رہیں والدہ صاحبہ، میرا خیال ہے وہ ٹھیک ٹھاک ہی ہوں گی۔''

''تو کیا تم نے انھیں عرصے سے نہیں دیکھا؟''

''ہاں، مَیں نے انھیں ہفتے بھر سے نہیں دیکھا۔ کیا تم ان کی طرف جا رہے ہو؟ تو پھر مَیں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ کیا بعد میں ہم کسی جگہ اکٹھے دوپہر کا کھانا کھا سکتے ہیں؟ کہیں مَیں مخل تو نہیں ہوا۔ اگر نہیں تو آئیں اور میرے ساتھ کھانا کھائیں۔ لیکن کسی بڑے ہوٹل میں نہیں کیوں کہ اس قسم کے ہوٹل کو ہر کوئی جانتا ہے۔ مَیں تمھیں ایک چھوٹی جگہ لے جاؤں گا جو بہت اچھی ہے وہ ایسی اچھی جگہ ہے گویا جنت سے نازل ہوئی ہو۔'' اور اس نے اپنی انگلیوں کی پوروں کو مُنھ سے لگایا، یہ بتانے کے لیے کہ وہ جگہ چومنے کے لائق ہے۔'' اگر آپ ابھی ماں کی طرف جانا چاہتے ہیں تو ہم یہاں سے بگھی لے لیتے ہیں کیوں کہ وہ بہت دور رہتی ہیں۔''

اس نے ایک بگھی بان کو ٹھہرا کر اسے پتا بتایا اور کہا: '' روئے مادام[1] چلو۔''

اس نے پہلے ایلی کو بگھی میں سوار کرایا، پھر لت کو اور خود ایک چھوٹی نشست پر بیٹھنے کا اصرار کیا جیسا کہ قابلِ فخر مہمان نواز کا شیوہ ہوتا ہے۔ اس نے ایک پاؤں بگھی کے پائیدان پر رکھ کر ڈن ہاخ میں لوگوں کے باہمی تعلقات کے متعلق لاابالیانہ طور پر دریافت کرنا شروع کر دیا

---

[1] روئے مادام: (Rue Madame)، سڑک کا نام۔

اور پھر بعض ایسے لوگوں کے متعلق جن کو اس نے صرف ایک آدھ مرتبہ دیکھا ہوا تھا۔

روئے مادام پر بگھی لوہے کے جنگلے کے پاس ٹھہری جس کے پیچھے لکڑی کے تختے لگے ہوئے تھے تاکہ دیکھنے والوں کی نظریں اندر نہ پڑیں۔ تھیو کہنے لگا: ''یہی راہباؤں کا گھر ہے جہاں میری ماں رہتی ہے۔'' بگھی سے اُتر کر اُس نے گھنٹی بجائی۔ ایک راہبہ نے دروازہ کھولا اور انھیں اندر لے گئی اور بتایا کہ مادام فان درستف[1] گھر پر ہی ہیں۔ یہ گھر ''لوردس[2]'' کی پیاری کنواری کی طرف منسوب تھا۔ جہاں خالہ تھیریس چند دوسری بوڑھی پنشن یافتہ عورتوں کے ساتھ رہتی تھی۔ راہبہ انھیں ایک چھوٹے ہال میں لے گئی اور اس نے کھڑکیوں کے پردے کھول دیے۔ یہاں آتش دان پر قندیلوں کے درمیان کنواری مریم کا مجسمہ رکھا تھا اور چند کرسیاں پڑی تھیں جن پر غلاف چڑھے ہوئے تھے۔

تھیو نے پوچھا، ''کیا ناظمِ اعلیٰ گھر پر ہیں؟''

''جی ہاں، جناب۔''

''اگر مَیں ان کے کام میں خلل انداز نہ ہوں تو کیا آپ انھیں کہہ سکتی ہیں کہ مَیں ان سے ملاقات کے لیے حاضر ہوا ہوں۔''

''بہت اچھا جناب'' کہہ کر راہبہ چلی گئی اور تھیو نے ذرا آنکھ جھپک کر اشارہ کیا کہ وہ اس موقعے کو غنیمت خیال کر کے اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ دراصل اُسے ایسا بہت عرصہ قبل کرنا چاہیے تھا۔ ناظمِ اعلیٰ بہت عقل مند خاتون ہے اور اماں سے زیادہ سمجھ دار ہے۔

وہ انتظار کرنے لگے اور کمرے میں سخت سردی کی وجہ سے لت کانپ رہا تھا۔ اس نے کہا، ''مَیں تو یہاں کبھی بھی نہ رہوں۔''

''مَیں بھی ایسا نہیں کر سکتا۔''

ناظمِ اعلیٰ تشریف لائی۔ وہ ایک پستہ قد عورت تھی جو اپنے لباس کی تہوں میں قریباً گم

---

[1] فان درستف: تھیریس کا خاندانی نام۔

[2] لوردس: جنوبی فرانس کا ایک قصبہ جہاں ۱۸۵۸ء میں ایک دیہاتی لڑکی، برنادت کو مقدس مریم دکھائی دی تھی۔ اس وجہ سے وہاں ایک گرجا گھر تعمیر کیا گیا جہاں بے شمار عیسائی زائرین حاضری دیتے ہیں۔

ہوئی جا رہی تھی اور اس کے سر کو ڈھانپنے والے کپڑے کے نیچے اس کی سیاہ آنکھیں چمک رہی تھیں۔ ''آپ فان درستف صاحب ہیں؟'' اس نے پوچھا۔

''جی، خانم۔'' اور تھیو نے اس سے مصافحہ کیا۔ وہ نہایت ہی مودبانہ اور مہذبانہ فرانسیسی زبان میں کہنے لگا: ''مَیں عرصے سے آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے آنے کا ارادہ کر رہا تھا کیوں کہ آپ میری والدہ صاحبہ کی بہت اچھی طرح خبر گیری کرتی ہیں۔'' پھر اس نے مہمانوں کا تعارف کرواتے ہوئے کہا، ''یہ ہیں پاؤس صاحب اور بیگم پاؤس صاحبہ۔ میرے خالہ زاد بھائی اور بھاوجہ۔''

ناظم اعلیٰ نے ذرا جھک کر اور مسکراتے کہا، ''ان کی ابھی ابھی شادی ہوئی ہے نا۔''

لت کو تعجب ہوا کہ اسے پہلے سے اس کا علم ہے۔ ''ہم خالہ سے ملنے آئے ہیں اور آپ سے بھی۔'' اس نے ادب سے فقرے میں یہ ٹکڑا بڑھا دیا۔

''آپ لوگ تشریف رکھیں ۔ خانم فان درستف ابھی آتی ہیں۔''

''ماں جی کی صحت تو اچھی ہے نا،'' تھیو نے پوچھا۔ ''عرصہ ہوا مَیں نے انھیں نہیں دیکھا۔''

''جی ہاں، جناب، ان کی صحت بالکل ٹھیک ہے۔ ہم ان کا بہت خیال رکھتے ہیں۔''

''جی ہاں ، میں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''وہ خود اپنا خیال نہیں کرتیں۔ وہ مبالغے سے کام لیتی ہیں۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے اس قسم کا مطالبہ نہیں کرتا۔ جتنی عبادت خانم کرتی ہیں مَیں تو اس کا چوتھائی بھی نہیں کرتی ۔ میرے پاس تو اتنا وقت بھی نہیں ہوتا۔ خدائے برتر ایسا مطالبہ ہرگز نہیں کرتا کیوں کہ ہم نے اور بھی کام کرنے ہوتے ہیں۔ مَیں بیماروں کی تیمارداری کرتی ہوں اور یہ بھی بڑا کام ہے۔ سب راہبائیں باہر کام کے لیے چلی جاتی ہیں اس لیے مَیں خدمت اور نگہ داشت کا کام بھی کرتی ہوں۔''

''ہم ہر وقت نماز میں مشغول نہیں رہ سکتے ،'' تھیو مسکراتے ہوئے بولا۔ ''مگر اماں تو ایسا کر سکتی ہیں۔''

''خانم بہت زیادہ عبادت کرتی ہیں،'' ناظم اعلیٰ بولی۔

''اور وہ اپنے اندر اس کا بہت دلولہ رکھتی ہیں۔''

''وہ جس کام کو بھی کرتی ہیں بڑے عزم اور جوش سے کرتی ہیں،'' تھیو بولا اور تاڑ لگا کر سیدھا دیکھنے لگا۔

وہ بہت ہی عزم وہمت سے ہمارے مذہب کی ، جو ان کا نیا مذہب ہے، پابندی کرتی ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا وہ عبادت گاہ میں بے ہوش پائی گئی تھیں۔ جب روزے رکھنا فرض نہیں ہوتا تو ہم بتائے بغیر ان کے شوربے میں اور یخنی ڈال دیتے ہیں اور ان کی سبزی ترکاری پر بھی... دیکھو، وہ آرہی ہیں۔''

ایک نرس نے دروازہ کھولا اور خانم فان درستف عرف خالہ تھیریس اندر داخل ہوئی۔ لت کو ایسا محسوس ہوا جیسے نانی اماں تشریف لائی ہوں۔ یہ ذرا چھوٹی عمر کی تھی، مگر بوڑھی لگتی تھی۔ اس نے سیاہ رنگ کا لباس پہنا ہوا تھا جس میں وہ بہت شان دار دکھائی دیتی تھی۔ ان کا قد لانبا تھا اور وہ شاہانہ انداز سے چل رہی تھی۔ لت سوچنے لگا ہماری نانی اماں پر بھی ایسا زمانہ گزر چکا ہے۔ خالہ تھیریس کی سیاہ آنکھیں اس کے کریئول نسل سے تعلق کی غماز تھیں ۔ وہ نیم وا آنکھوں سے دیکھتی تھی گویا اس کے لیے دیکھنا دشوار ہے، مگر اس بوڑھے چہرے پر ابھی قدرتی مسکراہٹ باقی تھی جس کی وجہ سے اس پر غنودگی غلبہ نہ پاسکتی تھی۔

تھیو نے بوسہ دیا اور وہ فرانسیسی میں بولی:

'' آپ لوگوں کی بہت مہربانی ہے کہ مجھے ملنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ تشریف رکھیں۔ مَیں تو اب ہالینڈ نہیں جاتی۔ مگر بالعموم اپنے رشتہ داروں کو یاد کرتی رہتی ہوں۔'' وہ اپنے پتلے پتلے ہاتھوں کو گود میں باندھ کر بیٹھ گئی۔ اس کی انگلیاں نانی اماں کی انگلیوں کی طرح سلاخوں کی مانند پتلی تھیں اور اس کی آواز بھی نانی اماں کی آواز سے ملتی تھی۔ وہ سیاہ لباس میں بیٹھک کی سفید روشنی میں بیٹھی تھی جہاں بہت سردی تھی اور جو کچھ دیواروں پر لٹکا ہوا تھا وہ بھی بے رنگ ہی تھا۔ نانی اماں اور اس کی بیٹی میں حیران کن مشابہت پائی جاتی تھی۔ لڑکی ایسی دکھائی دیتی تھی کہ وہ خود ماں ہے اور ایسا لگتا تھا اس سفید بے رنگ روشنی میں گزرے ہوئے ماہ وسال واپس آگئے ہیں۔ یہ تعجب خیز نظارہ تھا۔

''ڈن ہاخ میں سب کا کیا حال ہے؟'' خالہ تھریس پوچھنے لگی۔
رشتہ داروں کے متعلق باتیں شروع ہوئیں تو ناظم اعلیٰ چند لمحوں کے بعد اُٹھ کھڑی ہوئی اور الوداع کہہ کر اور ملاقاتیوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے چل دیں۔

''اچھا ماموں ہیرلڈ کا کیا حال ہے؟ چارلس کی والدہ کا کیا حال ہے؟ مَیں ان کے لیے بہت دعا کرتی ہوں اور انھیں بہت یاد کرتی ہوں۔'' اس کی ڈچ زبان کریئول لب و لہجے کی وجہ سے خالص ڈچ زبان سے زیادہ نرم اور ملائم تھی۔ اس کی زبان کی نرمی و ملائمت نے لت اور ایلی کو بہت متاثر کیا۔ اس وقت تھیو سامنے ٹکٹکی لگائے بیٹھا تھا گویا اسے درد محسوس ہو رہا ہے۔ وہ اپنی ماں کی موجودگی میں خود کو دبا ہوا اور مجبور محسوس کرتا تھا۔

لت ہچکچاتے ہوئے بولا، ''خالہ، آپ کی بڑی مہربانی ہے آپ ہمیں نہیں بھولیں۔''

''مَیں تمھاری ماں کو بالکل نہیں بھول سکتی،'' خالہ تھیریس نے کہا۔ ''میری اس سے کبھی بھی ملاقات نہیں ہوئی۔ شاید مَیں اسے کبھی دیکھنے نہ پاؤں، مگر مجھے اس سے ازحد محبت ہے اس لیے مَیں اس کے لیے اکثر دعائیں کرتی رہتی ہوں۔ اسے اس کی بہت ضرورت ہے۔ ہم سبھوں کو اس کی سخت ضرورت ہے اور مَیں سب کے لیے دعاؤں میں مشغول رہتی ہوں۔ ہمارے خاندان کے تمام افراد دعاؤں کے محتاج ہیں۔ مَیں تمھاری والدہ، نانی اماں اور ایلی تمہارے لیے اور دادا تکمہ کے لیے بھی دعاؤں میں لگی رہتی ہوں۔ مَیں کئی برسوں سے، ہاں تیس برس سے، دعائیں کر رہی ہوں۔ خدا میری دعائیں ضرور سننے گا۔''

ایلی پر قدرے رقت سی طاری ہو رہی تھی اس لیے وہ کچھ نہ کہہ سکی۔ اس نے خالہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دبایا گویا کہ وہ ان کی ازحد شکرگزار ہے۔ خالہ نے ایلی کی ٹھوڑی پر ہاتھ رکھ کر اس کا منھ ذرا اوپر اٹھایا اور اسے غور سے دیکھنے کے بعد پھر لت کی طرف دیکھا اور دونوں میں مشابہت پائے جانے کی وجہ سے قدرے پریشان ہو گئی، مگر بولی کچھ نہیں۔ خالہ تھیریس جانتی تھی کہ وہ کبھی ہالینڈ نہ جا سکے گی اس لیے وہ اپنی بہن کو پھر کبھی نہ دیکھ سکے گی جس کہ متعلق اسے علم تھا کہ وہ تکمہ سے ہے۔ وہ نہ تو تکمہ کو دیکھے گی او نہ ہی اپنی ماں کو، یہ بات اس پر واضح تھی

اس لیے وہ ان بوڑھوں کے حق میں دعائیں کرتی رہتی تھی۔ جب وہ سخت بخار میں مبتلا تھی اس نے خود اپنی ماں کو التجائیں اور دعائیں کرتے سنا تھا کہ اسے معاف کیا جائے اور اس کی سزا کو ختم کیا جائے، لیکن اس نے ہیرلڈ دیریکس کی طرح نہیں دیکھا تھا، مگر جب اسے تیس برس قبل اس بات کا علم ہوا تو اس نے اس کی پر جوش روح کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور وہ کیتھولک بن کر ماں کے لیے دعاؤں میں مشغول ہوگئی۔ وہ اس کے گناہ معاف کروا کے آخرت کی سزا سے نجات دلانا چاہتی تھی اور اس وجہ سے اس نے بہت سی مشکلات بھی برداشت کی تھیں۔ وہ اس ماں کے لیے دعائیں کرتی تھی جس نے اس کے باپ کو اپنا دفاع نہ کرنے دیا اور اسے پکڑے رکھا حتیٰ کہ کسی دوسرے نے اس کا ہتھیار چھین کر اسے موت کی نیند سلا دیا۔ خالہ تھیریس کو ساری بات کا علم تھا پھر بھی وہ ہمیشہ دعائیں کرتی رہتی تھی، مگر رحم کے حصول کے لیے کافی دعائیں اوپر تک نہ پہنچیں۔

''تھیو، فکر نہ کر،'' خالہ تھیریس نے جواب دیا۔ ''مَیں کھانا کھایا کرتی ہوں۔'' پھر اپنے لڑکے سے نفرت کا اظہار کرتے وقت اس کی مسکراہٹ تبدیل ہوگئی اور اس کا رویہ سرد اور سخت ہوگیا گویا مجسم عبادت اور دعا عورت اپنے لڑکے کے حق میں نفرت و حقارت سے لبریز ہے۔ پھر وہ اس کے باپ کے متعلق سخت الفاظ استعمال کرنے لگی جس سے اس نے شادی نہ کی تھی۔

''مَیں کھانا کھاتی ہوں،'' خالہ تھیریس نے کہا۔ ''مَیں دراصل ضرورت سے زیادہ کھاتی ہوں۔ وہ مہربان راہبائیں ... بعض اوقات بھول جاتی ہیں جب ہم روزے رکھے ہوتی ہیں۔ وہ مجھے گوشت دیتی ہیں تو مَیں اسے لے کر غریبوں کو دے دیتی ہوں ... بچو، مجھے ڈن ہاخ کے متعلق مزید بتاؤ۔ ابھی میرے پاس وقت ہے، مگر بعد میں مجھے گرجا گھر جانا ہے تاکہ دوسری بہنوں کے ساتھ مل کر عبادت کر سکوں۔'' پھر وہ تمام رشتے داروں کے متعلق پوچھنے لگی اور بولی، ''مَیں تمام بھائی بہنوں اور ان کے بچوں کے لیے دعائیں کیا کرتی ہوں۔ بچو، مَیں تو سب کے لیے دعائیں کرتی ہوں اور تمہارے لیے بھی دعا کروں گی۔''

اسے اب ذرا گھبراہٹ شروع ہوگئی اور وہ دروازے کی طرف کان لگا کر سننے لگی۔ تھیو نے لت کو آنکھ سے اشارہ کیا تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

خالہ تھریس نے کہا، "مَیں تمھیں ہرگز نہیں بھولوں گی۔ اپنے فوٹو بھیجنا۔" انھوں نے وعدے کیا کہ وہ ایسا ضرور کریں گے۔

"چارلس، تمھاری بہن اوتیلی کہاں رہتی ہے؟"

"خالہ جان، وہ نیس میں ہے۔"

"اس کا فوٹو بھی بھیجنا، مَیں اس کے لیے بھی دعا کروں گی۔ خدا حافظ، خدا حافظ، پیارے بچو۔" خالہ نے لت اور ایلی کو الوداع کہا اور تھیو کو بھول گئی۔ تھیو نے کندھے اچکائے۔

گرجا گھر سے، جو اس کمرے کے مدمقابل بڑے ہال میں تھا، عبادت کرنے والوں کے گانے کی آوازیں آنا شروع ہو چکی تھیں۔ منتظم اعلیٰ انھیں راہداری میں ملی کیوں کہ وہ بھی گرجا گھر کو جارہی تھی۔ وہ آہستہ آواز میں پوچھنے لگی، "آپ کی خالہ آپ کو کیسی لگیں؟ وہ انتہا پسند اور مبالغہ آرائی کی شوقین ہیں اور ہمیشہ اسی طرح کرتی ہیں۔" پھر وہ بولی، "اندر دیکھیے، تمام عورتیں عبادت کی کوسیوں پر گھٹنوں کے بل بیٹھی گانے کی طرز پر نماز کے الفاظ دہرا رہی ہیں، مگر خالہ...."

خالہ تھیریس کرسیوں کی درمیانی جگہ پر اپنا چہرہ ہاتھوں میں لیے مُنھ کے بل گری ہوئی تھی۔

منتظم اعلیٰ نے کانا پھوسی کرتے اور ماتھے پر تیوری چڑھا کر کہا: "ایسا تو ہم بھی نہیں کرتے۔ یہ انتہا پسندی ہے اور ایسا کرنا موقعے کے مطابق بھی نہیں۔ مَیں ڈائریکٹر صاحب کی خدمت میں عرض کروں گی کہ وہ خانم کو سمجھائیں۔ مَیں یقیناً ایسا ہی کہوں گی۔ اچھا، خدا حافظ، صاحبان۔" یہ اس نے ایک دُنیا دار عورت کی طرح جھک کر مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے بعد راہبہ انھیں دروازے تک چھوڑنے گئی۔

تھیو آہ بھر کر بولا، "اب میرا کئی مہینوں تک ان کا لڑکا ہونے کا فرض ادا ہو چکا ہے۔"

"مَیں تو ایسا نہیں کر سکتا،" لت نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ ایلی کی آنکھیں پوری کُھلی ہوئی تھیں اور وہ حیرت سے سامنے تک رہی تھی۔

"اب ہم جاتے ہیں،" تھیو بولا۔ جب اس نے بگھی رکوائی تو معلوم ہوتا تھا اس کا موٹا جسم کُھلی اور تازہ ہَوا میں سانس لینے سے پُرسکون ہوا ہے۔

۱۴

رات کے وقت جب وہ ریل گاڑی میں سوار تھے تو لت ڈبے کے ایک کونے میں کمبل اوڑھے سو رہا تھا اور نوجوان بیاہتا عورت خیالوں میں غرق تھی۔ موسمِ خزاں کی ہَوا گاڑی کے ساتھ ٹکرا رہی تھی جس کی وجہ سے اسے نیند نہ آتی تھی ۔ چناں چہ وہ ڈبے کے ایک کونے میں بیٹھ کر سوچ بچار میں محو ہو گئی اور دل ہی دل میں سوچنے لگی کہ اس نے اپنی زندگی ایک دوسرے فرد کے سپرد کر دی ہے اس لیے وہ یقیناً خوش رہے گی۔ اس کا خیال تھا کہ اس نے ایک غیبی بلاوے پر کان دھرا ہے چناں چہ ضروری ہے کہ وہ دل و جان سے اپنے آپ کو وقف کر دے۔ دراصل یہی خوشی ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ وہ خالہ تھیریس کو اچھی طرح سمجھتی تھی، اگر چہ اس کے نزدیک وقف ہوتا اور کچھ کر کے دکھانا الگ الگ معنی رکھتے تھے۔ وہ خالہ تھیریس کی طرح خالی احساس اور فکر کرنا ہی نہ چاہتی تھی بلکہ اس کے ساتھ عمل کرنے کی بھی خواہش مند تھی جیسا کہ وہ ہمیشہ سے اپنے بلاوے پر لبیک کہتے ہوئے کِیا کرتی تھی۔ سب سے پہلے تو ٹینس کا کھیل تھا، پھر مٹی سے چیزیں بنانا اور پھر اس کا اپنا غم جس کی وجہ سے اس نے اپنے آپ کو کلی طور پر زبان کی خدمت میں لگا دیا تھا اور آخر کار اپنے احساسات کو لفظوں میں لکھ کر ایک رسالے کے ناشر کو بھیج دیا تھا۔ اسی طرح اب پھر وہ اپنے بلاوے کو عملی جامہ پہنانے کی منتظر تھی کہ کم از کم لت کو جوش و خروش سے عمل کرنے میں مدد دے گی۔ وہ متفکر ہو کر اُس کی طرف دیکھنے لگی تو اسے محسوس ہوا کہ وہ اُس سے محبت کرتی ہے اور یہ محبت اس محبت سے بالکل مختلف ہے جو وہ اُس کے لیے پہلے رکھتی تھی۔ یہ محبت اُس کی ذات کے لیے نہ تھی بلکہ اسے ایک بڑے کام پر آمادہ کرنے کی خاطر تھی۔ یہ ایک دھندلا سا خیال تھا، مگر اس میں عزم پایا جاتا تھا۔ اسے افسوس تھا وہ اپنی استعدادی قوتوں کو چھوٹے چھوٹے مضامین لکھنے میں ضائع کر رہا ہے۔ یہ باتیں عمدہ ہیں، مگر انھیں نہ تو وہ خود قبول کرتا ہے اور نہ ہی یہ کسی اور کو قائل کرنے کا موجب ہو سکتی ہیں، مگر

وہ اس سے کہیں بہتر لکھنے کی استطاعت رکھتا ہے۔ پھر وہ سوچنے لگی کہ شاید افسانہ لکھنا اتنا بڑا کام نہ ہو۔ ہوسکتا ہے کوئی بڑا کام تصنیف کرنا افسانہ نویسی سے زیادہ اہم ہو۔ اچھا تو پھر کیا؟ وہ غور کرتی رہی، مگر کسی نتیجے پر نہ پہنچ سکی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ یقیناً ایک ایسی بات معلوم کرلے گی جس کے بعد لت کو جگا کر بتائے گی اور جس وجہ سے وہ بہت خوش ہوگا اور اس طرح ہم ہمیشہ خوش رہیں گے اور اُدھر اٹلی میں۔ ہاں، وہاں ہم ضرور جائیں گے۔ شاید ان تاریخی چیزوں میں، جو گزر چکی ہیں، ہاں، ان خوب صورت اور اعلیٰ چیزوں میں جو آرام سے مری پڑی ہونے کے باوجود خوب صورت نظر آتی ہیں، انھیں دیکھتے ہوئے وہ بہت کچھ معلوم کرلے گی۔ لیکن مَیں افسردہ خاطر کیوں ہوں؟ میری افسردہ خاطری کوئی بیماری تو نہیں جو مَیں باوجود اتنے مشاغل کے ہمیشہ سے ہی محسوس کرتی چلی آرہی ہوں، یہی چیز میری تمام حرکات وسکنات کے پیچھے تو کارگر نہ تھی جسے مَیں اکثر محسوس کِیا کرتی تھی اور کیا یہی چیز میری قیمتی اور قابلِ قدر آواز کی لچک میں اچانک سرایت کرگئی تھی؟

وہ اس لیے افسردہ تھی کہ اس نے اپنا بچپن والدین کے زیرِ سایہ نہیں گزارا تھا اور بہن بھائیوں کے بغیر بوڑھے کے گھر میں ہی پروان چڑھی تھی جہاں کلی طور پر آرام اور سکون تھا۔ وہ بہت مہربان تھا ور میرا بہت خیال رکھا کرتا تھا۔ وہ میرے باپ کی طرح تھا، مگر تھا بہت بوڑھا اور مَیں اس کے بڑھاپے کے بوجھ کو محسوس کیا کرتی تھی اور میرے اِردگرد سبھی لوگ بوڑھے تھے۔ مَیں نانی دیریکس اور ڈاکٹر رولفس کو جانتی ہوں اور جب سے ہوش سنبھالا ہے انھیں بوڑھا ہی دیکھتی رہی ہوں۔

پھر وہ لت کے متعلق خیال کرنے لگی کہ ایک مرد کی زندگی عورت سے خواہ کتنی ہی مختلف کیوں نہ ہو اس کے اِردگرد بھی بوڑھے لوگ ہی تھے۔ یہ درست ہے کہ وہ بالعموم سفر پر رہتا تھا، لیکن اس پر بھی بڑھاپے کا ڈر غالب ہے۔ خالہ ستیفانی اور دوسرے ماموں سب بوڑھے ہی ہیں اور معلوم ہوتا ہے ان کی جان پہچان والے ختم ہوچکے ہیں اور یہ ایک دوسرے کی طرف آتے جاتے تنہا ہی گھومتے پھرتے ہیں۔ ہمارا گھر بالکل الگ تھلگ اور سنسان پڑا تھا اس وجہ سے مجھ

پر افسردگی غالب تھی اور مَیں اپنے بچپن میں بھی اسے محسوس کرتی تھی۔ میری کوئی خاص سہیلیاں نہ تھیں، بعد میں ٹینس کلب کی لڑکیوں کو دیکھنا بھی نصیب نہ ہوا اور مَیں اکیڈمی کے طلباء و طالبات کو راہ میں سرسری طور پر سلام کر کے گزر جایا کرتی تھی۔

پہلی منگنی ٹوٹنے پر مَیں نے بالکل الگ تھلگ زندگی بسر کرنا شروع کردی تھی اور ہمیشہ لت کے ساتھ ہی ہوتی تھی، اس کے ساتھ سیر کرتی اور اس کے ساتھ باتیں کِیا کرتی تھی کیوں کہ ڈن ہاخ میں اس کا بھی کوئی خاص دوست نہ تھا اور وہ کہا کرتا تھا کہ اٹلی میں اس کے بہت دوست ہیں۔ عجیب امر ہے ہم دونوں کا اِرد گرد سنسان ہی تھا۔ نہ کوئی خاص دوست اور نہ واقف کار جیسا کہ دوسرے لوگوں کے ہوتے ہیں۔ شاید اس کی وجہ دونوں بوڑھے ہوں۔ اس سے زیادہ وہ اس معمے کو حل کرنے میں کامیاب نہ ہوسکی۔

جب ایلی نے لت کی طرف دیکھا تو سوچنے لگی، کتنا عجیب لڑکا ہے۔ سویا ہوا بالکل بچہ معلوم ہوتا ہے۔ بعض اوقات مذاقیہ طور پر بھی اپنے مافی الضمیر کو ادا کرتا ہے حالانکہ اس بات کا اسے خود بھی یقین نہیں ہوتا۔ یہ نرم مزاج تو ہے، مگر خود پرست اور اعصابی مریض بھی ہے۔ اس میں اپنی ماں کے مقابلے میں ایک صلاحیت پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے یہ اکیلا اپنی ماں کے ساتھ گزارا کر رہا ہے۔ اس میں ایک قدرتی خصوصیت بھی ہے، مگر یہ اس کی قدر نہیں کرتا جس پر اسے آمادہ کرنا ضروری ہے۔ یہ متضاد صفات کا مالک ہے۔ ایک طرف بلا کا سنجیدہ ہے، مگر ساتھ ہی اس میں بچکانا صفات بھی پائی جاتی ہیں۔ ایک طرف حساس ہے دوسری طرف سرد مہر بھی۔ یہ مردانہ خصوصیت رکھتا ہے، مگر نسوانی بھی۔ اس قسم کی متضاد صفات مَیں نے کسی اور مرد میں نہیں دیکھیں۔ یہ اپنے گھنگے سنہری بالوں پر، اپنی اندرونی استعدادی قوتوں کی بہ نسبت، زیادہ ناز کرتا ہے، مگر یہ بھی چاہتا ہے کوئی اس کے مضمون کو سراہے۔ کوئی اس کے متعلق تعریفی جملہ کہہ دے تو اس سے اسے بے حد خوشی ہوتی ہے۔ ہاں، مجھے اس بچے، نوعمر لڑکے اور مرد سے پیار ہے۔ مَیں جب بھی اس کے متعلق غور کرتی ہوں تو مجھ پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ مَیں اس سے محبت کرتی ہوں اور اس وقت خوش ہوتی ہوں جب وہ میرے پاس موجود ہوتا ہے۔

لت کی آنکھ کھلی تو پوچھنے لگا تم ابھی تک نہیں سوئیں اور یہ کہہ کر اس نے اس کا سر اپنے سینے سے لگایا۔ وہ سفر اور غور فکر کرنے سے تھک چکی تھی اس لیے اسے اس حالت میں اونگھ آ گئی اور وہ سو گئی۔ لت صبح کے طلوع ہونے کا نظارہ دیکھ رہا تھا کہ لیون[1] گزرنے کے بعد کس طرح صبح اپنی دھندلی روشنی کھیتوں پر پھیلا رہی ہے۔ اس کی شدید خواہش تھی کہ وہ سورج، نیلی فضا، دھوپ اور وہ سب کچھ جو تازہ اور نیا ہے جلد از جلد دیکھے۔ وہ ایلی کے ساتھ پہلے جنوبی فرانس، ریویرا[2] اور پھر اٹلی دیکھنے کی تمنا لیے ہوئے تھا۔

''مَیں خود اپنی زندگی کا نگہبان ہوں،'' وہ کہنے لگا؛'' اور خوشی کی امید رکھتا ہوں۔ میری خوشی اس میں ہوگی کہ ہم اکٹھے رہیں اور اکٹھے غور و فکر کریں۔ تنہائی انسان کو غمگین کر دیتی ہے کیوں کہ وہ انسان کو اس کے آہستہ آہستہ زوال پذیر ہونے پر غور و خوض کرنے پر مجبور کرتی ہے۔''

جب لت نے ایلی کی طرف جُھک کر دیکھا، جو اس کی چھاتی پر پڑی ہوئی تھی، تو وہ اسے بہت پیاری لگی۔ وہ اس سے فوراً گلے ملنے کا ارادہ رکھتا تھا، مگر یہ سوچ کر کہ یہ ابھی ابھی سوئی ہے اپنے ارادے سے باز رہا۔ وہ دل میں کہنے لگا، مَیں اسے کہوں گا کہ پھر سے مٹی کی چیزیں بنانا شروع کر دے یا پھر تصنیف کا کام شروع کرے۔ یہ ان دونوں امور میں بہت ماہر ہے۔ یہ اگرچہ اس کی آپ بیتی اور زنانہ کتاب ہوگی، مگر ہوگی بہت اچھی اور یہ مَیں یقین سے کہہ سکتا ہوں۔ اس دنیا میں بہت اچھی اچھی چیزیں پائی جاتی ہیں، مگر یہ زندگی فانی ہے اور اس ملعون دنیا میں زندگی کم ہی وقعت رکھتی ہے اس لیے کسی اور دنیا اور زندگی کا ہونا ضروری ہے جس میں مادی چیزوں کی وجہ سے تکالیف برداشت کرنے کی ضرورت نہ ہو۔ ہاں، صرف روحانی زندگی ہو جس میں ہمارے تمام مادی خوف غائب ہو جائیں، لیکن ہم ایک لمحے کے لیے مادی مشکلات سے قطع نظر کریں تو اس ماوی دنیا میں بھی بہت کچھ قابلِ قدر نظر آتا ہے۔

۱۔ لیون: (Lyon)، فرانس کا ایک شہر۔

۲۔ ریویرا: (Riviera)، بحرالتوسط کے قریب اٹلی اور فرانس کا درمیانی علاقہ۔

ہر انسان پر محبت کا ایک لمحہ آتا ہے اور مجھے یقین ہے کہ میرے لیے وہ لمحہ آچکا ہے۔کاش یہ لمحہ اسی طرح قائم رہے، لیکن ہوسکتا ہے یہ باقی نہ رہے کیوں کہ اس دنیا میں سب کچھ تغیر پذیر ہے، مگر اس کے متعلق زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے کام کرنا چاہیے ۔ ہاں ،سفر میں بھی، ایلی کی یہ خواہش ہے کہ میں اٹلی میں عام مضامین لکھنے کی بجائے کوئی بڑا کام کروں۔فلورنس مَیں اطباء کے خاندان کے متعلق لکھوں یار و مامیں پوپ کے متعلق ۔مَیں نہیں کہہ سکتا کہ اس ان دونوں میں سے کس کا انتخاب کروں گا تاہم یہ قابلِ قدر کام ہوگا۔ یا مَیں تاریخِ تہذیب وتمدن کے متعلق کوئی کتاب لکھوں، لیکن مَیں کاغذ کے پرزوں پر یادداشتیں اور نوٹ لکھنا پسند نہیں کرتا۔ اگر مَیں سب کچھ واضح طور پر اپنے تخیل میں نہ دیکھ لوں تو پھر لکھ نہیں سکتا اور مَیں مطالعہ کرنے کا بھی عادی نہیں، مجھے سب کچھ دیکھنا اور محسوس کرنا ہوتا ہے۔ اس کی تعریف کرنا اور اس پر اس قدر متعجب ہونا کہ اس سے مجھ پر ایک لرزہ اور کپکپی سی طاری ہوجائے۔ اگر مجھ پر یہ حالت واردنہ ہوتو پھر مَیں لکھ نہیں سکتا۔

دراصل کتاب کی نسبت مَیں مضامین بہتر طور پر تصنیف کرسکتا ہوں۔ لفظ تتلی کی مانند ہے جسے ادیب آہستگی اور نرمی سے پکڑ کر پھر سے اُڑنے کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ تاریخ اور دوسرے فنون کے متعلق کتابیں بینڈوں کی طرح چاروں طرف ٹیں ٹیں کرتے رینگتی ہیں! یہ ایک اچھی تشبیہ ہے۔ اسے مَیں کسی مقالے کا موضوع بناؤں گا۔ ’’ہلکی اور نازک تتلی اور موٹا بینڈا۔‘‘

اب ہم مارسلز[1] کے قریب ہیں اور دو بجے بعد دوپہر نیس پہنچ جائیں گے۔

[1] مارسلز: (Marseilles)، سمندر کے کنارے جنوب مشرقی فرانس کا ایک شہر۔

۱۵

لت نے نیس کے لگمبرگ ہوٹل میں کمرا مخصوص کرانے کے بعد اپنی بہن اوتیلی کو بذریعہ خط اپنے پہنچنے کی اطلاع دی ہوئی تھی۔ جب وہ ہوٹل پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کے کمرے میں پھولوں کی ٹوکری پڑی ہے۔ اگرچہ اکتوبر کا مہینہ تھا، مگر کمرے کی تمام کھڑکیاں کُھلی تھیں اور آفتاب کی تیز شعاعوں سے سطحِ سمندر لوہے کی چادر کی طرح چمکتی دکھائی دے رہی تھی جس پر پرے ہی پرے امڈنے والی لہروں کی وجہ سے بل پڑتے معلوم ہوتے تھے۔

غسل کرنے کے بعد انھوں نے اپنے کمرے میں کھانا کھایا۔ ان پر سفر کی تکان اور پھر کمرے میں پھولوں کو مہلک اور سورج کی چمک دمک اور فضا کے نیلگوں رنگ اور سمندر کی لوہے کی چادر جیسی دمکتی سطح پر جھاگ سے پیدا ہونے والے منظر سے ایک قسم کا نشہ طاری تھا۔ وہ نشے میں مست کھاپی رہے تھے اور خاموش اور چپ چاپ تھے گویا کسی ماورا طاقت کے سامنے، جو سونے کی مانند اپنی چمک دکھا رہی تھی، سربسجود ہیں۔

دفعتاً کسی نے ان کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ بڑا ساٹوپ پہنے ایک خاتون کُھلے دروازے میں سے سر اندر کیے پوچھ رہی تھی، ''کیا مَیں اندر آسکتی ہوں؟''

''اوتیلی،'' لت چلا کر بولا اور اُٹھ کھڑا ہوا، ''اندر آ، اندر آجا۔''

وہ اندر داخل ہوئی۔

''نیس میں خوش آمدید،'' وہ بولی۔ ''نیس میں آنا مبارک ہو۔ لت، مَیں بہت خوش ہوں کہ تُو نے مجھے لِکھا کہ تُو اور تیری بیوی مجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔'' پھر وہ بیٹھ گئی اور شراب کا گلاس لے لیا۔ لت اور اس کی بہن نے ایک دوسرے کو دیکھنے پر بہت خوشی کا اظہار کیا۔

اوتیلی لت سے قریباً دو برس بڑی تھی اور ماں اوتیلی کی سب سے بڑی لڑکی تھی۔ وہ قد، لب و لہجے اور نقش ونگار میں باپ سے مِلتی جُلتی تھی، مگر نازک آنکھیں، ٹھوڑی اور چہرہ ماں سے

مشابہ تھا۔عوام میں سالہا سال گانے کی وجہ سے اس کی حرکات وسکنات، اشاروں اور کنایوں میں ایک وقار اور تمکنت پائی جاتی تھی جن کا ایک ذہین اور خوب صورت عورت میں پایا جانا قدرتی امر ہے، مگر وہ عام شہری عورتوں سے، خواہ وہ کتنی ہی دل کش اور دل ربا کیوں نہ ہوں، مختلف تھی۔ اس کی تمام حرکات میں توازن پایا جاتا تھا جو پہلے تو اس نے سیکھا تھا، مگر اب اس کی فطرت ثانیہ بن چکا تھا۔ ایلی دل ہی دل میں کہہ رہی تھی، آہ، یہ کتنی خوب صورت اور حسین عورت ہے اور خود کو اس کے سامنے ہیچ خیال کر رہی تھی کیوں کہ اس نے نہانے کے بعد کپڑے پہننے کی بجائے ایک بڑا تولیہ اپنے گرد لپیٹ رکھا تھا۔

اوتیلی کی عمر تو اکتالیس برس تھی، مگر دیکھنے میں بتیس برس سے زیادہ کی معلوم نہیں ہوتی تھی۔ اس کی زندگی ایک فن کارہ کی زندگی تھی۔ یہی وجہ تھی اس کا جسم جوان نظر آتا تھا کیوں کہ ایسی عورتوں کو عام شہری عورتوں کی بہ نسبت بناؤ سنگار کا زیادہ علم ہوتا ہے۔ اس کا جسم سفید رنگ کی قمیص میں، جو عام طرز سے مختلف تھی، مکمل دکھائی دیتا تھا اور اس کا سینہ اور بازو نئے فیشن کے کپڑوں کے باوجود نمایاں خطوط رکھتے تھے۔ اس کا بڑا سیاہ ٹوپ شتر مرغ کے سیاہ پر کا حلقہ لیے سنہری بالوں کے چونڈے کے گرد دائرہ بنائے ہوئے تھا اور شتر مرغ کے سیاہ اور سانولے پروں کے رنگ والی شال اس کے جسم کے گرد لٹک رہی تھی اور ان سفید، سیاہ اور سانولے رنگوں کی وجہ سے اس میں خاص خوب صورتی اور دل کشی پیدا ہونے کے علاوہ وہ ایک تربیت یافتہ عورت اور سلجھی ہوئی فن کارہ دکھائی دیتی تھی۔

لت فخر سے بولا، ''یہ ہے میری بہن، اوتیلی، کیسی لگتی ہے؟''

''ایلی، مَیں نے تجھے ڈن ہیگ میں دیکھا تھا،'' اوتیلی بولی۔

''اوتیلی، مجھے تو یاد نہیں پڑتا۔''

''نہیں، اس وقت تو تُو آٹھ نو برس کی بچی تھی۔ دادا تکمہ کے گھر تیرا کھیلنے کا بڑا کمرا تھا اور اس میں ایک بہت عمدہ گڑیا گھر بھی تھا۔''

''اچھا تو مَیں یوں رہا کرتی تھی۔''

''ہاں، مگر بعد میں میرا ڈن ہاخ جانا نہیں ہوا۔''

''تم لوئک[1] میں موسیقی کے اسکول چلی گئی تھیں۔''

''ہاں...''

''تم نے آخری بار کب گانا گایا تھا،'' لت نے پوچھا۔

''ابھی کچھ عرصہ ہوا، پیرس میں۔''

''ہم تو تیرے متعلق کچھ بھی نہیں سنتے اور نہ ہی تم ہالینڈ گانے کے لیے آتی ہو۔''

''نہیں، مَیں ہالینڈ کبھی نہیں آتی۔''

''اوتیلی، تو ہالینڈ کیوں نہیں آتی؟'' ایلی نے پوچھا۔

''کیوں کہ وہاں مَیں ہمیشہ ہی افسردہ خاطر رہا کرتی تھی۔''

''ملک کی وجہ سے یا لوگوں کی وجہ سے؟''

''کئی لحاظ سے ملک، لوگوں اور مکانات کی وجہ سے، اسی طرح اپنے خاندان اور اپنے حلقے کے لوگوں کی وجہ سے بھی۔''

''ہاں، مَیں تمھاری بات سمجھتا ہوں،'' لت بولا۔

''میرا تو وہاں سانس رکتا تھا،'' اوتیلی نے کہا۔ '' مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ مَیں اپنے ملک، خاندان یا لوگوں سے قطع تعلق کرنا چاہتی ہوں۔ نہیں، ہر ایک میں کوئی نہ کوئی خوبی ضرور ہوتی ہے جس طرح وہاں کی مٹیالی فضا سانس لینے میں حائل تھی اسی طرح وہاں کے مکانات اور عمارتیں مجھے آواز بلند نہ کرنے دیتی تھیں ۔ بہر حال مجھے علم نہیں، آیا واقعی وہاں کوئی مہیب یا ڈراؤنی چیز میرے اِردگرد پائی جاتی تھی یا نہیں؟''

''جو تمھیں دباتی ہو؟'' ایلی نے کہا۔

''ہاں، وہاں کے حالات ہی ایسے تھے۔ گھر میں ماں کے ساتھ نبھا نہ سکتی تھی جیسا کہ اباجی اور امی جی کا بھی آپس میں گزارا نہیں ہوتا تھا۔ ہماری والدہ پیچیدہ اور بچکانا مزاج رکھتی

---

[1] لوئک: (Luik)، بلجیم کا ایک شہر۔

ہیں۔ ان کی بدمزاجی ہمیشہ ہی مجھے طیش دلاتی تھی۔ لت کی طبیعت مجھ سے زیادہ درگزر کرنے والی ہے۔"

لت نے تنک کر کہا، " اوتیلی، حقیقت میں تجھے لڑکا اور مجھے لڑکی ہونا چاہیے تھا۔"

" لیکن، میرے اندر تونسوانیت کوٹ کوٹ بھری ہوئی ہے۔" اوتیلی نے جواب دیا۔ اس کی آنکھیں نرم ہوگئیں اور وہ مسکرائی جس میں خوشی کے آثار تھے۔

" ہاں، مَیں تمھاری بات کا یقین کرتا ہوں،" لت نے کہا۔

"مَیں ماں کے ساتھ گزربسر نہ کرسکتی تھی۔ علاوہ ازیں مجھے آزادانہ زندگی بسر کرنے کا احساس ہوا تھا اور مَیں اپنی آواز کی خصوصیت محسوس کر رہی تھی۔ مَیں نے محنت اور سنجیدگی سے تعلیم حاصل کی اور کئی برس صرف کیے جس کی وجہ سے مجھے کامیابی حاصل ہوئی اور مَیں نے زندگی گانے کے لیے وقف کر دی۔"

" اوتیلی، تم گانوں کی مجالس میں ہی کیوں گاتی ہو، کیا تمھیں اوپرا میں گانا پسند نہیں؟ مَیں جانتی ہوں تم واگنر[1] کی دھنوں پر بھی گاتی ہو۔"

"مَیں ایک ہی قسم کے گانے میں چند منٹوں سے زیادہ دیر تک اپنا کردار ادا کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ مَیں پوری نشست میں صرف ایک دفعہ ہی گاسکتی ہوں۔"

" ہاں، مَیں یہ سمجھ سکتا ہوں،" لت نے کہا۔

" اس معاملے میں تم واقعی لت کی بہن ہو۔" ایلی زندہ دلی سے بولی۔ " یہ بھی چھوٹے چھوٹے مضامین اور مقالے لکھنے سے زیادہ بڑا کام سرانجام نہیں دے سکتا۔"

" یہ ایک خاندانی کم زوری معلوم ہوتی ہے۔" اوتیلی نے جواب دیا۔

" ہاں، یہ موروثی بات ہے،" لت بولا۔

" شاید یہ ٹھیک ہی ہو،" اوتیلی نے کہا۔ " چھوٹی ایلی بہت نکتہ سنج معلوم ہوتی ہے۔"

" ہاں، یہ اکثر ایسا ہی کرتی ہے،" لت فخر سے بولا۔

---

[1] واگنر: رچرڈ واگنر: (Richard Wagner)، ۱۸۱۳ء تا ۱۸۸۳ء، جرمن رومانی موسیقار۔

''آہ!'' اوتیلی بڑ بڑاتے ہوئے کہنے لگی۔'' ہالینڈ، وہ مکان اور وہ سماں ۔ گھر میں ماں اور تریویلی کے ساتھ رہنا مشکل تھا کیوں کہ وہ ہمیشہ آپس میں جھگڑتے رہتے تھے ۔تریویلی ماں کو ملامت کرتے اور ماں انھیں ان کی سینکڑوں بے وفائیوں پر بُرا بھلا کہنا شروع کر دیتیں۔ ہماری والدہ بہت حاسد واقعی ہوئی ہیں۔ ان کا ٹوپ اور کوٹ ڈیوڑھی میں لٹکا رہتا تھا۔ جب بھی تریویلی صاحب باہر جانے لگتے ان سے پوچھتیں،'' ہیوگ ،تم کدھر جارہے ہو؟ تریویلی کہتے :'' کہیں نہیں۔''

'' اچھا تو پھر مَیں بھی ساتھ جاتی ہوں، اماں جواب دیتیں اور یہ کہتے ہوئے اپنا ٹوپ سر پر رکھ کر اور کوٹ پہن کر ساتھ چل دیتیں ۔تریویلی لعنت ملامت کرتے رہتے ،مگر اماں ساتھ ہی جاتیں۔ وہ سڑک پر تین چار قدم آگے آگے چلتے اور اماں غصے میں بھڑکتی پیچھے پیچھے دوڑی جاتیں۔ اس وقت وہ گڑیا کی مانند خوب صورت تھیں، سکے سکے سنہری بالوں والی مادونا[1] لگتی تھیں، مگر وہ صحیح طریقے سے لباس نہ پہنا کرتی تھیں۔ مجھے ابھی تک یاد ہے کہ لت کی آنکھیں بے حرکت اور تھکی ہوئی نظر آیا کرتی تھیں۔ یہ ہمیشہ بڑی متانت سے رہتا اور تریویلی سے کبھی بدمزاجی سے پیش نہ آتا تھا بلکہ ادب کا خاص خیال رکھا کرتا تھا۔مَیں بھی اپنے تینوں باپوں کے ساتھ آسانی سے نبھا کر سکتی تھی، مگر جب تریویلی اور ماں کی آپس میں محبت ختم ہوگئی اور ماں ستاین کی گرویدہ ہوگئیں تو پھر مَیں وہاں سے چل دی ۔ پہلے تو کچھ عرصہ اباجی کے پاس رہی پھر موسیقی کے اسکول میں داخل ہوگئی۔ اس وقت سے مَیں ہالینڈ نہیں گئی۔ ایلی، تمہارے دادا تکمہ والے گھر میں ، جو پھُپھی آدیلے نے بہت صاف ستھرا رکھا ہوتا تھا، مجھ پر یہ اثر ہوتا تھا کہ ہر دروازے کے پیچھے چھپا ہوا کوئی میرا منتظر ہے۔ پھر نانی اماں کا گھر اور ان کا وجود بھی جو کھڑکی کے ساتھ بیٹھی باہر کی طرف ٹکٹکی لگائے جھانکتی یاس و نا امیدی میں انتظار کی گھڑیاں گن رہی ہوتی تھیں۔ وہ وہاں کس کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھیں؟ یہ مَیں نہیں جانتی ،مگر مجھ پر اس قدر اثر ہوتا تھا کہ سانس رکنے لگتا تھا اور مجھ میں نیلگوں فضا اور آزادی کی تمنا جاگ اٹھتی تھی تا کہ کھلی صاف

---

[1] مادونا: یا میدونا (Maddona) ،عیسائیت میں رومن کیتھولک فرقے کے مطابق مقدس میریم کا لقب۔

ہَوا میں اپنے پھیپھڑے پھیلا سکوں۔''

''مجھ پر بھی کبھی کبھی ایسا ہی اثر ہوتا رہا ہے،'' لت نے کہا۔

ایلی خاموش بیٹھی اپنے بچپن کو یاد کر رہی تھی جو اس نے دادا تکمہ کے گھر گزارا تھا۔ وہ گڑیا گھر کا تصور کر رہی تھی جو دراصل اس کی دنیا تھی اور جسے وہ سنجیدگی سے استوار رکھے ہوئے تھی۔

''ہاں،'' اوتیلی نے کہا۔ ''لت، تم بھی ایسا محسوس کرتے تھے۔ تم اٹلی ستانے کئے گئے تھے تا کہ وہاں سکھ کا سانس لے سکو۔ ہمارے خاندان نے دنیاداری کی زندگی بسر کی تھی۔ ماں جی ابھی تک وہی زندگی بسر کر رہی تھیں اور ان کا ماضی ان پر مہر ثبت کیے انھیں افسردہ خاطر رکھے ہوئے تھا۔ ایلی، مجھے علم نہیں کہ مَیں اس قدر حساس ہوں، مگر پھر بھی مَیں ایسا محسوس کیا کرتی تھی۔ ماضی کی چیزیں مجھ پر اثر انداز ہوئی تھیں جسے برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے مجھ میں آزادانہ زندگی بسر کرنے کی ایک لہر دوڑ رہی تھی۔''

''ہاں، یہ درست ہے،'' لت بولا۔ ''تم نے تمام بندھن توڑ ڈالے۔ تم مجھ سے زیادہ آزادی کی دل دادہ تھیں۔ مَیں ماں کو محبت کی وجہ سے تنہا نہ چھوڑ سکتا تھا۔ مَیں نہیں جانتا کہ مَیں ان سے اتنی محبت کیوں رکھتا تھا۔ بحیثیت ماں وہ میرے لیے اتنی دقعت نہ رکھتی تھیں، لیکن مَیں پھر بھی ان سے محبت رکھتا ہوں اور میرا دل ان کے لیے درد سے لبریز رہتا ہے۔ وہ ایک لاڈلے بچے کی طرح ہیں۔ نوعمری میں ان کی بے حد مدح سرائی ہوئی تھی۔ مردان پر فریفتہ تھے، لیکن اب وہ بوڑھی ہو چکی ہیں اور ان کے پاس کوئی بھی نہیں رہا۔ ستاین اور وہ کتے اور بلی کی طرح رہتے ہیں۔ ستاین پر مجھے ترس آتا ہے اور مَیں ماں کے لیے فکرمند ہوں۔ بڑھاپا ایک گھناؤنی چیز ہے اور خصوصاً ایسی عورت کے لیے جو محبت کی بھکاری ہو۔ ہماری والدہ کے پاس محبت کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ وہ ایک سادہ سی عورت ہے اور اسے محبت کی ضرورت ہے۔ وہ پیار کی اتنی خواہش مند تھیں کہ عہد و پیمان کا خیال نہ رکھ سکتی تھیں، البتہ وہ ایک خاص وقت تک اس کی پابندی ضرور کرتی تھیں، مگر اس کے بعد نہیں۔ وہ جس سے بھی محبت کرتیں اس سے وفا نہ کر

سکتی تھیں۔"

"پھر انھوں نے شادی کیوں کی؟ کیا مَیں نے شادی کی ہے؟ مجھ میں بھی محبت پائی جاتی ہے،" اوتیلی نے کہا۔

"ماں جی کا زمانہ اور تھا۔ اس وقت شادی کی جاتی تھی۔ اب بھی شادیاں ہوتی ہیں جیسے ایلی اور مَیں نے شادی کی ہے،" لت نے کہا۔

"اگر کوئی عمر بھر کے لیے اپنا ساتھی پالے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں، مگر ماں کو اپنے تین خاوندوں میں سے کس کے متعلق ایسا علم تھا؟ وہ ان تینوں پر ازحد فریفتہ تھیں۔"

"اور اب تینوں سے نفرت کرتی ہیں۔"

"اسی لیے انھیں شادی نہیں کرنا چاہیے تھی۔"

"اوتیلی، مَیں کہہ چکا ہوں کہ ان کا تعلق ایک اور زمانے سے تھا۔ علاوہ ازیں لوگ اب بھی شادیاں کرتے ہیں۔"

"تو کیا تمھیں میرے شادی نہ کرنے پر اعتراض ہے،" اوتیلی نے بے ساختہ کہا۔

"نہیں، کیوں کہ جو بات کوئی دوسرا شخص اپنے لیے پسند کرے اس پر اعتراض کرنا میری فطرت کے خلاف ہے۔"

"آؤ، ذرا کُھل کر بات کریں۔ تم ماں کو محبت کی بھکارن کہتے ہو۔ کیا مجھے بھی یہی نام دو گے؟" اوتیلی نے پوچھا۔

"مجھے تمہارے رہنے سہنے کے طریقے کا زیادہ علم نہیں؟" لت نے جواب دیا۔

"مَیں کئی ایک مردوں کے ساتھ اکٹھے رہ چکی ہوں۔ اگر مَیں ماں کے خیالات اور ان کے عقیدے کے مطابق عمل کرتی تو ان میں سے کسی ایک کے ساتھ ضرور شادی کر لیتی۔ مجھ میں محبت تھی اور مَیں نے اس کا جواب پایا۔ دو دفعہ تو مَیں شادی کرنے ہی والی تھی، مگر پھر شادی نہ کی۔"

"تو نے اپنے اِردگرد شادیوں کا جو حشر دیکھا تھا اس کی وجہ سے زیادہ محتاط ہوگئی ہوگی"، لت نے کہا۔

"ہاں، مجھے کبھی یقین نہ آیا۔ شاید اب، لت، شاید اب پہلی مرتبہ زندگی میں مجھے اس کا یقین آیا ہے۔"

"کیا تمھیں اب اس کا پورا یقین ہے، اوتیلی؟" ایلی نے کہا۔ اس نے اوتیلی کا ہاتھ فوراً پکڑ لیا اور اسے اس قدر خوب صورت پایا، اس قدر حقیقی اور خوب صورت پایا کہ وہ اس سے بے حد متاثر ہوئی۔

"شاید، ایلی، اب مجھے پہلی بار علم ہوا ہے کہ مَیں آلڈو کے سوا کسی اور سے محبت نہ کر سکوں گی... وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔"

"کیا تم شادی کرو گی؟" لت نے پوچھا۔

"نہیں ہم شادی نہیں کریں گے۔"

"کیوں نہیں؟"

"کیا وہ یقیناً ایسا چاہتا ہے؟"

"لیکن تم نے کہا ہے کہ وہ تم سے محبت کرتا ہے۔"

"ہاں، مگر کیا وہ ایسا چاہتا بھی ہے۔ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ ہم آپس میں خوش ہیں، بہت ہی خوش۔ وہ تو مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے، مگر کیا وہ واقعتاً ایسا چاہتا ہے؟ مجھے علم ہے وہ اس بارے میں یقینی طور پر نہیں جانتا۔ ہم قانونی بندھن میں کیوں بندھیں؟ اگر مَیں اس سے حاملہ ہو جاؤں تو بے حد خوش ہوں گی اور اپنے بچے کے لیے نہایت ہی اچھی ماں ثابت ہوں گی۔ تو ہم اپنے اوپر قانونی پابندیاں کیوں عاید کروائیں۔ وہ مجھ سے دو برس بڑا ہے۔ بھلا کون جانتا ہے کہ مستقبل اس کے لیے اپنے دامن میں کیا کیا چھپائے ہوئے ہے؟ کس قسم کا ولولہ، کس قسم کی محبت اور کس قسم کی شہوت؟ مَیں جانتی ہوں کہ مَیں نے اپنی محبت کا جواب پالیا ہے، مگر مجھے یہ بھی علم ہے کہ وہ ابھی تک نہیں جانتا۔ اگر وہ مجھے کل کلاں چھوڑ کر چلا جائے تو ایسا کرنے میں آزاد ہے۔ ہوسکتا ہے تب وہ کوئی پائیدار شادمانی پالے۔ ہم بے چارے انسانوں کو کیا علم؟ ہم ہر سو تلاش میں رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جس چیز کے متلاشی ہوتے ہیں اسے دفعتاً پالیتے ہیں۔

مَیں تو یہ جانتی ہوں، مگر وہ نہیں جانتا۔ نہیں، لت، ہم شادی نہیں کریں گے۔ مَیں آلڈو کو آزاد چھوڑنا چاہتی ہوں تا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق عمل کر سکے۔ مَیں اب بچی نہیں رہی اس لیے اسے آزاد ہی رہنے دینا چاہتی ہوں۔ ہماری محبت، ہمارے جسم اور روحیں آزاد ہیں۔ جب کچھ عرصے بعد مَیں بوڑھی ہو جاؤں گی اور میری آواز بھی باقی نہ رہے گی...''

''تب توتمھیں اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا، او تیلی،'' لت نے کہا۔

''تب مجھے کوئی رنج نہ ہوگا، لت، بلکہ مَیں خوش ہوں گی کہ جو میرے نصیب میں تھا وہ میں نے پالیا۔ مَیں اس دنیا میں ہمیشہ کی زندگی کی خواہش نہیں رکھتی۔ تب مَیں مطمئن ہوں گی اور بوڑھی سے بوڑھی ہوتی چلی جاؤں گی۔ ہاں، مَیں بالکل آرام اور سکون سے بوڑھی ہو جاؤں گی۔''

''او تیلی، میری طرف دیکھ، مَیں تو بڑھاپے کے خیال سے ہی مرا جاتا ہوں۔''

''لت، یہ ایک بیماری ہے، مگر اب تو تمھیں خوش ہونا چاہیے کیوں کہ ایلی تمہارے پاس ہے۔ زندگی نہایت ہی حسین ہے۔ دیکھو تو کیسی دھوپ نکلی ہوئی ہے اور یہ خوش بختی ہے۔ تمھیں ان چیزوں سے لطف اندوز ہونا چاہیے۔ خوش و خرم رہو اور مستقبل میں جو ہونے والا ہے اس کا قطعاً کوئی خیال دل میں نہ لاؤ۔''

''تو کیا تُو بڑھاپے کی ہول ناکی کا کبھی بھی تصور نہیں کرتی؟''

''مَیں بڑھاپے کا خیال تو کرتی ہوں، مگر اسے گھناؤنا یا ہول ناک نہیں سمجھتی۔''

''اگر تیرا آلڈو تجھے چھوڑ کر چلا جائے تو توتنِ تنہا بوڑھی ہو جائے گی۔''

''اگر وہ کل ہی مجھے اپنی خوشی اور شادمانی کی خاطر چھوڑ کر چلا جائے تو مَیں بُرا نہیں مناؤں گی او نہ ہی تن تنہا بوڑھی ہوں گی کیوں کہ اس کے ساتھ محبت کی گھڑیوں کی یاد تو میرے پاس موجود ہوگی نا۔ ہاں، ہماری خوشی اور شادمانی، جواب حقیقت ہے، وہ کسی اور چیز سے ہرگز دوبارہ حاصل نہ ہو سکے گی،'' یہ کہتے ہوئے وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم جا رہی ہو؟''

''ہاں، اب مجھے جانا ہے۔ کل تم میرے ساتھ کھانا کھانا۔ ایلی، کیا تم آنا پسند کرو گی؟''

"ہاں، بڑی خوشی سے۔"

اوتیلی نے کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ سورج غروب ہوتے وقت گلابی شعائیں بادلوں کے پیچھے سے چھوڑ رہا تھا اور ہَوا نے خود کو سمندر کی لہروں پر اس طرح گرا دیا تھا جیسے کوئی دیو قتل و غارت گری کے بعد اپنی معشوقہ کی گود میں سر رکھ کر آرام کر رہا ہو، سمندر اسے اپنی پیٹھ پر آہستہ آہستہ جھولے دے رہا تھا۔

"بادل نہایت خوب صورت ہیں اور ہَوا بھی ٹھہر گئی ہے۔"

"اس وقت ہمیشہ یہی ہوتا ہے،" اوتیلی نے جواب دیا۔ "لت، دیکھ تو وہ وہاں موجود ہے۔"

"کون؟"

آلڈو۔ وہ میرے انتظار میں ہے،" اوتیلی نے جواب دیا۔ انھوں نے پروینا دے دی آنگلائس[۱] پر، جہاں سیر کرنے والے لوگ کم تھے، ایک شخص کو سمندر کی طرف مُنھ کیے بیٹھے دیکھا۔ "مجھے تو صرف اس کی پیٹھ دکھائی دیتی ہے،" لت نے کہا۔

"کل تم اسے دیکھ سکو گے،" اوتیلی نے جواب دیا۔ "مجھے دلی خوشی ہے کہ کل تم ہمارے پاس آؤ گے۔" جب اس نے ان کا شکریہ ادا کیا تو اس کی آواز رقت آمیز تھی۔ وہ دونوں سے گلے مل کر چل دی۔

لت پکار اُٹھا، "خدایا! یہ کس قدر خوب صورت ہے۔ یہ اگرچہ اتنی کم عمر نہیں، مگر منظر عام پر گانے والی خوب صورت عورت کی عمر نہیں گنتے۔ دریں اثنا ایلی برآمدے میں جا چکی تھی۔ جہاں سے اس نے بلند آواز سے پکارا: "لت، دیکھ کتنا شان دار سماں ہے اور کتنی عمدہ فضا۔ سورج فضا میں غروب ہوتے وقت پریوں کی طرح دکھائی دیتا ہے۔ لگتا ہے سرخاب کی دیو جیسی دُم ورائے کہسار شعلوں میں غائب ہوتی جا رہی ہے۔ دیکھ، اوتیلی پروینا دے سے اپنا رومال ہلا رہی ہے۔ اُدھر آلڈو استقبال کے لیے اس کے قریب آ رہا ہے۔ یہ ایک بڑے قد کا خوب صورت اطالوی

---

[۱] پروینا دے دی آنگلائس: (Promenade des Anglais)، سڑک کا نام۔

فوجی افسر ہے۔ کیا ہی خوب صورت جوڑا ہے۔ ایلی، دیکھ، اب وہ اکٹھے سیر کر رہے ہیں۔ بہت اچھا جوڑا ہے ۔مَیں ان پر رشک کرتا ہوں۔ کاش میرا بھی اتنا بڑا قد اور اس کی طرح چوڑے کندھے ہوتے اورمَیں اس کی طرح خوب صورت دکھائی دیتا۔''

'' تو کیا تم مطمئن نہیں کہ مَیں تمھیں، جیسے تم ہو، اسی طرح پسند کرتی ہوں؟''

'' ہاں ، مجھے بالکل یقین ہے۔مَیں مطمئن ہونے سے بھی کہیں زیادہ محسوس کرتا ہوں۔ ایلی ، مجھے یقین ہے کہ میری خوشی کا وقت آ پہنچا ہے۔''

'' کیا تجھے اس کا علم ہے؟''

'' ہاں، اسے مَیں اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں۔ ایسے ہی جیسے اوتیلی محسوس کرتی ہے اور کیا تمھیں بھی ... اورتم ... ؟'' اس نے گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیا اور بولا،'' پہاڑوں پر قرمزی رنگ نمایاں ہو رہا ہے۔ یہ نظارہ ہر لمحہ بدلتا نظر آتا ہے۔سمندر ہَوا کو اپنی گود میں لوری دے رہا ہے اور سرخاب راکھ ہوا جارہا ہے۔ آؤ، اس نظارے کو دیکھتے رہیں ۔ اب تو پہلے ستارے بھی ظاہر ہوگئے ہیں۔سمندر بالکل ساکن ہے اور ہَوا اس کے نیلے سینے پر سر دھرے چین سے سو رہی ہے۔تم اس کی سانس کی دھڑکن محسوس کرسکتی ہو،لیکن وہ سو رہا ہے۔ یہ زندگی اور محبت کا ملک ہے۔ ایلی یہ بہت ہی شان دار ہے کہ زندگی کا جاہ وجلال، شان وشوکت اور رنگ برنگیاں رات کو مدھم ہوتے قرمزی رنگ اختیار کر جاتی ہیں۔ دیکھو، اس ہَوا کا تازہ اور زبردست جھونکا ہمارے شمالی علاقوں کی بین ڈالنے والی ہَواؤں سے کس قدر مختلف ہے۔ پھر یہاں کی خوش مزاج اور آزاد ہَوا کو بھی خیال میں لا جوخوشی سے پاگل ہوئی جارہی تھی اور اب سمندر کی نیلگوں گود میں سو رہی ہے۔ حقیقتاً یہی آزادی ، زندگی ، محبت ، شان وشوکت اور خوشی ہے۔ اری،مَیں اپنے ملک کے متعلق کوئی بُری بات نہیں کہتا۔مگر کئی مہینوں کے بعد خود کو سانس لیتا محسوس کر رہا ہوں اور سمجھ رہا ہوں کہ زندگی اور جوانی میں ولولۂ حیات پایا جاتا ہے۔ ہاں، جوانی میں اور صرف جوانی میں ہی زندگی کا جوش وخروش پایا جاتا ہے۔ وہ پہلے مدہوش کرتی ہے جس کا مَیں عادی ہوا جا رہا ہوں۔''

وہ برآمدے میں کھڑے رہے۔ اتنے میں ہَوا سمندر کی چھاتی پر جاگ اُٹھی اور دفعتاً خوش ہو کر بلند ہوئی تو اس نے ایک تھپیڑے سے پہلے ظاہر ہونے والے ستاروں کو قرمزی رنگ کے بادلوں سے صاف کر ڈالا اور سمندر کی سطح پر ایک پُر جوش موج اُبھر آئی تو یہ ایک دوسرے کی کمر پر ہاتھ رکھے کمرے کے اندر چلے گئے۔

۱۶

باغیچے میں جانے کے لیے مکان کے چبوترے سے ہوتے ہوئے چند سیڑھیاں عبور کر کے جانا پڑتا تھا۔

''دراصل آپ میرے باغ کی موسمِ سرما والی شان وشوکت ظاہر ہونے سے بہت پہلے آگئے ہیں،'' اوتیلی بولی۔ ''ہمارے ہاں، موسمِ گرما میں، تمام نباتات سوئی رہتی ہیں۔''

''یہ محبت کی لمبی نیند ہے،'' لت اپنی بہن کا بازو پکڑتے ہوئے بولا۔

''ہاں، یہ محبت کی نیند ہی ہے،'' اوتیلی نے اس کے الفاظ کی تصدیق کرتے ہوئے کہا۔ ''موسمِ خزاں کے شروع میں بہت بارشیں ہوئی ہیں، اب بھی یہ اچانک برس سکتی ہیں۔ ان کے گزرنے کے بعد قدرت موسمِ سرما کے لیے اپنا رنگ روپ دکھانا شروع کرتی ہے اور یہ یہاں نہایت ہی شان دار ہے۔ جب شمال میں سب درخت اور پودے برہنہ ہو جاتے ہیں تو یہاں زمین کھود کر گھاس بوئی جاتی ہے اور ببول اور بنفشہ کے پودے پھول دینا شروع کرتے ہیں۔ آپ بہت پہلے آگئے ہیں، لیکن تبدیلیٔ موسم کا نظارہ دیکھ سکتے ہیں۔ ذرا میرے موسمِ گرما کے آخری گلاب کے پھول دیکھیں۔ یہ بہت بارونق ہیں اور جوش وخروش سے ایک دوسرے میں اُلجھے ہوئے اُگ رہے ہیں۔ دیکھوتو، سورج مکھی کے پودے ابھی تک کتنے شان دار ہیں، ذرا ناشپاتیوں پر تو نظر ڈالیں۔کیا آپ نے کبھی اتنی بڑی ناشپاتیاں دیکھی ہیں؟ یہ یہاں کس قدر ہیں: تین، چار، پانچ، چھ۔ یہ سب پکی ہوئی ہیں۔ انھیں ہم اُتارلیں گے۔ اگر یہ زمین پر گر جائیں تو چیونٹیاں انھیں پل بھر میں ہضم کر جائیں گی۔ آلڈو، اے آلڈو، ذرا اِدھر آ۔ مہربانی کر کے چند ناشپاتیاں اُتار۔ کیا تم ایسا کرو گے؟ میرا ان تک ہاتھ نہیں پہنچتا۔ لت کا بھی نہیں۔ ایلی میرے انگوروں کا چھپر تو دیکھ۔ آہا، یہ تو ایک جھونپڑی معلوم ہوتی ہے۔ یہ اچھی قسم کے انگور ہیں جنھیں ہم ابھی چکھیں گے۔ یہ لیجیے ایک گچھا۔ یہ بہت مزے دار ہیں۔ ناشپاتیاں تو ہم کھانا

کھانے کے بعد کھائیں گے۔ یہ کھانڈ کی خوش بودار برف کی مانند ہیں اور ادھر انجیریں ہیں۔ یہ ایک پرانا درخت ہے، مگر پھلنے میں اپنی مثال آپ ہے۔ آپ انھیں توڑ کر کھائیں اور یہ رہے آڑو۔ سورج اتنا گرم ہے کہ سب کچھ ابلنے کے قریب ہے۔ یہ قدرتی خوش بودار سماں مجھے بہت بھاتا ہے۔ انگور تو مجھے مست کر دیتے ہیں۔''

اس نے سفید قمیص سے اپنا گورا ہاتھ نکال کر ہلکے رنگ کے نیلے نیلے انگوروں کے گچھوں سے انگور توڑے۔ یہ انگوروں کا جشنِ قتلِ عام تھا۔ انگوروں کے ذائقے سے مست ہونے کی وجہ سے لالچ میں آکر انھوں نے بہت سے انگور اتار لیے۔ آلڈو اچھے اچھے انگور توڑ کر ایلی کو دیتا تھا۔ وہ باوجود دراز قامت اور سڈول جسم رکھنے کے نہایت متین تھا اور عمر میں چالیس برس سے زیادہ تھا۔ جنوبی ملک کا رہنے والا یہ شخص اس اطمینان سے مسکراتا تھا کہ محبت کا دیوتا دکھائی دیتا تھا اور اس کی فطرت جذبات سے پُر معلوم ہوتی تھی۔ اس کے خوب صورت چہرے اور متین مسکراہٹ کی وجہ سے لت اسے ان مجسموں کی طرح خیال کرنے لگا جو اس نے اٹلی میں دیکھے تھے۔ شاید یہ وتیکن [1] کے ہرمس [2] کی طرح ہے۔ نہیں، آلڈو اتنا ذہین نہیں۔ اچھا تو شاید یہ کاپتیول [3] کے انتونی [4] کے بھائی جیسا ہے جو براسیونوود کا شہ زور پہلوان تھا، مگر یہ اس جیسا نوعمر اور طاقت ور جسم نہیں رکھتا۔

آلڈو مسکرا کر اوتیلی کی مسکراہٹ کا جواب دیتا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ انھوں نے ایسی شادمانی پالی ہے جس سے وہ مطمئن ہیں۔ انھوں نے انسان کو نصیب ہو سکنے والی کامل خوش بختی کا لمحہ پالیا تھا جو اگرچہ گزرتا جا رہا تھا، مگر ابھی تک موجود تھا۔ یہ محفوظ خوشی انگوروں کے دبائے گئے گچھوں جیسی تھی۔ لت کو اس نہایت ہی خوب صورت جوڑے کی خوشی پر رشک آتا تھا۔ یہاں، اس جنوبی علاقے میں، موسمِ خزاں کے پھولوں کی کثرت کے درمیان پرانے زمانے کی

۱۔ وتیکن: اٹلی کے دارالحکومت 'روم' کا ایک خاص علاقہ جہاں پاپائی نظم و نسق قائم کیا گیا ہے۔
۲۔ ہرمس: (Hermes)، یونانی اساطیر میں دیوتاؤں کا پیغمبر، وتیکن میں اس کا قد آور بت استادہ ہے۔
۳۔ کاپتیول: (capitol)، روم کی سات پہاڑیوں میں سے ایک جس پر عہدِ قدیم کے معبد قائم ہیں۔
۴۔ انتونی: (Antony)، رومن فرماں روا، جولیس سیزر کا مشہور جرنیل۔

کچھ ایسی یاد پائی جاتی تھی، قریب قریب کچھ ایسی وارفتگی تھی کہ اسے یقین واثق ہوگیا وہ اپنے تن من میں ایسی خوشی پھر کبھی نہیں پاسکے گا۔ وہ اپنے اندر شمالی علاقوں کی افسردگی زیادہ شدّت سے محسوس کرتا تھا چاہے شمال سے بھاگ کر کہیں اور یہ کیوں نہ چلا جائے ۔ اسے آنے والے بڑھاپے کے قریب کر دینے والے برسوں کا غم اندار ہی اندر کھائے جاتا تھا۔ اس کا ایلی سے محبت کرنا محض مہربانی اور خوش مزاجی کے طور پر تھا نہ کہ طبعی نفسانی جوش کی بنا پر جو کہ ان کی فطرت کا ہی مظہر تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اسے کسی اور چیز کی بھی ضرورت ہے اور اس وجہ سے اس میں حسد کے جذبات بڑھ گئے ۔ آلڈد اور اوتیلی میں کوئی افسردگی نہ تھی اور نہ ہی انھیں کسی قسم کے خوف وہراس کا روگ تھا، لیکن اس کے باوجود ان کی خوشی میں ، جو بے انتہا تھی، موسمِ خزاں کی پرچھائیں دکھائی دیتی تھیں۔

دفعتاً درختوں کے پیتل کی طرح چمکتے ہوئے پتے ہَوا کے پر جوش جھونکے سے گر کر انگوروں کے چھپروں پر بکھر گئے۔ ایک جھونکا جو گلاب کے اُلجھے ہوئے پودوں میں سے ہو کر گزرا تو اس سے ایک پکی ہوئی ناشپاتی زمین پر گر پڑی۔

یہ موسمِ خزاں تھا۔ اب نہ ہی اوتیلی اور نہ ہی آلڈو نو عمر تھے، مگر پھر بھی انھیں رفاقت کی خوشی حاصل تھی۔ بھلا کون جانتا ہے کہ اس سے قبل بھی انھوں نے الگ الگ کتنی خوشی پائی ہوگی۔ آہ! وہ آزادانہ خوشی، وہ خاص لمحات ! لت کو ان پر رشک آرہا تھا۔ خوشی کے اس انتہائی لمحے کے حصول کے لیے وہ آلڈو کی طرح اتنا بڑا، جوان، خوب صورت اور پرانے زمانے کے مجسمے کی طرح کا ہونا چاہتا تھا۔ وہ اپنے اندر جنون کی حدوں تک کھولتا ہوا خون محسوس کرنا چاہتا تھا۔ ہائے ! شمال نے تو اس میں سب کچھ جما رکھا ہے۔ اس میں اپنی خوشی کے لمحے سے بلا جھجک فائدہ اٹھانے کی جراُت باقی نہ رہی تھی۔

اب اس نے اپنی بیوی کو دیکھا تو اچانک اس کی روح مطمئن ہوگئی کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ اس میں ابھی تک افسردگی باقی تھی اور خوف اس کا فطری نتیجہ تھا جس کا اسے کوئی علاج دکھائی نہ دیتا تھا۔ چناں چہ اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

اس کے دل میں ایلی کے لیے اس قدر سوز و گداز پیدا ہوا کہ وہ اپنی روح کو ایلی کی روح کی بہن سمجھنے لگا۔ بے باکی اس کے حصے میں نہ تھی۔ وہ ہمیشہ گزری ہوئی چیزوں کا دباؤ محسوس کیا کرتا تھا اور یہ بات اس کے لیے روک بنی کہ بے خود ہو کر زندگی کو اپنے بازوؤں میں جکڑ لے۔ اس نے انگوروں کے گچھے کی ٹہنی پھینک دی اور آلڈو کے پیچھے چل دیا جس نے اسے کمرے میں بلایا تھا۔

اطالوی نے مہربانی ظاہر کرتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا، ''تیری بیوی کی فرمائش پر اوتیلی گانا گا کر سنائے گی۔'' آلڈو کے جنوبی علاقے کے رہنے والوں کے لب و لہجے میں فرانسیسی زبان کی ملائم جذباتیت پائی جاتی تھی۔

اوتیلی نے بیٹھک میں پہلے سے ہی گانا شروع کر دیا تھا۔ وہ خود ہی ساز بجاتی اور گانا گاتی تھی۔ اس کی خوب صورت آواز، جو بڑے بڑے ہالوں میں گانے کے لیے سنواری گئی تھی، ایک لہر کی طرح جاتے ہوئے باغ کی ہَوا کو دھڑکا رہی تھی جس سے خوشی کا ارتعاش پیدا ہوتا تھا۔ یہ کسی ایسے اطالوی شاعر کا کلام تھا جسے لت نہ جانتا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ اوتیلی خود شعر کہہ کہہ کر گا رہی ہے۔ اس گانے میں ایک ایسا مصرعہ بھی تھا جو پہلے آہستگی اور نرمی سے شروع ہو کر گونج ظاہر کرتا اور پھر دفعتاً یوں ساکن ہو جاتا جیسے کوئی پری جنگل کے دیوتا کی آغوش میں گر جائے۔

''اچھا، مَیں کسی اور موقع پر گانا سناؤں گی،'' اوتیلی بولی۔ ''یہ تو صرف ایک گونج تھی۔ ہاں، زندگی کی ایک پُکار۔ اس سے زیادہ نہیں۔''

پھر وہ کھانے کی میز پر چلے گئے۔ سورج کی گرمی اور ہَوا کی شدت برداشت کرنے کے بعد ان کی بھوک بڑھ چکی تھی اور زعفرانی رنگ کا کھانا ان کی اشتہا بڑھا رہا تھا۔ میز پر سادگی سے طرح طرح کے پھل رکھے تھے جو سب کے سب ان کے باغ کی برکت کا نتیجہ تھے۔

''لت،'' دفعتاً ایلی نے کہا۔ ''مجھے علم نہیں کہ یہ کیا ہے، مگر مَیں نے اس سے جنوب کو محسوس کرنا شروع کر دیا ہے۔''

''ہم غریب لوگ، شمال کے رہنے والے،'' لت نے جواب دیا۔

''آلڈو، یہ اب جنوب کو محسوس کر رہا ہے،'' اوتیلی نے کہا۔

"اور مَیں بھی،" ایلی نے کہا۔

"ایلی، اٹلی میں داخل ہونے سے پہلے، نیس تمہارے لیے درس گاہ کا کام دے رہی ہے،" اوتیلی بولی۔ "کیا تم یہاں کی ہَوا میں جنوب کومحسوس کرتی ہو؟"

"ہاں، ہَوا میں اور خود میں۔"

"ہم میں مشرقی خون ہے،" اوتیلی بولی۔ "اس لیے ہم جنوب کو بھلا کیوں محسوس نہ کریں۔ آلڈو وتو شمال کو بھی محسوس نہ کرسکتا تھا۔ ایک دفعہ یہ سٹاک ہالم گیا تھا جہاں مَیں نے گانا گایا تھا۔"

"کیا تم نے فضا میں شمال کومحسوس نہیں کیا تھا؟" لت نے پوچھا۔

"مجھے تو بہت سردی لگی تھی کیوں کہ ہم سردیوں میں گئے تھے۔ اس سے زیادہ اس وقت مَیں نے محسوس نہیں کیا تھا۔ آپ شمال کے رہنے والے زیادہ حساس ہیں۔ ہم اتنے حساس نہیں۔ شاید ہم اتنے سنجیدہ و متین بھی نہیں۔ ہم زیادہ بے باک ہیں۔ ممکن ہے تمھاری فطرت میں چھوٹی چھوٹی باتوں کومحسوس کرنے کی حس ہم سے زیادہ ہو، مگر مَیں کچھ محسوس کروں تو کُلی طور پر محسوس کرتا ہوں اور اب اوتیلی بھی کچھ محسوس کرے تو کُلی طور پر کرتی ہے، لیکن پہلے ایسی نہ تھی۔"

"آلڈو نے تو مجھے ایک جنوبی ملک کا باشندہ بنا دیا ہے،" اوتیلی نے کہا۔ "اس نے میرے تمام خام خیالوں اور احساسات کو باہر نکال پھینکا ہے۔"

باہر آندھی چڑھی جس سے پیتل کی مانند چمکتے ہوئے پتے بگولے کی صورت اِدھر اُدھر اُڑنے لگے۔ اوتیلی پکار اُٹھی، "یہ ہے موسمِ خزاں۔"

"اب تو موسمِ سرما شروع ہو جائے گا،" لت بولا۔ "لیکن یہاں موسمِ سرما میں زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں اور اس سے سب کچھ نیا ہو جاتا ہے۔ زندگی ہر روز نئی ہوتی رہتی ہے۔ ہر آنے والے دن میں زندگی کی ایک نئی روح دکھائی دیتی ہے۔"

"کوئی موت نہیں ہوگی بلکہ جی اُٹھنا ہوگا،" لت نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کوئی موت نہیں، یہ تو ایک جاری وساری دَورِ تناسخ ہے،" اوتیلی کی آواز میں یقین پایا

جاتا تھا۔ ''اب بے محابا گلے لگ جانے کا وقت ہے۔''

میرے لیے تو یہ ایسا لمحہ نہیں۔ لت نے سوچا۔ پھر اس نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا جس کی آنکھیں پیلی شراب کی وجہ سے چمک رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر، جو عام طور پر سفید سا رہتا تھا، سُرخی کے آثار ہویدا تھے اور وہ آلڈو اور اوتیلی کے ساتھ ہنسی ٹھٹھا کر رہی تھی۔ لت نے اسے پہلے ایسے نہ دیکھا تھا۔ وہ نہایت حسین لگ رہی تھی اور بڑی جرأت سے اطالوی زبان کے فقرے بول رہی تھی جن کی آلڈو مسکراتے ہوئے تصحیح کر رہا تھا۔ لت سوچنے لگا: مستقبل کا علم تو خدا کو ہی ہے، مگر یہ بڑی خوشی کا وقت ہے اور ان دنوں کو میں کبھی نہ بھولوں گا۔ میں اس قدر خوش ہوں جتنا ہو سکتا ہوں۔ ایلی بھی یقیناً خوش ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے پہلے یہ کسی بوجھ کے نیچے دبی ہوئی تھی جو اب دور ہو چکا ہے چناں چہ اب یہ دوبارہ سانس لینے کے قابل ہے۔ در حقیقت ایلی اٹلی جا کر ہی خوش ہو گی۔ جب ہم وہاں اکٹھے کام کریں گے تو ہمیں حقیقی خوشی حاصل ہو گی۔

آلڈو جب گلاسوں میں شراب ڈال رہا تھا تو لت نے سرگوشی کی، ''ایلی۔''

''کیا؟'' ایلی نے پوچھا۔

''کیا تم نے ابھی ابھی جنوب کو محسوس کیا ہے؟''

''ہاں، لت، بے شک۔''

''بہت خوب، مَیں ... مَیں بہت خوش ہوں۔''

وہ مسکرا دی اور اس کا ہاتھ دبا کر کہنے لگی، ''مَیں بھی زندگی کا یہ لمحہ کبھی نہ بھولوں گی خواہ مستقبل کیسا ہی کیوں نہ ہو۔''

جاتا تھا۔ ''اب بے محابا گلے لگ جانے کا وقت ہے۔''

میرے لیے تو یہ ایسا لمحہ نہیں ۔لت نے سوچا۔ پھر اس نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا جس کی آنکھیں پہلی شراب کی وجہ سے چمک رہی تھیں۔ اس کے چہرے پر، جو عام طور پر سفید سا رہتا تھا، سُرخی کے آثار ہو یدا تھے اور وہ آلڈو اور اوتیلی کے ساتھ ہنسی ٹھٹھا کر رہی تھی۔ لت نے اسے پہلے ایسے نہ دیکھا تھا۔ وہ نہایت حسین لگ رہی تھی اور بڑی جرأت سے اطالوی زبان کے فقرے بول رہی تھی جن کی آلڈو مسکراتے ہوئے تصحیح کر رہا تھا۔ لت سوچنے لگا: مستقبل کا علم تو خدا کو ہی ہے، مگر یہ بڑی خوشی کا وقت ہے اور ان دنوں کو میں کبھی نہ بھولوں گا۔ میں اس قدر خوش ہوں جتنا ہوسکتا ہوں۔ ایلی بھی یقناً خوش ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے پہلے یہ کسی بوجھ کے نیچے دبی ہوئی تھی جو اب دور ہو چکا ہے چناں چہ اب یہ دوبارہ سانس لینے کے قابل ہے۔ در حقیقت ایلی اٹلی جا کر ہی خوش ہوگی۔ جب ہم وہاں اکٹھے کام کریں گے تو ہمیں حقیقی خوشی حاصل ہوگی۔

آلڈو جب گلاسوں میں شراب ڈال رہا تھا تو لت نے سرگوشی کی، ''ایلی۔''

''کیا؟'' ایلی نے پوچھا۔

''کیا تم نے ابھی ابھی جنوب کو محسوس کیا ہے؟''

''ہاں، لت ۔ بے شک۔''

''بہت خوب، مَیں ... مَیں بہت خوش ہوں۔''

وہ مسکرا دی اور اس کا ہاتھ دبا کر کہنے لگی، ''مَیں بھی زندگی کا یہ لمحہ کبھی نہ بھولوں گی خواہ مستقبل کیسا ہی کیوں نہ ہو۔''

۱۷

نہایت سرد ہَوا چل رہی تھی اور چاروں طرف ہَوا میں برف اُڑ رہی تھی۔ خالہ ستیفانی نے گھر سے باہر نہ جانے کا فیصلہ کیا۔ اسے کھانسی کی شکایت تھی اس لیے وہ ڈر رہی تھی کہیں یہ اس کے لیے آخری موسمِ سرما نہ ہو۔ وہ سوچنے لگی کہ ہر ایک اماں جی اور تکمہ کی طرح اتنی بڑی عمر تو نہیں پاتا اور اب مَیں ستر برس کی ہو چکی ہوں۔ کیا یہ کافی عمر نہیں ہے۔ موت سے خوف کھانے کی وجہ سے وہ ابھی مرنا نہ چاہتی تھی۔ وہ ہر وقت نگاہوں کے سامنے جہنم کا خوف ناک منظر پاتی۔ وہ سوچتی انسان خواہ کتنا ہی پرہیز گار و متقی کیوں نہ ہو اسے اپنے حشر و انجام کے متعلق کوئی علم نہیں ہوسکتا۔ وہ خدا تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ادا کرتی تھی کہ وہ بغیر کوئی قابلِ ملامت فعل کیے اس پیرانہ سالی کو نہایت سکون اور اطمینان سے پہنچ چکی ہے۔ نہ تو اس کا خاوند ہے اور نہ ہی کوئی بچے اور نہ ہی اس کے ذمے کوئی قرض ہے۔ اسے کوئی بڑا صدمہ بھی نہ پہنچا تھا۔ ہاں دو دفعہ اس کی چہیتی بلی گم ہوگئی تھی۔

جب وہ پرندوں کو پنجروں میں بوڑھے ہوتے اور پر کھوتے دیکھتی تو اس کا دل بھر آتا تھا۔ وہ انھیں اس طرح کئی برسوں تک دیکھتی رہی تھی حتیٰ کہ ایک روز صبح کے وقت اس نے ان میں سے ایک کو مرا ہوا پایا اور اس کا جسم اکڑا ہوا تھا۔

وہ اس بات پر بہت افسوس کیا کرتی تھی کہ اس کے خاندان کے لوگ لامذہب سے ہیں، مگر دے لادرس والے ہمیشہ سے مذہبی رہے ہیں۔ جب اسے علم ہوا کہ اس کی بہن تھیریس نے پیرس جا کر کیتھولک مذہب اختیار کرلیا ہے تو اسے نہایت افسوس ہوا، اسے یقین تھا پوپ کا مذہب مشرکانہ مذہب ہے اور کلوِن والوں کا عقیدہ درست ہے۔ وہ ہمیشہ سے روپیہ پیسہ جمع کرتی رہی تھی۔ اس کے پاس اس رقم کا صحیح مصرف نہ تھا اس لیے اس نے کئی ایک وصیتیں کی ہوئی تھیں۔ کبھی تو رقم کسی کے نام ہبہ کروا دیتی اور کبھی اسے منسوخ کر دیتی تھی۔ اس کی صحت

طویل عرصے تک بہت اچھی رہی تھی۔ وہ چھوٹے قد کی سکڑی ہوئی سی، مگر پھر تیلی تھی۔ کام دھندوں میں مصروف وہ ایک چھوٹے پرندے کی مانند معلوم ہوتی تھی۔ اس کا رنگ گندمی اور جھریوں بھرا چہرہ کسی چڑیل سے ملتا تھا اور سینہ اندر کو دھنسا ہوا تھا وہ اپنی ماں سے کسی طرح بھی نہ ملتی تھی جو باوجود اتنی بوڑھی ہونے کے ابھی تک باوقار اور بارعب دکھائی دیتی تھی۔ اس کی زندگی کا خشک کھیت ہر قسم کی دلولہ انگیزی سے ویران پڑا تھا اور وہ خودستائی کرتے کرتے خشک سے خشک تر ہوتی چلی گئی تھی۔ نہ تو اسے کسی کھوئی ہوئی چیز کا افسوس تھا اور نہ ہی وہ اپنی ذات میں کسی چیز کی کمی محسوس کرتی تھی۔ ہاں، اس سے بہت خوش رہا کرتی تھی کہ اس کے دل میں خدا کا خوف ہے۔ وہ شکر کرتی تھی کہ خداوند کریم نے اسے روح کی بہتری کے لیے کافی وقت عطا فرمایا ہے۔ اس نے اعلیٰ کتابیں پڑھنے اور پرندوں کے زور زور سے چہچہانے کے درمیان گناہ کی آہٹ تک نہ سنی تھی۔

وہ اکثر کہا کرتی تھی خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے دیریکس والوں کی طرح میرا کبھی سر نہیں پھرا اور اس پر بہت زیادہ خوشی کا اظہار کرتی تھی۔ وہ، اپنی معصومیت سے، دماغ پھرنے کو دیریکس خاندان کی طرف منسوب کرتی تھی اور اس کی وجہ اپنی ماں کو نہ سمجھتی تھی۔ اپنی ماں کے ذکر پر وہ سر دھنتی تھی کہ باوجود اتنی عمر پانے کے وہ جنت اور دوزخ کا خیال کم ہی دل میں لاتی ہے اور اس نے اپنے پہلے گناہوں کی یاد کی خاطر بوڑھے تکمہ سے تعلق نہیں توڑا۔ آنتون ایک گندہ اور بوڑھا پاجی ہے۔ ایک مہینہ ہوا باوجود اس قدر بوڑھا ہونے کے اس نے ایک نہایت ہی قبیح فعل کا ارتکاب کیا تھا۔ وہ اپنی دھوبن کی نوعمر بچی کو چھیڑ رہا تھا۔ اس بات کا علم اسے دے ہر برخ والوں سے ہوا تھا اور ان کے درمیان آنے کی وجہ سے اسے اپنی حرکت کے نتائج بھگتنا پڑے اور کچھ پیسے دے دلا کر چھٹکارا ہوگیا۔ پھپھی ستیفانی آنتون کے اس فعل کو گناہِ کبیرہ خیال کرتی تھی اور افسوس کیا کرتی تھی کہ اس نے اپنے آپ کو شیطان لعین کے حوالے کیا ہوا ہے۔ اسے اس کی بہتری کی کوئی راہ نظر نہ آتی تھی اور وہ سوچا کرتی تھی کہ اگر اس کے پاس دولت نہ ہوتی تو وہ اس سے قطع تعلق کرلیتی۔ وہ ڈرتی تھی کہ وہ اپنی دولت کہیں گناہ کے کاموں میں نہ خرچ کر

ڈالے یا گنہگاروں کے حوالے کر جائے جب کہ عینا اس دولت سے کئی ایک اچھے کام کر سکتی ہے۔ اور اب اس نے موسم کی خرابی کے باوجود باہر جانے کے لیے بگھی بلوا بھیجی۔ اس نے سوچا پہلے آنتون کے گھر اسے لینے کے لیے جائے گی جیسا کہ طے تھا اور پھر اسے ساتھ لیتے ہوئے فان ویلی اور للّی اور فرتس کے گھر اپنے پوتوں کو دیکھنے جائے گی۔ بچوں کا خیال آتے ہی غیر شادی شدہ بوڑھی عورت کے نفس پرست دل میں رقت پیدا ہوئی کیوں کہ ان سب کے ساتھ اس کا کسی نہ کسی طرح سے تعلق تھا۔ وہ آنتون کے مُنھ بولے بچے پر بھی حکمرانی کرتی تھی۔ خوش ہوتی تھی کہ آنتون کو وہ بچہ بدکاری کیے بغیر مل گیا۔ دراصل وہ میاں بیوی کے تعلقات کو بھی ارتکابِ گناہ ہی خیال کرتی تھی۔ یہی وہ وجہ تھی وہ اپنے بلوں کو بھی خصی کرا دیتی تھی اور جو بلے بلیاں مکانوں کی چھتوں پر ایسے کام کرتے دکھائی دیتے تھے انھیں نا قابلِ برداشت سمجھتی تھی۔ ایک دفعہ جب دو نر پرندوں نے غلطی سے جفتی کرنا چاہی اور انھیں اس میں کامیابی نہ ہوئی تو یہ دل ہی دل میں بہت خوش ہوئی کہ وہ نا کام کوشش کے بعد چیخ وپکار کر کے اپنی اپنی ٹہنیوں پر جا بیٹھے تھے۔

بگھی آ گئی اور پھُپھی ستیفانی باوجود خرابیٔ طبع کے ایک پرانا فرکوٹ پہن کر پھرتی سے پائیدان پر پاؤں رکھ کر اوپر چڑھ گئی اور خیال کرنے لگی کیا اب میری موت قریب آ گئی ہے اور مَیں بیمار ہو کر مر جاؤں گی؟ کاش مجھے حصول جنت کا کسی طرح تعین ہو جائے۔ جب تک مجھے اس کا یقین نہیں آتا مَیں جینے کو مرنے پر اور، تکمہ اور ماں کی طرح، بوڑھے ہو جانے کو موت پر ترجیح دوں گی۔

بگھی آنتون کے گھر کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ وہ سوچنے لگی آیا مَیں اس میں بیٹھے رہتے ہوئے اس کا انتظار کروں یا اتر کر اندر جاؤں۔ اس نے بگھی سے اُتر کر اندر جانا چاہا ہی تھا کہ ایک عورت نے دروازہ کھولا جہاں آنتون دو کمرے کا مکان کرایے پر لے کر رہ رہا تھا۔ جب وہ نیچے اُتر رہی تھی تو کوچوان نے اُترنے میں اس کی مدد کرنا چاہی، مگر اس نے اسے پسند نہ کیا اور خود ایسا کر کے مکان کی طرف گئی۔ اس کے ٹوپ اور کوٹ پر برف کے گالے پڑے

تھے۔ اس نے گھر میں جا کر دیکھا کہ آنتون جلتے ہوئے چولہے کے پاس بیٹھا پائپ پی رہا ہے اور مطالعے میں مشغول ہے۔ اس کا کمرا دھویں سے بھرا پڑا تھا۔

''آنتون، کیا تُو میرا منتظر تھا؟ کیا ایسا نہیں ہے... '' وہ پھدکتی ہوئی آمرانہ لہجے میں باتیں کرتی قریب آ گئی۔ اس کی آواز میں ذرا ترشی بھی تھی اور اس کا چڑیل سا چہرہ پرانے فر کوٹ میں کانپ رہا تھا کیوں کہ اسے سخت سردی محسوس ہو رہی تھی۔

''ہاں، ہاں،'' دیکس آنتون نے اپنی جگہ پر بیٹھے جواب دیا اور بولا، ''ستیفانی، تُو بیٹھے گی نہیں؟''

''انتون، باہر بگھی انتظار کر رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے فضول پیسے ضائع کیے جائیں۔''

''اس سے تُو غریب تو نہیں ہو جائے گی۔ کیا ان بچوڑوں کو دیکھنے جانا ضروری ہے؟''

''تیرے لیے اپنے مُنھ بولے بچے کو دیکھنا ضروری ہے اور ایسا کرنا مناسب بھی ہے۔ اس کے بعد ہم عینا اور للّی کے ساتھ دان اور فلور کو ان کے ہوٹل میں ملنے جائیں گے۔''

''ہاں، مَیں جانتا ہوں۔ ستیفانی، بتا تو سہی تُو مجھے یہاں چین سے بیٹھنے کیوں نہیں دیتی۔ تُو ہمیشہ حکمرانی کرنا چاہتی ہے۔ مَیں نہایت آرام سے بیٹھا مطالعے میں مشغول تھا۔''

انگیٹھی کی گرمی ستیفانی کے لیے خدا کی نعمت ثابت ہوئی۔ وہ اپنے سردی سے جمے ہوئے پاؤں چولہے کے سامنے رکھ کر انھیں گرم کر کے بہت خوش ہوئی، مگر پائپ کے دھوئیں سے اسے کھانسی شروع ہو گئی۔

''ہاں، ہاں، تُو بیٹھا پڑھ رہا ہے،'' وہ بولی۔ ''مَیں بھی مطالعہ تو کرتی ہوں، مگر تجھ سے بہتر کتب کا۔ آنتون، بھلا دکھا تو سہی تُو کیا پڑھ رہا ہے؟ کیا یہ لاطینی زبان میں لکھی ہوئی کتاب ہے؟ مجھے عِلم نہ تھا کہ تُو لاطینی پڑھ سکتا ہے؟''

''تجھے ابھی تک میرے متعلق تمام معلومات حاصل نہیں ہیں۔''

''خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ایسا نہیں ہے،'' ستیفانی نے ذرا تلخ ہو کر کہا۔ ''اور یہ لاطینی کتاب کس موضوع پر ہے؟''

''یہ گناہ آلود ہے،'' آنتون نے اسے چھیڑنے کے لیے کہا۔

''میرا بھی یہی خیال تھا، لیکن یہ ہے کیا؟''

''یہ قیصرِ روم کی سوانح حیات ہے۔''

''اچھا تو تم ان سوروں کی سوانح حیات پڑھ رہے ہو جنھوں نے شروع میں عیسائیوں کو شہید کیا تھا۔''

آنتون ذرا کُھل کر مسکرایا۔ وہ بھاری جسم کا انسان تھا۔ جب کُھل کر ہنسا تو اس کے رخساروں کی جلد، جو ڈھیلی پڑی تھی، خوب ہلنے لگی اور خوشی کی وجہ سے اس کی زرد بھوری مونچھیں سیدھی کھڑی ہو گئیں۔ وہ زرد زرد نگاہوں سے اپنی بہن کی طرف دیکھنے لگا جو کبھی بھی گوشت پوست کی نہ رہی تھی۔ وہ خیال کرنے لگا کہ اس نے کیا کچھ کھو دیا ہے۔ وہ اس کی نظروں میں بہت حقیر دکھائی دینے لگی۔ وہ آگے کو جھک کر بیٹھا ہوا تھا اور اس کے لکڑی کے تختوں کی طرح کے ہاتھ اس کے موٹے موٹے ٹخنوں پر پڑے تھے۔ اس کی صدری کُھلی تھی اور پتلون کے دو بٹن بھی کُھلے ہوئے تھے اور ستیفانی کو اس کی کمر بند دکھائی دے رہی تھی۔

''تمھیں تاریخ کا میرے تمھارے بارے میں اندازے سے زیادہ علم ہے،'' وہ چہک کر بولا۔

ستیفانی نے اس کی بات کو قابلِ اعتراض خیال کیا اور گھبرا کر کمرے میں چاروں طرف دیکھنے لگی۔ اس نے دیکھا کہ کتابوں کی الماریاں، جن سے پردے ہٹا دیے گئے تھے، کُھلی ہیں۔

''کیا تو یہ سب کتابیں پڑھ چکا ہے؟'' ستیفانی نے پوچھا۔

''مَیں نے انھیں دوبارہ بھی پڑھا ہے کیوں کہ مَیں پڑھنے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں کرتا۔''

پھر ستیفانی دے لادرس کی کھانسی بڑھنی شروع ہوئی۔ اس کے پاؤں خوب گرم ہو چکے تھے اور وہ ڈر رہی تھی کہیں بے ہوش نہ ہو جائے۔ وہ بہت کچھ برداشت کر سکتی تھی، مگر تمبا کو کے دھوئیں کو نہیں، اس لیے کہنے لگی، ''آنتون، اب ہمیں چلنا چاہیے؟''

۱۔ ستونیوس: (Suetonius)، رومن تاریخ دان۔

آنتون کو اس وقت ستونیوس[1] کا مطالعہ جانے کی نسبت زیادہ دل چسپ معلوم ہو رہا تھا، مگر ستیفانی نے اس کے بلند تخیلات میں خلل پیدا کر دیا تھا۔ وہ کسی حد تک کم زور قوتِ ارادی رکھتا تھا اس لیے وہ اسے جس بات پر چاہتی آمادہ کر لیتی تھی۔

''اچھا، مَیں ذرا مُنھ ہاتھ دھولوں،'' وہ بولا۔

''ٹھیک ہے، کیوں کہ تم سے تمبا کو کی سخت بو آ رہی ہے۔''

وہ مسکرا کر اُٹھ کھڑا ہوا اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے سونے کے کمرے کو گیا۔ کسی کو بھی اس کے خیالات کا علم نہ تھا۔ وہ جوں جوں بوڑھا ہوتا جاتا تھا توں توں اس کے تصورات کی دنیا وسیع سے وسیع تر ہوتی جا رہی تھی اور کوئی بھی نہ جان سکتا تھا اس کے خیالات کہاں گم ہو رہے ہیں۔

آنتون کی پوشیدہ دماغی قوتیں او خیالات ہمیشہ بیرونی دنیا سے اوجھل رہے۔ وہ اس بات سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ وہ نو جوانی سے ہی بہت مطالعہ کیا کرتا تھا اور اس کے ساتھ گفتگو کرنے والے اس کے علم کی گہرائیوں کو جاننے سے قاصر رہتے تھے۔ اس کی الماری میں افسانوں اور تاریخ کی کتابوں کے پیچھے یہودیوں کی مشہور کتاب قبالہ اور شیطان سے متعلق بھی چند مجموعے پڑے ہوئے تھے۔ وہ اپنے تصورات کی وجہ سے ان کتابوں میں بے حد دل چسپی رکھتا تھا کیوں کہ ان میں قدیم اور وسطی زمانے کے راز پوشیدہ تھے۔ اس میں یہ کمال تھا کہ وہ خود کو ان تاریخی اور قدیم شخصیتوں کی تجسیم خیال کرتا تھا جن سے خود کو مشابہ سمجھتا تھا اور یہ بات کوئی بھی جان سکتا تھا۔ لوگ صرف اتنا جانتے تھے کہ وہ اوسط درجے کا عہدے دار رہ چکا ہے اور خوب مطالعہ اور تمبا کو نوشی کیا کرتا ہے اور کبھی کبھی بُرے کام بھی کر لیتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ خود ایک سر بستہ راز تھا، مگر دوسرے کا راز معلوم کرنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ نہ اس کی والدہ کو، نہ تکمہ کو اور نہ ہی کسی اور کو اس بات کا علم ہو سکتا تھا۔

وہ سونے کے کمرے میں داخل ہوا۔ پھُپھی ستیفانی اٹھی اور پھدکتی ہوئی کتابوں کی الماری کی طرف جانکلی اور اس نے جلدی جلدی کتابوں کے نام پڑھنے شروع کیے اور تعجب کرنے لگی کہ

آنتون کے پاس کس قدر کتب ہیں۔ دیکھو تو سہی اس خانے میں ساری لاطینی کی کتابیں دھری ہیں۔ وہ حیران ہونے لگی کہ انتون کتنا تعلیم یافتہ ہے۔لیکن ان لاطینی کتب کے پیچھے اس نے کیا چھپایا ہوا ہے؟ آہا! ایک بڑا البم اور ایک بٹوا۔ یہ کیا ہے؟ ذرا اسے دیکھوں تو سہی۔

جلدی سے اس نے البم نکالا اور سونے کے کمرے کی طرف جھانکتے ہوئے اسے کھولا۔ اسے دیکھ کر وہ ازحد متحیر ہوئی اور دل میں کہنے لگی یہ شیطانی تصویریں کیسی ہیں اور یہ ننگی صورتیں؟ یہ دیواروں پر لٹکے ہوئے اور چھت کے ساتھ لگے ہوئے بتوں کے عکس تھے۔ انھیں دیکھتے ہوئے وہ سوچنے لگی کہ یہ عجیب قسم کے انسانی اعضاء اور اجسام کیسے ہیں؟ شاید یہ ہنسی مذاق کے طور پر بنائی گئی ہوں۔ بہر حال انھیں دیکھتے ہوئے اس کا چہرہ فق ہوگیا۔ وہ جلدی جلدی البم دیکھنے لگی تا کہ ساری دیکھ سکے اور جو اس کی دل کشی کا باعث ہوتا اسے دوبارہ دیکھنے کی سعی کرتی ۔ پرانے زمانے کی یہ گمراہی اور ضلالت اس کی نگاہوں کے سامنے پہلی بار آئی تھی۔ اس قسم کے گناہوں کا اسے پہلی بار ہی علم ہوا تھا کہ انسان، درندہ اور وحشی انسان ، اس قسم کے قبیح افعال کا بھی مرتکب ہوسکتا ہے۔ وہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتی تھی۔ ایک شیطانی منظر اس کی نگاہوں کو مسحور کر رہا تھا اور اس کی کانپتی ہوئی انگلیوں میں وہ البم تقریباً جل رہی تھی۔

''تُو وہاں کیا کر رہی ہے؟'' جب اس نے آنتون کی آواز سُنی تو ڈر کر چیخ ماری اور البم اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔

''کیا تُو پھر جانچ پڑتال کر رہی تھی؟ آنتون بولا۔

''دیکھنے میں کوئی مضائقہ تو نہیں،'' ستیفانی بولی۔''مَیں کوئی نامناسب حرکت تو نہیں کر رہی۔''

آنتون نے البم اٹھا کر لاطینی کی کتابوں کے پیچھے پھینک دیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مسکرایا اور بولا: '' تو تُو نے پھر کیا دیکھا ہے؟''

''مَیں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا،'' وہ تتلاتے ہوئے بولی۔'' تم آگئے ہو اور تم نے مجھے ڈرا دیا ہے۔مَیں نے تو کچھ بھی نہیں دیکھا... کیا تم تیار ہو؟ کیا ہم چلیں؟''

وہ اپنا بٹنوں والا کوٹ پہنے اس کے پیچھے پیچھے ہولیا۔

۱۸

عینا دے ہر برخ اپنے داماد فرتس اور بیٹی للّی فان ویلی کے چھوٹے سے مکان میں ان کا انتظار کر رہی تھی۔ فرتس ایک ادنیٰ فوجی عہدیدار تھا، للّی سنہری بالوں والی ہنس مکھ ماں تھی جو دوسرے بچے کی پیدائش کے بعد دلیرانہ بستر سے اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ان کے دو بچے تھے۔ ستیف ایک برس کا اور آنتو نیت دو ہفتے کی۔ دایہ موٹی اور بھاری بھرکم تھی۔ نوکرانی چھوٹے بچے کے ساتھ مصروف تھی اور دوپہر کے کھانے کی میز ابھی تک اُٹھائی نہ گئی تھی۔ بچوں کی وجہ سے بہت دوڑ دھوپ اور شور شرابا ہو رہا تھا۔ ایک زمین پر گھسٹ رہا تھا تو دوسرا زور زور سے چلا رہا تھا جسے دایہ چپ کرانے کی کوشش میں اپنی توند ہلا ہلا کر گھر میں ہر جگہ کو پُر کر رہی تھی۔ اُدھر نوکرانی سے دودھ جل گیا۔ اس نے کھڑکی کھول دی تا کہ تازہ ہَوا اندر آ سکے۔ جب ہَوا کا جھونکا زور سے اندر آیا تو عینا بولی، ''تو کیا جھکڑ چلا رہی ہے، کھڑکی بند کر۔ پھُپھی اور چچا اندر تشریف لے آئے ہیں۔''

یانسے کو معلوم تھا کہ آنتون اور ستیفانی بچوں کے ولی مقرر ہوئے ہیں اس لیے وہ دوڑتی ہوئی دروازے کی طرف گئی اور دودھ ابلتا ہوا چھوڑ گئی اور کھڑکی بند کرنا بھی بھول گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بوڑھوں کا سرد ہَوا کے جھونکے سے استقبال کیا گیا۔

بیٹھک میں یانسے نے آگ تو جلائی تھی، مگر وہ بجھ چکی تھی اس لیے فرتس اور للّی، جو بوڑھوں کی مرضی کے مطابق ان کا قیام خوشگوار بنانا چاہتے تھے، انھیں کھانے کے کمرے میں لے گئے۔ وہاں یانسے سے جلدی جلدی میز اٹھانے کی کوشش میں ایک پلیٹ گر کر ٹوٹ گئی۔ یانسے نے چیخ ماری اور بولی، '' ہائے، یہ کیا ہوا؟'' اس پر للّی اسے لعن طعن کرنے لگی۔ عینا نے افسوس سے فرتس کی طرف دیکھا۔

فرتس کے لیے اپنے اس چچا کا ادب اور احترام کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا جسے وہ

انتہائی طور پر بُرا سمجھتا تھا۔ للّی بھی جو اس کو لمبے لمبے بوسوں کی وجہ سے ناپسند کرتی تھی، چچا کے ساتھ ناز و نخرے کرنا پڑتے تھے کیوں کہ اس کی والدہ نے اسے ایسا کرنے کی تلقین کی ہوئی تھی۔ للّی فرتس کے ساتھ پیسے کے بغیر شادی کر چکی تھی، مگر انھیں جلدی معلوم ہوگیا کہ دولت سے بے پروائی نہیں برتی جاسکتی اور جن سے انھیں کچھ حاصل ہوسکتا تھا وہ چچا آنتون اور پھُپھی ستیفانی ہی تھے۔

بوڑھے کا مزاج، جسے اس کی بہن اس کی مرضی کے خلاف ساتھ کھینچ لائی تھی، للّی کو لمبے بوسے دینے کی وجہ سے بہتر ہوگیا تھا۔ وہ لکڑی کے تختے کی طرح گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا ہوا آہستہ آہستہ ہنس رہا تھا۔ جب دایہ نے چھوٹے بچے کو اس کے سامنے پیش کیا تو وہ اس کی تعریف میں سر ہلانے لگا۔

بالعموم وہ نوعمر اور تر و تازہ لڑکوں کو دیکھ کر حسد کرتا تھا اور نو جوانوں کو دیکھ کر اس کے دل میں ایک ولولہ سا اُٹھا کرتا تھا، لیکن فرتس اور للّی کو دیکھ کر وہ دل ہی دل میں خوش ہو رہا تھا اور خیال کر رہا تھا کہ یہ ادنیٰ فوجی عہدیدار اپنی بیوی کے حق میں یقیناً اچھا ہوگا۔ اس نے پہلے للّی اور پھر فرتس کی طرف دیکھ کر سر ہلایا گویا انھیں اچھی طرح سمجھتا ہے۔ للّی اور فرتس کھول بیٹے سے اس کی طرف مُنھ کر کے مسکرائے، مگر اس نے اسے بالکل نہ سمجھا۔

وہ عینا کو پسند نہ کرتا تھا اور اس کے ساتھ اس کی بنتی نہ تھی، لیکن جب سے دی ہر برخ نے دھوبن کی لڑکی کے معاملے میں اسے چھڑایا تھا وہ اس کے ساتھ محبت کا سلوک کرتا تھا۔

اس کے ہنسنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان کی چاپلوسی کی وجہ جانتا تھا اور دل ہی دل میں اس لیے خوش ہو رہا تھا کہ وہ لوگ رائیگاں تگ و دو کر رہے ہیں۔ وہ ان کے لیے اپنی دولت کا چھوٹا سا حصہ بھی چھوڑ کر نہ جائے گا اور اپنے اس ارادے کو نہ تو ستیفانی پر اور نہ ہی کسی اور پر ظاہر کرے گا۔ لہٰذا وہ اپنی تعریفیں سُن کر خوش ہو رہا تھا۔ جب فرتس نے اس کا کوٹ اتروانے کے بعد اس کے سامنے جامِ شراب رکھا تو یہ اسے بناوٹ خیال کر کے موزوں طریقے سے ہنس دیا اور اس نے یوں خوشی کا اظہار کیا گویا وہ بہت اچھا بوڑھا چچا ہے جو بچوں سے محبت کرتا ہے، مگر

دل میں کہہ رہا تھا انھیں مجھ سے ایک دمڑی بھی نہیں ملے گی۔ اس خیال سے وہ اتنا خوش ہوا کہ اس نے موٹی دایہ کو اڑھائی گلڈرز کی بخشش دے دی۔ ستیفانی، عینا اور جوان میاں بیوی نے چچا کو ایسا کرتے دیکھ کر اسے وسیع القلب خیال کِیا اور انھوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالنے میں غلطی کھائی کہ وہ اپنے داؤ میں کامیاب ہوگئے ہیں۔ مگر وہ دل ہی دل میں کہنے لگا، بھلا مجھے ان نوجوانوں سے کیا واسطہ؟ کیا انھیں ان کی جوانی کافی نہیں؟ کیا انھیں ان کے تروتازہ جسم کافی نہیں کہ یہ میرے چند ہزار گلڈروں کو حاصل کرنے کے لیے تاک لگائے بیٹھے ہیں؟

عینا نے سرد آہ بھر کر کہا، ''چچا دان اور چچی فلور بھی کل انڈونیشیا سے واپس آگئے ہیں۔ ہم اکٹھے انھیں ملنے جائیں گے۔ ٹھیک ہے نا، ستیفانی؟''

''ہاں، ہم ذرا ٹھہر کر جائیں گے،'' للّی نے کہا۔ ''چچا آنتون، آپ کا کیا خیال ہے؟''

''ہاں، یقیناً، بچی۔''

''فرتس دفتر سے ہو کر بعد میں آئے گا۔ اچھا تو مَیں ذرا کپڑے بدل لوں۔ چچا آپ کی بڑی محبت اور مہربانی ہے کہ آپ ہمارے بچے کو دیکھنے کے لیے تشریف لائے ہیں۔ آپ کافی دیر سے آنے کا وعدہ کیے ہوئے تھے اور آتے آتے اتنا وقت بیت گیا۔ مَیں بالکل ناامید ہونے لگی تھی۔''

''بچی، تجھے معلوم ہے کہ چچا ہمیشہ اپنا وعدہ پورا کِیا کرتا ہے،'' اس نے نہایت رقت آمیز لہجے میں کہا اور جب وہ اس کے پاس سے گزرنے لگی تو اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچ کر ایک لمبا بوسہ دیا جس سے اس پر کپکپی طاری ہوگئی اور وہ جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئی اور ڈیوڑھی میں، جہاں اس کا خاوند تلورا لگا رہا تھا، چلی گئی۔

فرتس غصے سے بولا، ''تو اس گندے بوڑھے فرتوت کو کیوں بوسہ لینے دیتی ہے؟''

''کیا مَیں اس کے خلاف کچھ کر سکتی ہوں؟ مجھے تو اسے دیکھ کر ہی قے آنے لگتی ہے۔''

وہ دھڑام سے دروازہ بند کر کے باہر چلا گیا اور خیال کرنے لگا کہ اس کی جوانی کی خوشی مال کی کمی کی وجہ سے یوں ذلت اٹھاتے ہوئے برباد ہو رہی ہے۔

عینا، پھُپھی اور چچا بیٹھک میں بیٹھے للّی کا انتظار کر رہے تھے۔

'' چچا دان کے پاس کافی دولت ہوگی،'' عینا نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے کہا۔'' ابا جی کو علم ہوسکتا ہے، مگر وہ تو کبھی روپے پیسے کے بارے میں گفتگو نہیں کرتے چناں چہ وہ دان کی جائیداد کے متعلق نہیں بتاتے۔''

'' تیرے نزدیک اس کی کتنی جائیداد ہوگی؟'' ستیفانی نے سوال کیا۔

'' پھُپھی جی، دراصل مَیں روپے پیسے کے متعلق بات کرنا پسند نہیں کرتی اور نہ ہی مجھے چچادان کی دولت کا صحیح اندازہ ہے تاہم میرا خیال ہے کہ ان کی جائیداد کم از کم سات لاکھ گلڈر ہوگی۔ لیکن یہ سردیوں کے موسم میں اچانک ہالینڈ کیوں آتے ہیں؟ ابا جی کہتے تھے کام کے سلسلے میں آتے ہیں۔ ممکن ہے انھیں حقیقت کا علم ہو، مگر آپ کو معلوم ہے کہ ابا جی کبھی بھی اپنے کاروبار کے متعلق زیادہ بات نہیں کرتے۔ ہاں، میرے دل میں شک پیدا ہو رہا ہے کہ شاید چچا دان کا کاروبار تباہ ہوگیا ہو۔ اگر ایسی بات ہوئی ہوتو، یاد رکھیں، وہ ابا جی پر ہی بوجھ بنیں گے۔''

چچا دان اور چچی فلور انڈونیشین تھے اس لیے عینا انھیں کسی کو ملانے کے قابل خیال نہ کرتی تھی۔ علاوہ ازیں ان کے اپنے بچے بھی کافی تھے اس لیے کوئی اور ان کا وارث نہ ہوسکتا تھا۔ عینا کو چچی سے انتہائی نفرت تھی وہ اس کی دولت کی وجہ سے حسد کرتی تھی۔ لہٰذا جہاں تک ممکن ہوتا اس کی بدخوئی کرتی رہتی۔

'' کیا تُو ایسا خیال کرتی ہے؟'' پھُپھی ستیفانی نے پوچھا۔

'' وہ شروع سے ہی مشترکہ کاروبار کرتے رہے ہیں۔ اگر چچا دان کا کاروبار تباہ ہوگیا ہے تو وہ یقیناً ابا جان پر بوجھ بنیں گے،'' عینا نے جواب دیا۔

'' ہاں، اگر اس کے پاس سات لاکھ گلڈرز نہ ہوں تو،'' آنتون نے کہا۔

'' جی ہاں، تبھی،'' عینا نے للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔'' شاید اس کے پاس سات لاکھ نہ ہوں، لیکن مجھے علم نہیں۔ مجھے بھلا اس سے کیا واسطہ کہ کسی کے پاس کتنی دولت ہے؟''

للّی فراک اور شال پہن کر آئی جس میں وہ نہایت خوب صورت دکھائی دے رہی تھی ۔

اب چاروں بگھی کی طرف چل دیے، یانسے کے دروازہ کھولنے کی وجہ سے ہَوا کے جھونکے پے در پے اندر آرہے تھے۔ عینا نے کہا،'' چچا اور پھُپھی ستیفانی آگے بیٹھ جائیں اور مَیں اور للّی پیچھے۔''

بگھی اس بڑے بورڈنگ ہاؤس کے دروازے کے سامنے ٹھہری جہاں چچا دان قیام کِیا کرتا تھا۔ انھیں فوراً چچا دان کی طرف بھیج دیا گیا۔ چچی فلور نے کھڑکی سے انھیں آتا دیکھ کر ایک نوکرانی کو دروازے پر متعین کر دیا ہوا تھا۔ وہ پکاری:

'' اندر آیئے، اندر تشریف لائیں۔ ستیفانی، کیا حال ہے؟ آنتون تیری صحت کیسی ہے؟ عینا، تم کیسی ہو؟ خدایا! اس چھوٹی کے بھی دو بچے ہو چکے ہیں۔''

چچی فلور ایک دیوان پر لیٹی ہوئی تھی۔ وہ اپنی جگہ سے ذرا نہ سرکی کیوں کہ ایک دوسری نوکرانی اس کی موٹی موٹی ٹانگوں کی مالش کررہی تھی۔ اس کے لچک دار ہاتھ مالکہ کی ٹانگوں پر پُھرتی سے پھسل رہے تھے۔

'' مجھے تو سردی لگ رہی ہے،'' چچی فلور نے شکایتاً کہا گویا یہ کسی کے اختیار کی بات ہو۔ '' پیرس سے آتے ہوئے مجھے گاڑی میں زکام ہوگیا تھا۔ مَیں تمھیں یقین دلاتی ہوں کہ مَیں لکڑی کے تختے کی طرح اکڑ گئی ہوں۔ پتا نہیں دان کو سردیوں کے موسم میں ہالینڈ آنے پر کون سی چیز آمادہ کرتی ہے؟ میری تو سمجھ میں نہیں آتا۔''

عینا نے فلور کی طرف دیکھ کر کہا،'' چچی، تو انڈونیشیا میں کیوں نہ رہ گئی؟''

'' کیا مَیں دان کو اکیلے ہالینڈ آنے دے سکتی ہوں؟ نہیں، بچی، ہم شادی شدہ ہیں۔ جہاں بھی تیرا چچا دان جائے مَیں وہیں جاؤں گی۔ ہم بوڑھوں کو اکٹھا رہنا چاہیے۔ دان اب ہیرلڈ کے ساتھ دوسرے کمرے میں گفتگو میں مشغول ہے۔ عینا تیرے ابا ابھی ابھی آئے ہیں۔ یہ دونوں یقیناً کاروبار کے متعلق ہی باتیں کرتے ہوں گے۔ مَیں نے دان سے پوچھا تھا کہ تو ہالینڈ کیوں جانا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کاروبار کے سلسلے میں۔ مَیں نے کہا ہمیشہ ہی

کاروبار کا سلسلہ رہتا ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آئی ہمیشہ کاروبار... کیا خط لکھ کر کاروبار نہیں کرسکتا۔ سال ہا سال سے ملعون کاروبار اور کچھ بھی تو ٹھیک نہیں ہوتا۔ ہم چیونٹیوں کی طرح غریب ہی چلے آرہے ہیں۔ چلو چھوڑو اتنا ہی کافی ہے۔ مَیں تو بالکل اکڑ گئی ہوں۔ دان کیوں نہیں آتا؟ للّی ذرا دیکھ تو تیرا نانا چچا کے ساتھ کہاں بیٹھا ہوا ہے؟''

''چچی جی، مَیں جاتی ہوں،'' عینا بولی۔ ''بچی تو بیٹھ، تجھے زچگی کی وجہ سے زیادہ چلنا نہیں چاہیے۔''

عینا، جو چچی اور چچا کی کرایہ پر لی ہوئی رہائش گاہ کا معائنہ کرنا چاہتی تھی، جلدی سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ چچی کے کمرے میں صندوقوں پر جلدی جلدی نظر دوڑاتی گزری جب کہ ایک نوکرانی الماری میں کپڑوں کے ساتھ مصروف تھی۔ اس نے پوچھا، ''وہ لوگ کہاں ہیں؟''

''بیگم صاحبہ، وہ دفتر کے کمرے میں ہیں،'' نوکرانی نے کہا۔ ''بہتر ہے آپ برآمدے والے کمرے سے ہوکر جائیں۔''

یہ دیکھ کر کہ ان کی رہائش گاہ مہنگی اور خوب صورت ہے وہ خیال کرنے لگی چچا اور چچی چیونٹیوں کی طرح غریب نہیں ہوسکتے۔ چچا کے پاس ایک اور سونے کا کمرا ہے اور دفتر کا کمرا بھی ہے لہٰذا اباجی ان کے ساتھ کاروبار ہی کے سلسلے میں گفتگو کر رہے ہوں گے کیوں کہ مختلف کمپنیوں میں ان کے مشترکہ حصے ہیں۔

اسے ان دونوں کی آوازیں سُنائی دینے لگیں اور اس نے دل میں کہا وہ ذرا آہستہ آہستہ برآمدے کے طرف سے ان کے قریب پہنچے گی شاید اس دوران کوئی بات سُن سکے جس سے اسے چچا کی جائیداد کا اندازہ ہو جائے۔ یہ محض راز معلوم کرنے کی حرص پورا کرنے کے لیے تھا ۔ وہ ایک جھٹکے سے خاموش کھڑی ہوگئی۔ اس نے چچا کی آواز سُنی جو پانچ سال گزرنے کے باوجود بالکل نہ بدلی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا: ''ہیرلڈ، کیا تمھیں اس بات کا اتنی دیر سے علم تھا؟''

پھر اس نے اپنے والد کی آواز سُنی جو اسے نصیحت کر رہا تھا: آہستہ بات کر۔''

''کیا تجھے اس بات کا اتنی دیر سے علم تھا؟''

ہیرلڈ دیریکس نے کانا پھوسی کرتے ہوئے کہا، ''ذرا آہستہ بول، مجھے اُدھر سے کسی کی آہٹ محسوس ہوئی ہے۔''

''نہیں، نوکرانی ہوگی جو چیزیں سمیٹ رہی ہے۔ علاوہ ازیں وہ ڈچ زبان نہیں سمجھ سکتی۔''

''دان، پھر بھی ذرا آہستہ بول،'' ہیرلڈ بولا۔ ''ہاں، مجھے اس بات کا دیر سے علم ہے۔''

''اتنے عرصے سے؟''

''ہاں، ساٹھ برس سے۔''

''مجھے تو اس بات کا کبھی بھی پتا نہیں چلا۔''

''آہستہ بول، آہستگی سے بات کر۔ کیا وہ مرگئی ہے؟''

''ہاں، وہ مرگئی ہے۔''

''اس کا نام کیا تھا؟''

''مابوتون۔''

''ہاں، ٹھیک ہے، مابوتون۔ مَیں اس وقت تیرہ برس کا لڑکا تھا اور وہ ماں کی ذاتی خدمت گار تھی۔ مگر میرا بھی خیال رکھا کرتی تھی۔''

''اس کے بچے ہی تو میرے لیے مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ اس نے یہ بات اپنے لڑکے کو بتا دی تھی جو زمینوں کی پیمائش کے دفتر میں منشی ہے۔''

''ہاں...''

''وہ بڑا خطرناک شخص ہے۔ مَیں نے اسے کچھ پیسے دے دیے ہیں۔''

''تو نے ٹھیک کیا ہے، مگر، دان، دیکھ یہ بہت پرانی بات ہے اس کے متعلق فلور سے بات نہ کرنا۔''

''نہیں، ہرگز نہیں، کبھی نہیں۔ اچھا ہوا کہ وہ میرے ساتھ آ گئی ہے۔ اگر وہ تخال[1] میں ٹھہرتی تو شاید وہ خطرناک شخص... ہاں، یہ بہت پُرانی بات ہے۔''

---

[1] تخال: (Tegal)، جگہ کا نام۔

''ہاں، اور اب تھوڑے عرصے کے بعد ختم ہو جائے گی، بہت ہی تھوڑے عرصے کے بعد۔''

عینا نے یہ باتیں دھڑکتے دل سے سُنیں۔ وہ تفصیل معلوم کرنے کے لیے کملی ہوئی جارہی تھی، مگر سمجھ نہ آرہا تھا کیا کرے البتہ اس نے مرنے والی نوکرانی کا نام یاد کرلیا اور اپنی گھگھری سے سرسراہٹ پیدا کی تا کہ پتا چلے وہ برآمدے کی طرف سے آرہی ہے۔ پھر وہ اونچی آواز سے چچا دان کہہ کر پکارنے لگی اور برآمدے کا دروازہ کھول کر دہلیز پر کھڑی ہوگئی اور اس نے دونوں بوڑھوں کو اکٹھے بیٹھے ہوئے پایا۔ عینا نے دیکھا ان کے چہرے فق ہیں اور ان پر مُردنی چھائی ہوئی ہے۔ وہ بولی ،'' چچا دان ، میں آپ کو ڈھونڈ رہی تھی۔'' پھر اس نے محبت بھرے انداز سے کہا،'' ہالینڈ آنا مبارک ہو۔ خوش آمدید ، چچا جان۔ سردی بہت ہے۔ ریل گاڑی میں بھی آپ کو ضرور سردی لگی ہوگی۔ چچی فلور تو لکڑی کا تختہ بنی ہوئی ہے۔ چچا آنتون ، پھُپھی ستیفانی اور میری بچی للّی ساتھ آئی ہے۔''

چچا دان نے بوسہ دے کر میٹھے اور محبت بھرے الفاظ میں جواب دیا۔ چھوٹے قد کا، لاغر ونحیف اور جھکے ہوئے جسم والا سانولا شخص انڈونیشین لباس میں ملبوس تھا۔ اس کے سر پر سفید بالوں کی بودی سی تھی۔ اس کے چہرے کی بناوٹ طوطے جیسے تھی اور جہاں تک پرندے کی شکل کا تعلق ہے وہ ستیفانی سے ملتا جلتا تھا۔ اس کی آنکھیں تیز تھیں جن پر حیرانی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے کاغذ اکھٹے کر کے تھیلے میں ڈال دیے تا کہ معلوم ہو وہ کاروبار کے سلسلے میں تبادلۂ خیالات کر رہے تھے۔ پھر وہ دونوں اس کے پیچھے پیچھے بیٹھک کو چل دیے۔ چچا دان نے اپنے ملنے والوں سے سلام دعا کی۔

عینا سوچنے لگی چچی فلور کو قطعاً کوئی علم نہیں کیوں کہ اس نے ابھی ابھی اپنے ہالینڈ آنے کے متعلق جس طرح بات کی تھی اس سے یہی نتیجہ نکالا جا سکتا ہے، لیکن اباجی کو ساٹھ برس سے کس بات کا علم ہوسکتا ہے جس کا علم چچا کو ابھی ہوا ہے؟

ان تمام باتوں کا جواب معلوم کرنے کی خواہش اس کے دل میں جلن پیدا کر رہی تھی، مگر

وہ خاموش رہی۔ جن باتوں میں اسے دل چسپی نہ ہوتی وہ اُس کے کانوں کے پاس سے یونہی گزر جایا کرتی تھیں۔ چچا دان اور چچی فلور اپنے بچوں کے متعلق بتانے لگے: مارینیوس کھانڈ کی فیکٹری میں ناظم ہے اور تخال کے قریب ایک بڑے مکان میں اپنے کنبے کے ساتھ رہتا ہے۔ اس کے بچے بھی شادی شدہ ہیں جو سارے جاوا پر چھائے ہوئے ہیں۔ شان شیری بون کے ریذیڈنٹ کی بیوی ہے۔ ولف کنوارا ہے اور مجسٹریٹ کے عہدے پر فائز ہے۔

عینا کو چچا اور چچی کے بچوں سے کوئی سروکار نہ تھا۔ وہ انھیں دیکھنے کی کوئی تمنا نہ رکھتی تھی اور انھیں انڈونیشین جھتے کا نام دیتی تھی۔ وہ ان کے قصے کہانیوں میں پاس ادب کی خاطر دل چسپی ظاہر کرتی رہی۔ وہ بتا رہے تھے: کلارا مارنیوس کی بچی کی شادی کیسے ہوئی اور یہ کہ ایمیل، شان کا بیٹا، بالکل غیر محتاط ہے۔

''ہاں،'' چچی فلو نے کہا، ''اب ہم پھر خولاند[1] میں بیٹھے ہیں، اس سڑے بسے بورڈنگ ہاؤس میں... کاروبار کے لیے... کچھ بھی نہیں، لیکن کاروبار...''

ہیں، چچی فلور کو ورثے کا علم نہیں۔ عینا نے سوچا۔ مگر ممکن ہے وہ ورثے کی بات نہ ہو۔ اچھا تو پھر کیا بات ہوسکتی ہے؟ عینا اور للّی بگھی میں سوار ہو کر چلی گئیں جو ان کے والد ہیرلڈ کے لیے آئی تھی۔ ستیفانی اپنی سواری میں آنتون کو اس کے گھر چھوڑ آئی۔ عینا نے کسی کے ساتھ مشورہ کرنا تھا لہٰذا وہ اپنے خاوند کے دفتر گئی کیوں کہ اسے اس سے بہتر کسی اور شخص کا پتا نہ تھا۔

''لیوپولڈ، کیا میں ذرا بات کرسکتی ہوں،'' وہ بولی۔

''مَیں نے کسی کے ساتھ وقت مقرر کیا ہوا ہے،'' اس نے ذرا عب ڈالنے کے لیے کہا، مگر وہ جانتی تھی یہ غلط بیانی کر رہا ہے۔ وہ آرام سے اپنا ٹوپ اور کوٹ پہنے بیٹھ گئی۔ پھر اس نے اسے مخاطب کر کے کہا، ''لیوپولڈ۔''

وہ ذرا ڈرا اور بولا، ''کیا بات ہے؟''

''ہمیں معلوم کرنا ہے چچا کے ہالینڈ آنے کا مقصد کیا ہے؟''

---

[1] خولاند: ہولاند بمعنی ہالینڈ وہ 'ہ' کی جگہ 'خ' بولتی تھی۔

"خدایا! کہیں اباجی کا کاروبار تو تہہ و بالا نہیں ہوگیا؟"

"مجھے علم نہیں اور نہ ہی مَیں ایسا خیال کرتی ہوں، لیکن ان کے آنے کی کوئی وجہ ضرور ہے۔"

"کوئی وجہ ... ؟ کیا؟"

"مجھے علم تو نہیں، لیکن کچھ ہے جس کو اباجی ساٹھ برس سے جانتے ہیں، مگر چچا کو اس کا ابھی علم ہوا ہے۔ غالباً اسی وجہ سے وہ اباجی کے ساتھ مشورہ کرنے آئے ہیں۔"

"تجھے کہاں سے پتا چلا ہے؟"

"اتنا مجھے علم ہے، یقین کرو مجھے اتنا علم ہے اور مَیں اس کے علاوہ بھی جانتی ہوں۔"

"وہ کیا؟"

"چچی کو اس بات کا علم نہیں اور چچا اسے نہیں بتانا چاہتے۔ دادی جان کی خادمہ مابوتون مر چکی ہے اور اس کا لڑکا تخال میں منشی ہے جسے چچا نے کچھ رقم دی ہے۔ بس مَیں صرف اتنا ہی جانتی ہوں۔"

"یہ عجیب اور بے ربط کہانی معلوم ہوتی ہے،" وہ بولا۔

عینا نے نگاہیں اٹھا کر کہا، "یہ بہت اہم بات ہے۔" مگر یہ ہے کیا؟ مَیں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ یہ ورثے کی بات ہے یا نہیں؟"

"کیا اس ورثے کے متعلق جو ہمارا حق ہے؟" دی ہر بُرخ نے اس طرح تعجب سے کہا گویا اس کے نزدیک اس بات کا کوئی امکان نہیں۔

"کوئی ایسی بات جس کا ہم سے تعلق ہے۔ اس منشی کو کسی بات کا علم ہوگا جس کی وجہ سے چچا نے اُسے روپے دیے ہیں۔"

"ہوسکتا ہے،" ہر برخ نے جواب دیا۔" ہوسکتا ہے روپے پیسے کی بات ہو۔ ممکن ہے اباجی اور چچا نے قرض ادا کرنا ہو۔"

یہ سُن کر عینا کا رنگ زرد پڑگیا۔ "نہیں، یہ نہیں ہوسکتا،" وہ بولی۔ "لیکن انسان کو

حقیقت کا علم بھی نہیں ہو سکتا چناں چہ بہتر یہی ہے کہ اس معاملے کے متعلق کسی سے بات نہ کی جائے۔ مزید برآں اباجی کوئی بات ظاہر نہیں ہونے دیتے۔" عینا کو بات کی تہہ تک پہنچنے کی بڑی خواہش تھی، "مجھے بہرحال معلوم کرنا ہے۔"

"تم بھلا کس طرح معلوم کر سکو گی؟"

"تمھیں کسی وقت اباجی سے بات کر کے پوچھنا چاہیے انھیں کون سی چیز پریشان کر رہی ہے۔"

"لیکن، مَیں تو ہمیشہ سے انھیں اسی طرح دیکھتا آرہا ہوں، تیس سال کے عرصے سے جب سے میرا ان سے تعارف ہوا ہے۔ وہ میرے ساتھ کبھی بات نہیں کرتے اور کاروبار کے سلسلے میں انھوں نے دوسرا وکیل رکھا ہوا ہے۔ تُو بھی تو اس بات کو جانتی ہے۔"

"اچھا، تو میں اباجی سے پوچھوں گی۔"

"اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔"

۱۹

وہ گھر کے اندر اِدھر اُدھر گھومنے لگی۔ وہ حیران تھی اور اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کیا کرے۔ نیچے کمرے سے اسے، اپنے بیٹے، پول کی آواز سنائی دی جو یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہا تھا اور اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا تمباکونوشی میں مشغول تھا۔ اس نے چلتے چلتے نوجوان لڑکوں کو بولتے ہوئے سُن لیا تھا۔ اتنے میں گھنٹی بجی اور اس کا چھوٹا پیارا بچہ، ڑوس، بھی سکول سے واپس آ گیا۔ اسے بولتا ہوا سُن کر یہ اس قدر خوش ہوئی کہ اپنے تجسّس کو بھی بھول گئی جس کی وجہ سے اسے بخار سا چڑھ رہا تھا۔

اب کھانے کا وقت ہو گیا تھا اور وہ طعام گاہ میں دی ہر برخ اور دونوں بچوں کے ساتھ والد کے آنے کا انتظار کرنے لگی۔ جب ہیرلڈو یریکس اندر داخل ہوا تو اس نے دیکھا اس کی کبڑی کمر مزید جُھکی جا رہی ہے اور اس کے رخساروں پر ہلدی کھنڈی ہوئی ہے۔

عینا باسلیقہ اور بھری پری میز پسند کرتی تھی۔ سادہ کھانا بھی خوش اسلوبی سے لگایا جاتا تھا۔ اس نے اپنے گھر میں بودو باش کی ایک خاص وضع اختیار کر رکھی تھی۔ وہ امورِ خانہ داری کی ماہر تھی۔

والد کے لیے معدے اور کلیجے کی بیماری کی وجہ سے پرہیزی کھانا تیار کیا جاتا تھا۔ اسے ہمیشہ سے ہی درد چلا آتا تھا۔ بعض اوقات بیماری کی وجہ سے اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ جاتی تھیں، مگر وہ اپنے درد اور مصائب کے متعلق کسی کے پاس شکایت نہ کرتا تھا اور ڈاکٹر کے مشورے کے مطابق عمل کرتا رہتا تھا۔ جسم تو ٹوٹا ہوا تھا ہی اس کی روح بھی زخمی تھی۔ اس کی افسردگی اور غمگین بے رنگ آنکھوں سے جھلکتی تھی۔ عینا اپنے والد کا خاص خیال رکھتی تھی۔

کھانا کھانے کے بعد میٹھا کھاتے وقت اس کے تجسس کی خواہش نے پھر خوش مارا۔ اس کے دل میں سولات کی اس قدر بھرمار تھی کہ اس کے ہونٹ تھرک رہے تھے، مگر وہ کھانے کے

وقت اس قسم کے سولات نامناسب خیال کرتی تھی۔ اس کا والد بیٹھا کھانے کے دوران یہ کہہ کر اٹھ کھڑ ہوا:

''عینا، برا نہ ماننا، مجھے کچھ درد محسوس ہو رہا ہے۔''

''ہائے پیارے ابا جی،'' وہ محبت بھرے انداز میں بول اُٹھی۔

بوڑھا باہر نکلنے والا ہی تھا کہ پول نے اس کے لیے جلدی سے دروازہ کھول کر اسے پکڑے رکھا، ماں باپ اور دونوں لڑکے میز پر ہی بیٹھے رہے۔ عینا نے انھیں چچا دان اور چچی فلور کے متعلق بتایا۔ وہ چینی تاش کے بیس پیکٹوں کا سُن کر بہت ہنسے۔ خُوس، جو اچھا بھلا مسخرہ تھا اور انڈونیشین لہجے کی نقل خوب اتار سکتا تھا، چچی فلور کی نقلیں اتارنے لگا جسے اس نے چند برس پہلے ہی دیکھا ہوا تھا اور ابھی تک نہیں بھولا تھا۔ عینا اپنے لڑکے کی اس ہنرمندی پر بہت ہنسی۔ اس پر دلیر ہو کر اس نے ستیفانی کی نقل بھی اتارنا شروع کی اور اپنا مُنھ پرندے کی طرح متحرک کر کے گردن لرزانے لگا۔ اسے دیکھ کر دی ہر برخ بہت خوش ہوا لیکن پول پکار اٹھا،'' خُوس، خبردار۔ وہ تو تیری ایسی پھُپھی ہے جس سے شاید تجھے کچھ ورثہ مل جائے۔ اسے بالکل پتا نہ لگنے دے کہ تُو اس کی نقلیں اتارتا ہے۔''

''پول، ایسا کہنا مناسب نہیں۔'' عینا انکسار سے بولی۔ ''اور یہ ٹھیک بھی نہیں۔ تجھے معلوم ہے تیری ماں ورثے کی طرف اشارہ کرنا پسند نہیں کرتی۔ میرے نزدیک یہ ایک کمینی حرکت ہے۔ سمجھ نہیں آتی تیرا والد اس پر کیسے ہنس سکتا ہے۔''

بہرحال خُوس کی باتوں پر سبھی ہنستے رہے، مگر جب خُوس چچا آنتون کی نقل اتارنے لگا کہ وہ کس طرح اپنی بھنچی ہوئی مُٹھیاں لکڑی کے جوتوں کی طرح گھٹنوں پر رکھ کر بیٹھتا ہے تو عینا نے خود کو ماحول میں رنگ جانے دیا۔

تجسّس کی وجہ سے عینا کو درد شروع ہو گیا لٰہذا وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہیرلڈو دیریکس میز کے سامنے بیٹھا ہوا تھا جہاں سبز رنگ کے شیڈ والے لیمپ سے اس کا چہرہ اور بھی زرد دکھائی دے رہا تھا اور اس کے برباد چہرے کی جھریاں نمایاں ہو رہی تھیں۔ اس کے سامنے بڑے

بڑے کا غذات پھیلے تھے جو اعدادو شمار سے پُر تھے اور جودان نے اسے دیکھنے کے لیے دیے تھے۔

ساٹھ برس قبل اس نے وہ چیز دیکھی تھی جواب گزر رہی تھی، مگر اتنی دھیرے دھیرے جارہی تھی کہ وہ واپس آتی معلوم ہوتی تھی۔ اس چیز کے مشاہدے سے اس کے اعصاب اور دماغ کو عمر بھر کے لیے ایک دھکا سا لگ چکا تھا، مگر وہ خطرناک چیز ایک بھوت تھا جو اس کے قریب آکر اسے تاڑ تاڑ کر دیکھا کرتا تھا اور جس کے اِرد گرد دھندلی قسم کے درخت تھے جن کے پتے ہمیشہ ہی گرتے رہتے تھے۔ کاش وہ چیز گزر کر بالکل غائب ہوگئی ہوتی! بوڑھا اور بوڑھی اپنے گھر میں کھڑکی کے پاس اکٹھے بیٹھے اس کے گزر جانے کا انتظار کر رہے تھے، مگر جب تک وہ زندہ ہیں اس چیز کا گزر جانا ممکن نہیں۔

ہیرلڈ دیریکس کا دل بوڑھے اور بوڑھی کے لیے پسیجنے لگا۔ سال یکے بعد دیگرے اتنی دیر تک گزرتے گئے کہ وہ اس قدر بوڑھے ہوگئے ہیں۔ وہ اتنے بوڑھے کیوں ہوئے؟ کیا یہ ان کی سزا ہے؟

اسے اس معاملے میں ماں کے قابلِ نفرت کردار کا علم ہو چکا تھا۔ یہ بات اس نے دان سے سُنی جو منشی نے اپنی ماں مابوتون سے سُن کر بتائی تھی۔ اس بات کا لوگوں کو علم تھا، مگر بوڑھے خیال کرتے تھے کہ ڈاکٹر رولفس کے سوا کسی اور کو اس کا علم نہیں ہے۔ خدا کی پناہ! اتنے لوگوں کو اس دفن کی ہوئی چیز کا، جو بھوت کی مانند اٹھتی تھی، پتا تھا۔ کیا منشی اپنا مُنھ بند رکھے گا؟ ان بوڑھوں کے مرنے تک اسے پیسہ دینا ضروری ہے اور تب وہ چیز ان کے ساتھ ہی ختم ہو جائے گی۔

کھٹکھٹاہٹ ہوئی اور دروازہ کھلا۔ کیا دیکھتا ہے اس کی لڑکی دہلیز پر کھڑی ہے۔

''ابّا جی؟''

''کیا بات ہے، بچی؟''

عینا قریب گئی اور بولی، ''اباجی، مَیں خلل انداز تو نہیں ہوئی۔ آپ کی حالت آج ذرا زیادہ خراب نظر آتی ہے، اس لیے مَیں نے سوچا ذرا خبر لے آؤں۔''

اس نے اپنا ہاتھ اس کی طرف پھیلا دیا او روہ اس کے قریب آکر کرسی پر بیٹھ گئی اور جلدی جلدی بکھرے ہوئے کاغذات پرنظر دوڑا اور اعداد وشمار دیکھ کر ان میں دل چسپی لینے لگی۔

''کیا آپ بیمار ہیں؟''

وہ ہاں کہہ کر درد کی وجہ سے آہیں بھرنے لگا اور عینا کی محبت کی وجہ سے اس پر رقت طاری ہوگئی۔ وہ بولا،'' کاش مجھے یہ مصیبت زیادہ دیر تک برداشت نہ کرنی پڑے۔''

''خدا کی پناہ! ہم آپ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے ؟''عینا نے کہا۔

اس نے اپنی طرف اشارے سے مسکراہٹ کا اظہار کرتے ہوئے کہا،'' تیری ایک مصیبت تو کم ہو جائے گی نا؟''

'' آپ کو علم ہے کہ آپ میرے لیے کسی قسم کی تکلیف کا باعث نہیں ہیں،'' وہ بولی اور یہ بات درست تھی۔

'' آپ کو ہمیشہ اتنا زیادہ کام نہیں کرنا چاہیے؟''

''مَیں زیادہ کام تو نہیں کرتا؟''

''اچھا تو یہ اعداد وشمار کیسے ہیں؟''

''انڈونیشیا کے کاروبار کے متعلق تیرے چچا نے مجھے پڑتال کے لیے یہ کاغذات دیے تھے۔مگر یہ کوئی زیادہ کام نہیں ہے۔''

''چچا دان اپنے کاروبار سے مطمئن ہیں؟''

''ہاں وہ مطمئن ہے، بچی۔ہم امیر ہو جائیں گے۔''

''کیا آپ ایسا خیال کرتے ہیں؟''اس کی آواز سے حرص اور لالچ کی بو آرہی تھی۔

''ہاں، مطمئن رہو۔مَیں تمہارے لیے ضرور کچھ چھوڑ جاؤں گا۔'' اس کی آواز سے تلخی ظاہر تھی۔

'' ابا جی،مَیں اس کے متعلق فکر مند نہیں ہوں۔ ہاں، یہ ضرور ہے کہ بعض اوقات مَیں روپے پیسے کے متعلق فکر کرتی ہوں کیوں کہ للی نے ایسی جگہ شادی کی ہے جہاں کچھ بھی نہیں۔

بھلا فرنس اور للّی کے پاس ہے کیا؟ اور اپنے لڑکوں کے لیے مجھے روپے پیسے کی کوئی پرواہ نہیں۔"

"ہاں، مَیں اس بات کو جانتا ہوں،" ڈیریکس بولا۔

"اباجی، آپ اتنے افسردہ خاطر کیوں دِکھائی دیتے ہیں؟"

"مجھ میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی، مَیں ویسے ہی ہوں جیسے عام طور پر ہوا کرتا ہوں۔"

"چچا دان نے آپ کو افسردہ کیا ہے جس کا مَیں نے خود مشاہدہ کیا ہے۔"

وہ احتیاطاً خاموش رہا اور اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

"آپ کبھی کُھل کر بات نہیں کرتے۔ کیا مَیں آپ کے لیے کچھ نہیں کرسکتی؟ بتائیں تو سہی آپ اس قدر غمگین کیوں ہیں؟"

"بچی، کوئی بات نہیں۔"

"اچھا تو آپ بتانا نہیں چاہتے؟"

"کوئی بات نہیں ہے۔"

"ہاں، ہاں، کچھ تو ضرور ہے۔ شاید کوئی خوفناک بات ہو۔" اس نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ "اباجی، کوئی راز کی بات ہے۔ یقیناً کوئی راز کی بات ہے جو آپ کو غمگین کر رہی ہے۔ ہوسکتا ہے یہ بہت پرانی بات ہو؟"

"بچی، تُو تو یونہی گمان کر رہی ہے۔"

"مَیں خود تو کچھ نہیں کہہ رہی، لیکن آپ بتانا نہیں چاہتے۔ آپ کو اس طرح افسردہ دیکھوں تو مجھے تکلیف ہوتی ہے۔"

"مَیں ذرا بیمار ہوں۔"

"لیکن آپ کسی خوفناک راز اور چیز کی وجہ سے افسردہ ہیں۔"

"کچھ نہیں، بچی۔"

"کچھ نہ کچھ ضرور ہے۔ کیا روپے کی بات ہے؟"

"نہیں۔"

"کیا وہ پیسہ جو چچا دان..."

"مَیں روپے پیسے کے متعلق کسی راز سے افسردہ نہیں ہوں۔"

"تو پھر کیا وجہ ہے؟"

"بچی، کچھ بھی نہیں ہے۔ کوئی راز کی بات نہیں۔ تو یونہی خیال دوڑا رہی ہے۔"

"مَیں اپنے دماغ سے اختراع نہیں کر رہی؟"

اس نے اپنی آنکھیں عینا کی آنکھوں میں ڈال کر پوچھا، "تُو جانتی ہے؟"

وہ دہل گئی اور ہتلانے لگی، "نہیں، لیکن مَیں صرف محسوس کرتی ہوں۔"

"کیا؟"

"کہ آپ کی غمگینی کا باعث کوئی راز ہے۔"

"کس کے متعلق؟"

"کسی چیز کے متعلق... جو واقع ہوئی ہو۔"

"تب تو تجھے علم ہے،" پھر اس نے نہایت اطمینان سے کہا، "عینا، کچھ بھی واقع نہیں ہوا۔ مَیں بوڑھا بیمار انسان ہوں، تُو مجھے تھکا رہی ہے۔ جا، مجھے آرام کرنے دے، جا، مجھے آرام کرنے دے۔"

وہ برافروختہ اور پریشان ہو کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور بولی، "اباجی، مَیں آپ کو تھکانا پسند نہیں کرتی۔" اس کی آواز مئودبانہ تھی، مگر اس سے تلخی کی بو آتی تھی۔ "مَیں آپ کو کسی قسم کی تکلیف دینا نہیں چاہتی۔ مَیں آپ کو تنہا چھوڑ جاتی ہوں۔ مَیں تو آپ کے پاس آ کر آپ کی غمگینی میں شریک ہونا چاہتی تھی، مگر اب مزید اصرار نہیں کروں گی۔" وہ آہستہ آہستہ دل شکستہ ہو کر چلی گئی۔

وہ چاہتا تھا اسے آواز دے کر روک لے پر اس نے اپنے جذبات پر قابو پا کر اسے جانے دیا اور تنہائی نے اس کا گھیراؤ کر لیا۔ وہ پھر اپنی کرسی میں دھنس کر بیٹھ گیا اور اس نے اپنی آنکھوں کو ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔

''اسے کیا علم ہے؟ اسے کون سی بات معلوم کرنا ہے؟ شاید اس نے کوئی بات سُن لی ہو۔نہیں، اسے کسی بات کا علم نہیں ہوسکتا۔ممکن ہے اس نے میری غمگینی اور افسردگی کی وجہ سے کوئی بات محسوس کی ہو۔

۲۰

عینا کو اس رات نیند نہ آسکی۔ اسے چچا کے ساتھ بات کرنے کے سوا اور کوئی چارہ نظر نہ آتا تھا۔ چناں چہ اس نے تہیہ کر لیا کہ کل دادی کے ہاں چچا سے ملے گی۔ اس روز دوپہر کے بعد وہ ناساؤلان گئی۔ بوڑھی انا نے دروازہ کھولا جو اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور سوچنے لگی بوڑھی بیگم صاحبہ سے لا پروائی نہیں برتی جا رہی۔

''آداب عرض ہے، بیگم صاحبہ۔ تکمہ صاحب، ڈاکٹر رولفس اور بیگم فلور اوپر تشریف فرما ہیں۔ آپ کچھ دیر کے بعد اوپر جاسکیں گی، شکریہ۔ بوڑھی بیگم صاحبہ کی طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔ ہاں، ہاں، وہ ہم سب سے زیادہ عمر پائے گی... کیا آپ ذرا یہاں بیٹھک میں انتظار کریں گی؟ اس موسم کی وجہ سے ہم نے کمرا اچھی طرح گرم کیا ہوا ہے۔ بیگم صاحبہ تو کبھی نیچے نہیں آتیں، مگر خاندان کا کوئی نہ کوئی فرد ضرور آیا رہتا ہے۔''

انگیٹھی خوب گرم تھی اور اس کے اِرد گرد دائرے کی صورت میں کرسیاں لگائی گئی تھیں۔ بوڑھی نوکرانی عینا کی مصاحبت کی خاطر اور اس کے ادب کی وجہ سے پاس ہی کھڑی باتیں کرتی رہی حتٰی کہ عینا نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا اور عمر رسیدہ خادمہ ادباً کرسی کے ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی اور اس نے للّی کے بچوں کی صحت کے متعلق پوچھنا شروع کیا۔

''اگر موسم ذرا تبدیل ہو جائے تو بیگم فان ویلی بچوں کو لے کر نانی کے پاس آئے گی۔''

''بیگم صاحبہ اسے بہت پسند کریں گی،'' یہ کہہ کر وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''اِدھر ستیفانی صاحبہ تشریف لا رہی ہیں۔ اچھا ہے آپ لوگ بیگم صاحبہ کو نہیں بھولتے۔''

وہ ستیفانی دی لادرس کو اندر چھوڑ کر خود باورچی خانے میں چلی گئی۔ عینا نے کہا، ''تکمہ صاحب، ڈاکٹر رولفس اور چچی فلور دادی جی کے پاس بیٹھے ہیں اس لیے، پھُپھی جی، ہم ذرا یہیں انتظار کرتے ہیں۔ پھُپھی جی، آپ کو علم ہے چچا دان ہالینڈ کیوں آئے ہیں؟''

''کیا وہ کاروبار کے سلسلے میں آئے ہیں؟''ستیفانی نے خود سوال کر دیا۔

''میرے خیال میں کوئی اور وجہ ہے؟''

''کیا کوئی نامناسب بات ہوئی ہے؟''ستیفانی نے دریافت کیا۔

''مجھے علم نہیں حقیقت کیا ہے۔ آپ کو علم ہے اباجی کوئی بات نہیں بتاتے۔''

''کیا دان کا کاروبار برباد ہو گیا ہے؟''

''میرا اپنا خیال بھی یہی تھا، مگر اباجی نے واضح طور پر کہا ہے روپے پیسے کی بات نہیں۔''

''تو پھر کیا ہو سکتا ہے؟''

''کچھ ضرور ہے۔''

دونوں ایک دوسری کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگیں اور دونوں کے دلوں میں جستجو کی آگ بھڑک رہی تھی۔

''عینا تجھے کیسے علم ہوا؟''

''جب سے اباجی نے چچا کے ساتھ بات کی ہے وہ غمگین سے غمگین تر ہوتے نظر آرہے ہیں۔''

''مگر تجھے کیسے علم ہوا؟''

عینا کے دل میں بات بتانے کا جوش ابھر رہا تھا جس نے بالآخر اس کی احتیاط پر غلبہ پالیا اور وہ سرگوشی کرتے ہوئے کہنے لگی، ''پھُپھی، میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ کل جب مَیں چچا جان اور اباجی کو تلاش کرنے گئی تھی تو مَیں نے برآمدے میں انھیں باتیں کرتے سُن لیا تھا۔ چچا اباجی سے کہہ رہے تھے:'' کیا تجھے اتنی دیر سے اس بات کا علم تھا؟'' اباجی نے جواب دیا:'' ہاں، ساٹھ سال کے عرصے سے۔''

''ہیں، ساٹھ سال سے۔ اتنی تو اوتیلی کی عمر ہے۔ ہو سکتا ہے اوتیلی کے متعلق بات ہو۔ عینا، کیا تجھے معلوم ہے پھُپھی اوتیلی...''

''تکمہ کی بچی ہے؟''

ستیفانی نے سر ہلا کر اثبات میں جواب دیا،'' پہلے اس کے متعلق بہت چہ میگوئیاں ہوا کرتی تھیں۔ اب لوگوں کو اتنا عرصہ گزر جانے کی وجہ سے یہ بات بھول چکی ہے۔ ماں جی کا کردار ویسا نہ تھا جیسا کہ مناسب ہے۔ گناہ... ہاں، وہ بہت گناہ گار رہی ہے۔ تو کیا انھوں نے اس کے متعلق بات کی ہے؟''

'' میرے خیال میں تو یہ بات نہیں ہے۔''

'' ہاں، اگر تمام باتوں پر غور کیا جائے تو یہ بات نہیں ہوسکتی،'' ستیفانی نے جواب دیا۔

عینا اس چیز کی حقیقت معلوم کرنا چاہتی تھی جسے اس نے دھندلا سا دیکھا تھا۔

'' تو پھر کیا ہوسکتا ہے؟'' ستیفانی بولی۔

'' یا پھر دادی جی کے متعلق؟''

'' ہاں، یقیناً دادی جی کے متعلق ہی ہوگا۔ ساٹھ سال قبل۔''

'' کتنا عرصہ ہو چکا ہے؟''

''مَیں اس وقت سترہ سال کی لڑکی تھی،'' ستیفانی نے کہا۔

'' کتنا عرصہ بیت چکا ہے۔ آپ اس وقت سترہ سال کی تھیں۔؟''

'' ہاں، جب ابا دیریکس کی وفات ہوئی۔''

'' دادا جی کی؟''

'' ہاں، تجھے پتا ہی ہے کہ وہ ڈوب کر مر گئے تھے۔''

'' ہاں، یہ بات اس وقت کی ہے۔''

'' تو پھر کیا ہوسکتا ہے؟''

'' کیا آپ دادی کی نوکرانی کو جانتی ہیں؟''

'' ہاں، اس کا نام مابوتون تھا۔''

'' وہ اب مر چکی ہے۔''

'' تجھے کیسے پتا چلا ہے۔''

''مَیں نے سُنا تھا۔''

''کیا برآمدے میں؟''

''ہاں یہ بات مَیں نے برآمدے میں ہی سُنی تھی۔''

''کچھ اور بھی سُنا تھا؟''

''مابوتون کا لڑکا بندوبستِ اراضی کے دفتر میں منشی ہے۔''

''پھر اور کیا سُنا؟''

''چچا اسے پیسے دیتا ہے۔''

''پیسے؟''

''کچھ کہنے کے لیے یا اسے کوئی بات کہنے سے منع کرنے کے لیے۔ میرا خیال ہے اسے کوئی بات کہنے سے منع کرنے کے لیے۔''

''تو کیا کچھ ہوا ہوگا؟''

''ساٹھ سال قبل پھُپھی، کیا آپ کو کوئی بات یاد نہیں پڑتی۔''

''بچی، مَیں اس وقت سترہ سالہ نوعمر لڑکی تھی اور اس قسم کی باتوں پر دھیان نہ دیتی تھی۔ ہاں، ہاں۔ تیری پھُپھی بھی جوان رہ چکی ہے۔ مَیں سترہ برس کی تھی اور دوسرے بچوں کے ساتھ شہر میں رہ گئی تھی۔ ماں جی کی ایک بہن ہمارے پاس تھی۔ اب مجھے یاد پڑتا ہے کہ ابا جی صحت کی خاطر پہاڑ پر گئے ہوئے تھے اور ماں کے ساتھ بنگلے میں مقیم تھے اور ہیرلڈ کو ساتھ لے گئے تھے۔ ہاں مجھے یاد پڑتا ہے کہ ہیرلڈ ہمارے پاس نہ تھا۔ وہ ابا جی کا چہیتا بیٹا تھا اور ابا جی وہاں کالی[1] میں ڈوب کر مر گئے تھے۔ انھیں نیند نہ آرہی تھی اور وہ چہل قدمی کے لیے جنگل میں نکل گئے اور غلطی سے دریا میں گر گئے۔ بس مجھے اتنا یاد پڑتا ہے۔''

''کیا ابا جی بنگلے میں ان کے ساتھ تھے؟''

''ہاں، تیرے ابا جی ان کے ساتھ تھے اور وہ تیرہ سال کا لڑکا تھا۔''

---

[1] کالی: (Kali)، دریا کا نام۔

''انھیں اس وقت سے علم ہے؟''

''کیا وہ یہی کہتے تھے؟''

''تب تو انھیں پہاڑوں اور بنگلے کے متعلق کچھ علم ہوگا؟''

''عینا، وہ کیا بات ہوگی؟''

''پھُپھی جی، مَیں اس کا تصور تو نہیں کر سکتی، مگر دادی جی کے متعلق ہی کوئی بات ہے؟''

''ہاں،'' ستیفانی محتاط آواز میں بولی۔ ''خواہ کچھ بھی ہو، لیکن یہ بہت عرصے پہلے کی بات ہے اور اگر کوئی بات ہے تو وہ یقیناً غیر مناسب ہوگی لہٰذا ہمیں اس کی جستجو نہیں کرنی چاہیے۔''

وہ اس سے زیادہ کچھ نہ بولی۔ عینا محسوس کر رہی تھی اسے اس معاملے کے متعلق زیادہ علم ہے۔ وہ ستیفانی کی طبیعت سے واقف تھی اس لیے اسے یقین تھا اب وہ اباجی کی طرح کوئی اور بات نہ کرے گی۔

۲۱

چچی فلور چھاتیاں تانے گرتی سنبھلتی نیچے اُتر رہی تھی۔ عین اس وقت چچا دان نے دروازے پر گھنٹی دی۔ بوڑھی انا رشتہ داروں کی آمد و رفت کے باعث بہت خوش ہوتی تھی اور ہمیشہ خندہ پیشانی سے ان کا استقبال کرتی تھی۔

چچی فلور کے پیچھے پیچھے ڈاکٹر رولفس لنگڑاتا ہوا سڑھیوں سے اُترا۔ اس کی توند چچی فلور کو نیچے دھکیل رہی تھی۔ وہ نہایت احتیاط سے قدم اُٹھاتا آ رہا تھا۔

ستیفانی خوش تھی کہ اب عینا سے پیچھا چھوٹ جائے گا۔ وہ بولی، ''مَیں اوپر جاتی ہوں۔''

وہ جلدی اور گھبراہٹ میں ڈاکٹر رولفس کی اکڑی ہوئی ٹانگ کے قریب اور چچی فلور اور چچا دان کے درمیان میں سے گزر کر سیڑھیوں کی طرف گئی۔ وہ اپنی پریشانی میں عینا، گناہ اور تجسس اور جہنم سے ڈرتی ہوئی اور بلی سے ٹھوکر کھاتی ہوئی، جو اس کی ٹانگوں کے درمیان آ گئی تھی، گرتے گرتے بچی۔

''ڈاکٹر رولفس، میرا خیال تھا کہ مَیں تمھیں یہاں مل لوں گا،'' چچا دان بولا۔ ''ورنہ مجھے تمھیں ملنے کے لیے آنا تھا۔''

''اچھا ہوا تم آ گئے ہو،'' بوڑھے ڈاکٹر نے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ دان نے اس کی طرف یوں دیکھا جیسے کچھ کہنا چاہتا ہے پھر عینا سے بولا، ''عینا، تُو اوپر نہیں جائے گی؟''

''نہیں، چچا جی،'' عینا یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی چوں کہ ڈاکٹر موجود ہے اس لیے وہ اس کے ادب کی خاطر ابھی جانا نہیں چاہتی۔' آپ پہلے چلے جائیں مَیں ذرا انتظار کرتی ہوں۔

ڈاکٹر رولفس سردی کی وجہ سے ہاتھ ملتے ہوئے بولا، ''یہاں اوپر سے زیادہ گرمی ہے کیوں کہ اوپر تکمہ صاحب کی وجہ سے کمرا زیادہ گرم نہیں کیا جاتا۔ اسے تو بالکل سردی نہیں لگتی۔

اس کے اندر تو ہمیشہ آگ جلتی رہتی ہے۔"

چچی فلور، جو ابھی ابھی کمرے میں داخل ہوئی تھی، اس نے عینا کی مدد سے اپنا پوستین والا کوٹ جلدی سے اتار پھینکا۔

"چچی، یہ بہت اچھا کوٹ ہے؟"

"ہاں، بچی، یہ ایک پرانی کھال کا بنا ہوا ہے۔"

تینوں بیٹھ گئے اور انا مجلس کو پر رونق پا کر تین گلاسوں میں شراب میں پھل ڈال کر لے آئی اور پوچھنے لگی، "بیگم عینا، آپ چائے کو اس پر ترجیح تو نہیں دیتیں؟"

"نہیں، انا، تمہارے آلو بخارے بہت اچھے ہیں،" عینا نے کہا۔ وہ چچی فلور کے آجانے کی وجہ سے اتنی خوش نہ تھی۔ وہ سوچنے لگی، بوڑھا ڈاکٹر دادی کا ہم عصر ہے اس لیے اسے اس بات کا ضرور علم ہونا چاہیے، مگر اسے اس کا یقین نہ تھا۔

بوڑھا ڈاکٹر عملی طور پر خود کام نہیں کرتا تھا بلکہ ایک نوجوان ڈاکٹر کے ساتھ مل کر دادی اور تکمہ کا علاج کرتا تھا۔ اس وقت وہ انڈونیشیا میں ڈاکٹر تھا اور اس کی عمر اٹھائیس سال تھی۔ وہ دادی کے عاشقوں میں شمار ہوتا تھا۔

"بے چارے اباجان،" عینا نے آنکھ بھرتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر نے کہا، "ہم بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں۔"

اس پر چچی فلور ناراض ہو کر بولی، "آپ اپنے متعلق ہی کہیں، مَیں تو ابھی ساٹھ سال سے زیادہ کی نہیں۔"

"اچھا۔ پھر تو تُو اوتیلی کی ہمعصر ہے۔ بہت خوب، بہت خوب۔"

"ہاں،" چچی فلور بولی۔ "مَیں اوتیلی کی عمر کی ہوں۔"

"ساٹھ سال،" ڈاکٹر بڑبڑانے لگا۔

عینا نے ذرا مسکراتے ہوئے کہا، "ڈاکٹر صاحب، اس وقت تو آپ بھی جوان ہی تھے۔"

"ہاں، ہاں، بچی۔ مَیں اس وقت جوان تھا۔"

''آپ کی اور دادی کی عمر میں بہت فرق ہے نا؟''

''ہاں، ہاں،'' ڈاکٹر نے زور سے تصدیق کرتے ہوئے کہا۔'' نو سال... نو سال کا فرق ہے اور تکمہ سے... پانچ سال کا... ہاں پانچ سال کا۔ اس کے اور میرے درمیان اتنی عمر کا فرق ہے۔''

''یہ اچھی بات ہے کہ آپ، دادی اماں اور تکمہ اکٹھے ہی رہے ہیں، پہلے انڈونیشیا میں اور پھر یہاں۔''

''ہاں، ہاں، ہم اکٹھے ہی رہے ہیں۔''

چچی بولی،'' اتنے پرانے دوست۔'' اور اس نے عینا کی طرف آنکھ جھپک کر اشارہ کرتے ہوئے کہا،'' باوجود نو سال عمر میں کم ہونے کے ڈاکٹر رولفس دادی کے بڑے دوست رہے ہیں۔''

''ڈاکٹر صاحب کیا یہ سچ ہے کہ ساٹھ سال ہوئے...'' عینا نے سوال کرتے ہوئے فقرہ پورا نہ کیا گویا اس کے پاس فقرہ پورا کرنے کے لیے مواد نہیں تھا۔ دراصل اس نے بات شروع کر کے ہوشیاری سے جملہ مکمل نہ کیا تھا اور ارادتاً اسے ادھورا چھوڑ دیا جس سے ڈاکٹر کو ایک دھکا سا لگا اور اس کی توند دائیں طرف سے بائیں طرف پلٹ گئی اور صحت مند ٹانگ پر لٹکنے لگی۔

''کیا؟'' اس نے قریب قریب چلا کر کہا اور اس کے جھریوں دار سر کی بے تحاشا گولائی پر، جو راہبوں کی طرح صفاچٹ تھا، اور مُنھ پر، جو اندر کو دھنسا ہوا تھا، خوف طاری ہوتا دکھائی دیا اور ٹوٹے پھوٹے دانتوں کے درمیان سے ہونٹوں پر لعاب گرنا شروع ہوگیا۔ اس نے اپنے ہاتھ، جن کی جلد بے ترتیبی سے لٹک رہی تھی، پہلے اوپر اٹھائے اور پھر درد کی وجہ سے گھٹنوں پر گرادیے۔

عینا کو پتا چل گیا اسے علم ہے چناں چہ اس نے بلند آواز سے اپنا فقرہ دہرایا، نہایت اطمینان اور ادب سے، مگر واضح طور پر:'' کیا یہ ٹھیک ہے ساٹھ سال قبل دادی کی عمر سینتیس برس تھی تو وہ نہایت خوب صورت تھی۔ بوڑھے لوگ اپنی صحتیں ہم سے بہتر طور پر قائم رکھتے تھے۔

میری عمر اب پینتالیس برس کی ہے اور مَیں بوڑھی دِکھائی دیتی ہوں۔''

''چھوڑو بھی، کیسی بوڑھی؟'' چچی فلور نے کہا۔

''اچھا، اچھا، توتم نے یہ پوچھا تھا،'' ڈاکٹر بڑ بڑاتے ہوئے بولا۔'' ہاں، تمھاری دادی نہایت خوب صورت اور حسین عورت تھی اور اس وقت بھی، جب اس کی عمر اتنی کم نہ تھی، ستاین اس پر عاشق ہوگیا تھا۔''

''اگرچہ پھُپھی اوتیلی کا کردار ٹھیک نہ تھا، مگر اس کی جوانی حیران کن لگتی ہے،'' عینا نے کہا۔

ڈاکٹر کرسی پر پرانے ملبے کرطرح دھنس کر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کیا تھا؟ وہ ایک مرد اور بوڑھے راہب کا کھنڈر دکھائی دیتا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس نے ایک کھلا لمبا کوٹ اور صدری اپنے اِرد گرد ولپٹ رکھی تھی۔ اب اس کی آنکھوں سے خوف غائب ہو چکا تھا، لیکن اس کی نظریں بائیں طرف کو مڑی ہوئی تھیں جب کہ سر دائیں جانب کو جھکا تھا۔ عینا کے ساٹھ کے جذباتی عدد کے سوال نے اس پر جمود کی کیفیت طاری کردی تھی۔ اس نے اپنے بہت بڑے سر کو ہلایا۔ باہر سے موسم سرما کی روشنی اس کی چمک دار کھوپڑی پر پڑ رہی تھی اور اس نے'' ہاں ہاں، ٹھیک ہے، ٹھیک ہے'' کی آوازیں پاگلوں کی طرح بڑ بڑاتے ہوئے نکالیں۔

وہ بمشکل اٹھا کیوں کہ اب دان، دیریکس، ستیفانی اور تکمہ بغیر کسی کا سہارا لیے یکے بعد دیگرے سیڑھیوں سے اُتر رہے تھے۔ انا ان کی طرف خوف سے نظریں جمائے دیکھ رہی تھی اور بلی کو باورچی خانے میں بھیجنے کی کوشش میں تھی کہ کہیں وہ بوڑھے کی ٹانگوں میں نہ پھنس جائے۔

''دادی تھکی ہوئی ہے،'' دان دیریکس نے کہا۔

''تب تو بہتر ہوگا کہ مَیں اوپر نہ جاؤں،'' عینا بولی۔'' انا، مَیں اوپر نہیں جاتی پھر کسی وقت آؤں گی۔ دادی اماں کے پاس پہلے ہی بہت سے ملاقاتی آئے ہوئے ہیں۔''

پھُپھی ستیفانی الوداع کہہ کر چلی گئی اور جاتے ہوئے بولی،'' آج دادی اماں کی حالت کچھ خراب تھی۔''

سب کے بعد بوڑھا تکمہ احتیاط سے بالکل سیدھا چلتے ہوئے روانہ ہوا۔ عینا نے سوچا یہ ضرور اس بات کو جانتا ہوگا۔ وہ کیا بات ہے جسے تمام بوڑھے جانتے ہیں؟

''آؤ، دان، ہم بھی چلتے ہیں،'' چچی فلور بولی۔ ''ہماری بگھی دروازے پر کھڑی ہے۔''

''نہیں، تو پہلے چلی جا،'' دان نے جواب دیا۔ ''مَیں نے فی الحال ڈاکٹر رولفس کے ساتھ بات کرنی ہے۔ مجھے اس سے دوبارہ ملنے کی وجہ سے بے حد خوشی ہوئی ہے۔''

''ہمیشہ ہی باتیں، ہمیشہ ہی باتیں،'' چچی فلور بڑ بڑائی۔ ''اچھا تو مَیں تیرے لیے جلد ہی بگھی بھیج دوں گی۔'' وہ الوداع کہہ کر جھولتے ہوئے روانہ ہوگئی۔

''تکمہ صاحب کیا مَیں آپ کو گھر تک چھوڑ آؤں؟'' عینا نے پوچھا۔

تکمہ نے سر ہلا کر رضا مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا، ''ٹھیک ہے، بچی، تم ایسا کر سکتی ہو۔'' بوڑھا اس کے بازو کا سہارا لے کر چل پڑا۔ وہ ابھی اچھی صحت رکھتا تھا اس لیے وہ سواری استعمال نہ کرتا تھا، مگر جب کوئی اس کے ساتھ ناساؤلان کے بلند پل پر سے ماؤرتس کا دے تک جانا چاہتا تو وہ ایسی پیش کش قبول کر لیا کرتا تھا۔

عینا سوچنے لگی: اگر اسے علم ہوا تو ممکن ہے اس سوال سے ڈر کر اس پر غشی طاری ہو جائے۔ وہ بہت محتاط واقع ہوئی تھی اس لیے پوچھنے کی جرأت نہ کر سکی، مگر اس کی روح جستجو کی وجہ سے پریشان ہوئی جا رہی تھی۔ اسے راز معلوم کرنے کی خواہش ستا رہی تھی۔

دان دیریکس بوڑھے ڈاکٹر کے پاس اکیلا رہ گیا۔

''رولفس، مجھے تمھیں دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔''

''اچھا اچھا، ٹھیک ہے، ٹھیک ہے،'' ڈاکٹر بولا۔ ''پانچ برس کا عرصہ ہو چکا ہے جب تم آخری بار ہالینڈ آئے تھے۔ کافی دیر ہوگئی۔ ہاں، ہاں ہم بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں۔ شاید تم خیال کرتے ہوگے کہ اپنی ماں کو ایسی اچھی حالت میں نہ پاؤ گے۔ ہاں، ہاں، مَیں تو اسے سو سال کی عمر تک پہنچانے کا تہیہ کیے ہوئے ہوں۔ آگے دیکھیں کیا ہوتا ہے۔ شاید وہ میرے اور تکمہ کے بعد ہی رخصت ہو۔''

"ہاں، ماں جی زیادہ نہیں بدلیں،" دان نے کہا۔

وہ ایک طاقت ور عورت ہے اور ہمیشہ ہی سے ایسی رہی ہے۔ اس کا دماغ بھی ٹھیک ہے۔ یہ خوش قسمتی کی بات ہے کہ اس عمر میں بھی اس کا حافظہ اتنا اچھا ہے۔"

"اور تکمہ بھی..."

"ہاں، ہاں، وہ بھی ٹھیک نظر آتا ہے۔ دیکھ، ہم سب اتنی بڑی عمر کے ہو رہے ہیں۔ مَیں بھی... ہاں، ہاں، مَیں بھی..."

دان دیریکس گھبراہٹ محسوس کر رہا تھا۔ وہ اپنے بھائی کے ساتھ احتیاط سے کام لینے کا وعدہ کر کے آیا ہوا تھا۔ اس راز کی ہیبت اور خوف سے اس کی روح کو آگ لگی ہوئی تھی۔ ایک کاروباری آدمی کی روح پہلی مرتبہ اپنے کاروبار کے علاوہ کسی اور چیز سے اس قدر متاثر ہوئی تھی۔

"کیا بات ہے، دیریکس؟" رولفس بولا۔

دان دیریکس نے اِدھر اُدھر نظر دوڑا کر دیکھا، اس سنسان مکان میں کوئی بھی اس کی آواز سُننے والا نہیں، تب وہ گھبرائی ہوئی آواز میں بولا:

"رولفس، مَیں نے سُنا ہے؟"

"کیا سُنا ہے؟" رولفس نے چلا کر پوچھا۔

"مَیں نے انڈونیشیا میں سب کچھ سُن لیا ہے۔"

ڈاکٹر نے ایک دفعہ پھر ہیبت زدہ ہو کر پوچھا، "کیا؟"

"مَیں نے سب کچھ سُن لیا ہے، سب کچھ سُن لیا ہے... انڈونیشیا میں۔"

ڈاکٹر نے دان دیریکس کو اس کی صدری کے بٹن پکڑ کر پوچھا، "تُو نے کیا سُنا ہے؟"

دان دیریکس نے بات دہراتے ہوئے کہا، "مَیں نے انڈونیشیا میں سب کچھ سُن لیا ہے اور مَیں سب کچھ جانتا ہوں۔"

"تُو سب کچھ جانتا ہے؟ تجھے سب پتا ہے؟ اچھا بتا تو سہی تُو کیا جانتا ہے؟"

''ماں جی اور تکمہ کے متعلق...''

''تُو جانتا ہے، تجھے علم ہے،'' ڈاکٹر ہڑ بڑا کر بول اٹھا۔ ''مگر مَیں نے اس کے متعلق کسی سے ایک لفظ تک نہیں کہا۔

''نہیں، تُو نے تو کبھی بھی کچھ نہیں کہا، مگر اماں کی ذاتی خادمہ ...''

''مابوتون؟''

''ہاں، مابوتون نے یہ بات اپنے بیٹے کو بتائی۔ مابوتون مرگئی، مگر منشی اس سے ناجائز فائدہ حاصل کرنا چاہتا ہے۔''

''منشی نے کیا کہا تھا؟ مابوتون نے اسے کیا بتایا تھا؟''

''اس نے بتایا تھا کہ میرا باپ تکمہ کو خنجر سے مار دینا چاہتا تھا، مگر تکمہ اس سے خنجر چھیننے میں کامیاب ہوگیا اور میری ماں نے میرے باپ کو پکڑا ہوا تھا تاکہ وہ اپنا دفاع نہ کر سکے اور نوکرانی نے ماں کو کہتے سُنا: مَیں تجھ سے نفرت کرتی ہوں، تجھ سے متنفر ہوں، مگر ایمیل سے مجھے محبت ہے۔ اور وہ تکمہ سے کہنے لگی: ایمیل اسے کاری ضرب لگا کر اس کا کام تمام کر، بہتر ہے کہ تیری جگہ اسے ضرب لگے۔''

''خدایا، تیری پناہ!'' کہہ کر ڈاکٹر ایک تودے کی طرح کرسی پر گر پڑا اور آہیں بھرنے لگا۔

''رولفس، جب مجھے اس بات کا علم ہوا تو مَیں انڈونیشیا میں نہ ٹھہر سکا اور میرا ہالینڈ آنا ضروری ہوگیا تاکہ ماں جی اور تکمہ کو دیکھوں۔''

''کیوں؟''

''مَیں نہیں جانتا کیوں؟ مجھے ماں اور تکمہ سے ہمدردی ہے۔ مَیں تجھے بھی دیکھنا چاہتا تھا تاکہ تجھے یہ بات بتا سکوں۔ مجھے علم تھا کہ تُو...''

''کیا منشی کو میرے متعلق علم تھا؟''

''مابوتون نے اسے بتایا تھا۔''

''ہاں، اس کمبخت کو اس سارے معاملے کا علم تھا۔''

"مَیں اسے والدہ کی وفات تک ہر ماہ پیسے دیتا رہوں گا۔"

"ہاں، ہاں، اس کے مرنے تک۔ خُدایا، تو ہی رحم کرنے والا ہے۔"

"لیکن ایک بات کا تجھے علم نہ تھا، رولفس۔"

"وہ کون سی بات ہے؟"

"جس بات کا تمھیں علم نہیں تھا کہ ہیرلڈ..."

"ہیرلڈ، تیرا بھائی؟"

"...جانتا تھا۔"

"ہیرلڈ کو علم تھا؟"

"ہاں، ہاں۔"

"ہیرلڈ کو کیسے علم ہوا؟"

"ہیرلڈ کو اس کا علم یوں ہوا کہ اس نے خود دیکھا تھا۔ وہ پہاڑوں کے درمیان بنگلے میں اس رات موجود تھا۔"

"دان، کسی اور کے ساتھ بات نہ کرنا۔"

"نہیں، مَیں کسی اور کے ساتھ اس بارے میں کوئی بات مُنھ پر نہ لاؤں گا۔"

وہ کرسی میں اور بھی نیچے کو دھنس گیا۔ عین اس وقت اوپر سے ایک چیخ سنائی دی جو کسی بوڑھے حلق سے نکلتی ہوئی معلوم ہوتی تھی جسے گھونٹا جا رہا ہو اور اس کے ساتھ ہی معاون خادمہ نے دروازے کو کھول کر زور سے آواز دی: "انا، اوپر آ، جلدی کر۔"

ڈاکٹر دہشت زدہ ہو گیا اور پوچھنے لگا، "کیا ہوا ہے؟"

دونوں جتنی جلدی ممکن تھا اوپر گئے۔ انا ان کے پیچھے پیچھے تھی۔ اوپر دو لیمپ روشن تھے اور بوڑھی اکڑ کر کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس کی آنکھیں ہیبت اور خوف کے باعث باہر نکلی ہوئی تھیں اور مُنھ زور سے چیخنے کے بعد کُھلے رہنے کی وجہ سے ایک تاریک گڑھا دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے بازو اٹھا کر انگلی سے چینی برتنوں کی الماری والے کونے کی طرف اشارہ کیا ہوا

تھا۔

انا اور معاون خادمہ گھبراہٹ کے عالم میں پوچھ رہی تھیں: ''بیگم صاحبہ، کیا بات ہے؟ کیا کوئی تکلیف ہوئی ہے؟''

وہ تتلاتے ہوئے اِدھر اُدھر اشارے کر رہی تھی۔ وہ دونوں بھی دہلیز پر پہنچ چکے تھے اور اب سب چینی برتنوں کی الماری کی طرف دیکھنے لگے، مگر وہاں کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔

دان دیریکس کے علاوہ سب کو معلوم تھا بیگم صاحبہ کو ایسا دورہ پڑا کرتا ہے، مگر اس پر غشی طاری نہ ہوتی تھی۔ سب اس کے اِرد گرد جلدی جلدی چل پھر رہے تھے۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو ڈاکٹر اور دونوں عورتوں کو پہچان لیا، مگر، وہ اپنے لڑکے کو نہ پہچان سکی۔ وہ اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے لگی اور اسے اچانک ایک اور دھکا لگا۔ گویا اس کی باپ سے مشابہت کی وجہ سے اس پر یہ اثر ہوا تھا۔

دان چلا کر بولا: ''ماں جی، ماں جی،'' اس پر اس نے اسے غور سے دیکھا اور سمجھ گئی کہ وہ اس کا لڑکا ہے جو اپنے باپ سے مشابہت رکھتا ہے جس سے پہلے اسے محبت تھی، مگر بعد میں نفرت ہوگئی۔

''دونوں مرد اسے عورتوں کے سپرد کر کے کمرے سے باہر چلے گئے۔''

''اس نے کیا دیکھا تھا؟'' دان دیریکس نے پوچھا۔

''شش، خاموش،'' ڈاکٹر نے کہا۔ ''ہاں ہاں، ہاں ہاں...''

''اس نے کیا دیکھا تھا؟''

''اس نے دیکھا تھا... دیریکس، اس نے تیرے باپ کو دیکھا تھا۔''

باورچی خانے میں بلی بھی ڈر کر میاؤں میاؤں کر رہی تھی۔

۲۲

پھُپھی آدیلے تکمہ اپنی کنجیوں والی ٹوکری بازو میں لیے بڑے آرام سے کھانے کے کمرے سے نکل کر ڈیوڑھی میں آئی۔ اس نے ڈاکیے کو دیکھ کر خیال کیا شاید ایلی کا خط آیا ہو۔

ایلی اور لت فلورنس میں لورنتیانہ[1] کے کتب خانوں میں سرگرم عمل تھے جہاں لت مشہور خاندانِ حکماء پر تاریخی کتاب لکھنے کے لیے مواد جمع کر رہا تھا۔ انھوں نے نیپلز تک سفر کیا اور وہ سیر و سیاحت کے بعد تھک چکے تھے۔ ایلی کے لیے تو سارا ملک ہی نیا تھا۔ واپسی پر وہ فلورنس کے ایک ہوٹل میں قیام کر کے اکٹھے کام میں مشغول ہو گئے تھے۔ ایلی وہاں بہت خوش تھی۔

پھُپھی آدیلے نے خطوں کے ڈبے میں دیکھا تو واقعی ایلی کا خط دادا کے نام پڑا تھا۔ آدیلے ہمیشہ دادا جی کو خطوط پڑھ کر سُنایا کرتی تھی۔ خط عموماً اس کے لیے بھی ہوتا تھا۔

پھُپھی آدیلے کام کاج میں مصروف ہوگئی۔ باورچی خانے میں کام کرتی خادمہ سے کچھ کہہ کر الماری بند کی۔ ایک میز پوش کو استری کیا۔ کرسی ٹھیک طرح سے دیوار کے ساتھ رکھ دی تاکہ اسے جلدی نیچے نہ جانا پڑے اور وہ بوڑھے کو آرام سے ایلی کا خط پڑھ کر سُنائے۔ وہ ہمیشہ خط میں دل چسپی ظاہر کیا کرتا تھا کیوں کہ ایلی نہایت زندہ دلی سے خط لکھا کرتی تھی۔ ان خطوط کی وجہ سے وہ ساری صبح خوش رہتا تھا اور آدیلے کے خط پڑھ کر سُنانے کے بعد کئی دفعہ اس کے خط کو خود پڑھا کرتا تھا۔ پھُپھی آدیلے نے بوڑھے کے مطالعے کے کمرے پر دستک دی، مگر کوئی جواب نہ آیا۔ وہ سونے کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ کیا دیکھتی ہے، بوڑھے میاں کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گئے ہیں۔ وہ کرسی پر لیٹا ہوا معلوم ہوتا تھا اور اتنا چھوٹا لگ رہا تھا جیسے سوتے ہوئے سکڑ گیا ہو۔ اس کی آنکھیں بند اور ایک ہاتھ میز کی دراز پر پڑا ہوا تھا اور قریب ہی ردی کاغذوں کی ٹوکری رکھی ہوئی تھی، چھ کاغذ میز پر بکھرے ہوئے تھے۔ وہ دبے پاؤں باہر نکل گئی۔ وہ افسوس کر

---

[1] لورنتیانہ: (Laurentiana)، جگہ کا نام۔

رہی تھی کہ اب ایلی کا خط پڑھنے کے لیے انتظار کرنا پڑے گا۔ اسے کوئی اور کام نہ تھا کیوں کہ امورِخانہ داری کلی طور پر انجام پا چکے تھے اور دونوں نوکرانیاں اپنا اپنا کام کرنے مشغول تھیں۔ پھُپھی آدیلے کھانے کے کمرے میں کنجیوں کی ٹوکری اپنے پاس رکھ کر بیٹھ گئی۔ وہ خوش تھی کہ گھر صاف ستھرا ہے اور تمام چیزیں سلیقے سے پڑی ہیں۔ وہ اخبار پڑھنے لگی اور سوچنے لگی ابھی اسے اوپر لے جاؤں گی۔ باہر برف باری ہو رہی تھی۔ گھر کے اندر اور کمرے میں بھی خاموشی تھی۔ آدیلے نے اس اثنا میں چار صفحے پڑھ ڈالے۔ خادمہ کی آواز سنائی دی تو وہ اٹھی اور ایلی کا خط اور اخبار اوپر لے گئی۔ اس نے پھر مطالعے کے کمرے کے دروازے پر دستک دی، مگر اب پھر اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ تب اس نے آہستہ سے دروازہ کھولا اور دیکھا وہ ابھی تک اسی حالت میں پڑا سو رہا ہے۔ وہ ڈر گئی اور قریب جا کر دیکھا اس کی آنکھیں بند نہیں ہیں بلکہ دور کی جگہ ٹکٹکی لگائے دیکھ رہی ہیں۔ جب اور قریب پہنچی تو اس نے جان لیا وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکا ہے۔ ایک ذرا سی حرکت ہی اس کی بوڑھی اور کم زور جان کو نکالنے کے لیے کافی تھی۔ ایک چھوٹی سی ٹھوکر ہی اس کے خون کی حرکت کو شریانوں میں بند کرنے کے لیے کافی سے زیادہ تھی۔ اس نے موت سے لڑے بغیر ہی جان دے دی تھی۔ موت نے قریب آ کر اپنی سر دانگلی سے اسے صرف چھوا ہی تھا کہ وہ داعیٔ اجل کو لبیک کہہ کر رخصت ہو گیا۔ پھُپھی آدیلے کانپ رہی تھی۔ دفعتاً اس کی چیخیں نکلیں۔ اس نے گھنٹی بجائی اور ڈرتے ڈرتے پکارا تو دونوں خادمائیں دوڑتی ہوئی اوپر آئیں۔ آدیلے نے روتے ہوئے کہا بڑے میاں فوت ہو گئے ہیں۔ اس پر دونوں نوکرانیاں بھی رونے لگیں۔

آدیلے نے کیتھے نامی خادمہ کو ڈاکٹر تیلنس کی طرف بھیجا اور کہا: ''اس کے بعد ستاین دی ویرت کی طرف جانا۔ ان کے علاوہ میں کسی اور کو نہیں جانتی۔ بڑے میاں کے عزیز یہاں نہیں رہے۔ ہاں، ستاین دی ویرت اس امر میں ہماری مدد کر سکیں گے۔ بگھی لے کر جلد جا اور ستاین دی ویرت کو ساتھ لے آ۔ بیگم ستاین تو لندن گئی ہوئی ہے، کیتھے، فوراً جا۔''

خادمہ روتی ہوئی روانہ ہو گئی۔ کیتھے کو ستاین دی ویرت گھر پر ہی مل گیا اور وہ فوراً اس کے

ساتھ بگھی میں بیٹھ کر آ گیا۔ انھوں نے آتے وقت راستے میں ڈاکٹر تیلنس کے گھر اطلاع دی، مگر وہ باہر گیا ہوا تھا۔ آدیلے ڈیوڑھی میں ہی ستاین دی ویرت سے ملی۔ مکان میں عجب طرح کی سنسنی پھیلی ہوئی تھی اور باہر زور شور سے برف باری ہو رہی تھی۔

پھُپھی آدیلے روتے روتے کہنے لگی: ''ستاین، تیرے سوا مَیں کسی اور کو نہیں جانتی ۔ علاوہ ازیں مَیں نے تمھیں اس لیے بھی تکلیف دی ہے کہ بوڑھا کہتا تھا اس کی وفات کے بعد تم ہی اس کی وصیت وغیرہ کے معاملے میں مختار ہو گے۔''

ستاین ڈاکٹر کے آنے تک آدیلے کے پاس رہا۔ ڈاکٹر نے آ کر موت کی تصدیق کی ۔ ستاین کے ذمے تمام معاملات کا طے کرنا تھا۔ اس نے لندن میں مقیم اپنی بیوی کو تار دیا کیوں کہ آدیلے نے اسے ایسا کرنے کے لیے کہا تھا۔ لت اور ایلی کو بھی تار فلورنس بھیج دیا گیا اگرچہ ان کا بوڑھے کو دفنانے سے پہلے ڈن ہاخ پہنچنا ممکن نہ تھا۔ وہ خود اپنے سالے ہیرلڈ دیریکس کی طرف گیا۔ ''ہیرلڈ، ہمیں ماں جی کو اطلاع دینی چاہیے یا نہیں؟ شاید انھیں مطلع کرنا مناسب اور درست نہ ہو۔''

ہیرلڈ دیریکس یہ خبر سُن کر اپنی کرسی پر پیچھے کو گر گیا۔ یہ اس کے لیے برے دنوں میں سے ایک تھا۔ اس روز وہ پہلے ہی درد کی وجہ سے آہیں بھر رہا تھا۔ وہ درد کی شکایت تو نہ کرتا تھا، مگر اس کا چہرہ سکڑا ہوا تھا اور وہ جھٹکوں سے سانس لے رہا تھا۔

''ہیرلڈ، کیا تجھے بہت تکلیف ہے؟'' ستاین نے پوچھا۔

ہیرلڈ نے جواباً اثبات میں اپنا سر ہلا دیا۔

''کیا مَیں ڈاکٹر تیلنس کو بھجوا دوں؟''

اس بار اس نے انکار میں سر ہلایا اور بولا، ''فرانس، تیرا شکریہ! وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ مجھے علم ہے کہ کیا کرنا چاہیے۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

ہیرلڈ تکمہ کی موت کا خواہاں تھا۔ اپنی ماں کی موت کا خواہاں تھا تا کہ وہ دونوں ، وہ بوڑھے لوگ، وہ چیز، وہ ہیبت ناک چیز یقینی طور پر گزر جائے ۔ ہاں وہ اس کا خواہاں تھا اور اب

بوڑھا مر چکا ہے۔ اس نے پھر نہایت ہی نرم آواز میں کہا، ''فرانس، یہ ہم ماں کو نہیں بتا سکتے۔ ہم اس کے بڑھاپے کے خیال سے یہ بات اسے نہیں بتا سکتے۔''

''ہاں، میرا بھی یہی خیال ہے، ہمیں اس کے سامنے بوڑھے کی موت کے متعلق بالکل خاموش رہنا چاہیے، مگر ڈاکٹر رولفس سے اس بات کو چھپانا ممکن نہیں۔ اسے بھی اس سے تکلیف پہنچے گی۔''

''تم نے اوتیلی کو تار دے دیا ہے؟'' ہیرلڈ دیریکس نے پوچھا۔

''ہاں، آدیلے کی یہی خواہش تھی۔''

''ٹھیک ہے،'' ہیرلڈ دیریکس بولا۔ ''وہ.. وہ اس کی لڑکی ہے۔''

''کیا اسے اس کا علم تھا؟ ہم نے تو اسے یہ بات کبھی نہیں کہی۔''

''مَیں نے بھی ماں سے اس بارے میں کبھی بات نہیں کی، مگر میرا خیال ہے اوتیلی کو ایسا گمان تھا۔ تم وصیت کے مطابق عمل کروانے کے مختار ہو۔''

''ہاں، آدیلے کا بھی یہی خیال ہے۔''

''ہاں، ہاں،'' ہیرلڈ بولا: ''وہ اپنی جائیداد کا بیشتر حصہ ایلی اور اوتیلی کے نام لگا گیا ہوگا۔ اسے کب دفن کیا جائے گا؟''

''سوموار کے روز۔''

''لت اور ایلی یہاں نہیں ہوں گے؟''

''نہیں، ان کا انتظار کرنا ممکن نہیں۔''

''کیا جنازہ ناساؤلان میں سے گزرے گا؟ کوئی اور راستہ اختیار کرنا بہتر ہوگا تاکہ ماں جی کے مکان کے سامنے سے نہ گزرے۔ وہ تو ہمیشہ ہی کھڑکی کے پاس بیٹھی ہوتی ہیں۔''

''مَیں ایسا انتظام کروالوں گا۔''

''اوتیلی کب پہنچے گی؟''

''وہ آج شام بحری جہاز لے سکتی ہے۔''

''یقیناً وہ ایسا ہی کرے گی۔''

''ہیرلڈ، اب مجھے جانا ہے۔ کیا تُو ڈاکٹر رولفس کو بتادے گا؟''

''یقیناً مَیں ایسا کروں گا۔ اگر کسی معاملے میں مدد کرسکوں تو...''

''بہت بہت شکریہ۔''

''آؤ، آج ماں کے گھر اکٹھے ہوں۔ جہاں تک ہو سکے خاندان کے تمام افراد کو تنبیہ کردی جائے کہ ماں کے سامنے اس بات کا قطعاً ذکر نہ کیا جائے ۔ یہ دھکااس کی موت کا موجب ہوسکتا ہے۔''

جب ستاین نے دروازہ کھولا تو اس کا عینا سے آمنا سامنا ہوا۔ عینا نے اسے کھڑکی میں سے اپنے باپ کے ہاں آتے دیکھ لیا تھا۔ وہ معلوم کرنا چاہتی تھی کہ وہ اس کے والد کے پاس کیوں آیا ہے۔ وہ دبے پاؤں اوپر چلی گئی اور سب کچھ سُن لیا۔

''سلام، ستاین ۔'' ان کی عمروں میں بہت تھوڑا فرق تھا اس لیے وہ اسے پھُپھا نہ کہتی بلکہ نام لے کر پکارا کرتی تھی۔

''تکمہ فوت ہوگیا ہے،'' اس کا باپ بولا۔ ''اپنی دادی کو نہ بتانا۔ ہم یہ بات اس سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں کیوں کہ یہ اس کے لیے ایک سخت ضرب ہوگی جس سے وہ سنبھل نہ سکے گی۔''

عینا بولی: ''ہاں، ہمیں اس کے متعلق دادی جی کو بالکل نہ بتانا چاہیے۔ تکمیہ یقیناً امیر تھا۔ ایلی سب کچھ ورثے میں پائے گی۔''

''مجھے علم نہیں،'' ستاین نے جواب دیا۔ ''شاید؟''

''کیا وہ آج رات فوت ہوا ہے؟'' عینا نے پوچھا۔ ستاین نے ساری تفصیل بتائی اور کہا اس نے لت اور اوتیلی کو تار کے ذریعے اطلاع کروادی ہے۔

''پھُپھی اوتیلی کو کیوں؟'' عینا نے سوال کیا۔

''کیوں کہ...'' ستاین ہچکچاتے ہوئے بولا۔ اسے افسوس ہورہا تھا کہ اس کی زبان

کیوں پھسل گئی۔ ''... یہ بہتر ہے کہ وہ بھی پاس موجود ہو۔'' عینا سمجھ گئی کہ پھُپھی اوتیلی تکمہ کی بیٹی ہے اور وہ بھی وارث ہوگی۔

'' تیرے نزدیک بوڑھے نے کس قدر ورثہ چھوڑا ہوگا؟ تجھے اس کا اندازہ ہے؟ یہ اس لیے نہیں کہ مجھے کسی کے مالی معاملات سے دلچسپی ہے، دوسروں کے مالی امور سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔ ستاین، کیا تیرے نزدیک اباجی غم زدہ نہیں۔ جب سے وہ چچا سے ملے ہیں سخت غمگین دکھائی دیتے ہیں۔ ستاین، تجھے علم ہے چچا ہالینڈ کیوں آئے ہیں؟'' اسے تجسس کی آگ لگی ہوئی تھی۔

ستاین کو بالکل علم نہ تھا۔ اسے عینا کے سوال پر تعجب ہوا اور وہ کہنے لگا جس طرح وہ پہلے ہیرلڈ کے ساتھ آکر کاروبار کے متعلق بات چیت کیا کرتا تھا ایسے ہی اب آیا ہوگا اور پھر وہ جلدی سے ستیفانی پھر آنتون، دان اور فان ویلی کی طرف گیا اور ہر ایک کو تاکید کرتا گیا کہ بوڑھے کی وفات کا ماں جی سے کوئی ذکر نہ کیا جائے۔ سبھوں نے ایسا کرنے کا وعدہ کیا۔ ستاین نے سب کو نصیحت کی کہ وہ صرف یہ کہیں تکمہ صاحب بیماری کی وجہ سے باہر نہیں جا سکتے۔ وہ یہی کہتے رہیں۔ پھر وہ آدیلے کے پاس واپس پہنچا جس نے اس سے کہا:

'' ستاین، ہم بوڑھے کے کمرے میں بکھرے کاغذات کو اکٹھا نہ کردیں۔ بہت گند پڑا ہے۔'' ستاین نے جواب دیا: '' میں لت اور ایلی کے آنے تک انتظار کرنے کو زیادہ پسند کرتا ہوں۔ بوڑھے کے کمرے کے دروازے پر تالا لگا دو۔ کسی بھی چیز کو سربمہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے نوکرانی کے ساتھ بات کی ہے۔'' اس کے بعد وہ چلا گیا اور میت والے گھر میں پھُپھی آدیلے اکیلی رہ گئی۔ وہ سوچنے لگی اٹلی میں بے چارے بچوں کے کام میں خلل واقع ہوا ہوگا جو ان کے لیے مفید نہیں۔ لوگوں کے نزدیک صرف ایلی ہی بوڑھے کی اولاد میں سے باقی اور اس کی وارثہ تھی۔ پھُپھی آدیلے لالچی نہ تھی، مگر اسے یقین تھا کہ بوڑھے نے اس کے لیے کافی وصیت کر چھوڑی ہوگی۔ وہ صرف اس بات کو تکلیف کا باعث خیال کرتی تھی کہ اتنی مدت اس مکان میں رہنے کے بعد اسے یہ جگہ چھوڑنی ہوگی۔ وہ عرصے سے بوڑھے کی خدمت

کرتی رہی تھی جسے وہ پسند کرتی تھی۔

پھپھی آدیلے نے کھڑکیاں کھول دیں جس سے موسم سرما کی ہَوا اندر داخل ہوئی اور اس نے جواونی شال اوڑھ رکھی تھی اسے کندھوں پر کھینچ لیا۔ میز کی ایک دراز کُھلی تھی اور میز پر کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔ وہ انھیں اس طرح نہ پڑا رہنے دے سکتی تھی۔ یہ کوئی جرم نہ تھا کہ چیزیں ذرا ترتیب سے رکھ دی جائیں۔ بلکہ یہ ایک طرح سے بوڑھے کی خدمت تھی جو دوسرے کمرے میں بے جان پڑا دفن ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے میز پر پڑے کاغذات اکٹھے کر کے ایک تھیلے میں ڈال دیے اور میز سے گرد جھاڑی اور سب کچھ ترتیب سے رکھ دیا اور کُھلی دراز کو بند کر کے چابی لگا دی۔ جو کچھ قالین پر پڑا پایا تھا اسے بھی اُٹھا دیا۔ جب اس نے ایک پھاڑا ہوا خط دیکھا جو صرف دو حصوں میں منقسم تھا تو اس پر رقت طاری ہوگئی۔ بوڑھے نے اور بھی خطوط پھاڑ کر ردی کی ٹوکری میں ڈال دیے تھی جن کے پرزے اس نے اسی ٹوکری میں پھینکے تھے، مگر معلوم ہوتا تھا جب موت نے آ کر اس کے دل اور سر کو چھوا تو یہ خط اس کے ہاتھوں سے گر گیا تھا اور اس کے ہاتھوں میں بالکل جان نہ رہی کہ وہ دو ٹکڑوں میں پھاڑے ہوئے خط کو مزید ٹکڑوں میں پھاڑ سکے لہٰذا دو ٹکڑے ہی اس کی انگلیوں سے پھل کر گر پڑے اور وہ خود پھسل گیا۔

اس نے خط کے ان پھاڑے ہوئے ٹکڑوں کو پڑھنا شروع کیا۔ وہ تھوڑا سا پڑھنے کے بعد انھیں ریزہ ریزہ کر کے پھینک دینا چاہتی تھی، مگر اس نے اپنے ارادے کو عملی جامہ نہ پہنایا اور پڑھتی چلی گئی۔ اس کا مُنھ فق اور حواس باختہ ہوگئے۔ وہ نہایت ہی سادہ زندگی بسر کرنے والی عورت تھی۔ کتابیں پڑھنے سے اس پر کوئی خاص اثر نہ پڑتا تھا، مگر جو الفاظ وہ اب پڑھ رہی تھی ان کی سیاہی کا رنگ سرخ تھا جو مرورِ زمانہ سے سفیدی مائل ہو چکا تھا۔ خط پڑھ کر وہ مسحور ہوگئی اور بوڑھے کی کرسی میں بیٹھ کر پورا خط پڑھنے کے سوا اسے کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ اس نے ایسی باتوں کے متعلق پڑھا جو جلا دینے والی تھیں مثلاً شہوت، جس سے اس کی کبھی آشنائی نہ ہوئی تھی۔ اس نے روح و جسم کے ایک ہونے اور روحوں اور جسموں کے ادغام کے متعلق پڑھا۔ یہ بھی لکھا تھا: ''وہ اپنے کبھی نہ بجھنے والے نفسانی جوش میں ایک ہو کر ہمیشہ کے لیے اکٹھے رہیں گے اور

سب کچھ بھول جائیں گے... وہ ایک رات، وہ رات...''

سُرخ الفاظ کی جگہ سرخ خون بہنے لگا اور جوشیلی محبت کو ظاہر کرنے والے جملوں کی بجائے نفرت اور حقارت کا جوش ظاہر ہونے لگا اور یہ کہ: ''بے پایاں خوشی نے نفرت کی آگ کو بجھا دیا اور وہ خوش ہے کہ اگر اس قسم کی رات پھر آئے تو نفرت اسے پھر بجھا دے گی۔''

'' آخر لکھا تھا: ''اس خط کو پڑھ کر پھاڑ دینا۔''

اوتیلی

پھُپھی آدیلے خط کے پرزے ہاتھ میں لیے بلاحرکت بیٹھی رہی۔ وہ اسے پڑھ چکی تھی۔ اب اس حقیقت کو بدلا نہیں جاسکتا۔ کاش مَیں اسے نہ پڑھتی۔

خط آج سے ساٹھ سال قبل تخال سے لکھا گیا تھا۔

'' ہائے خدایا! یہی ان کی زندگی کا راز تھا! ان دونوں کی بڑھاپے کی زندگی کا جنھوں نے اس زور شور سے ایک دوسرے سے محبت کی اور پھر اس قدر نفرت اور حقارت کہ خون کر بیٹھے جسے وہ ہمیشہ راز میں رکھے رہے۔ مگر اب پھُپھی آدیلے کو اس کا علم ہوگیا تھا۔ وہ خیال کر رہی تھی اس بات کو صرف وہی جانتی ہے اور اس لیے وہ بہت پریشان تھی۔ وہ کانپتی ہوئی اٹھی۔ کھڑکی کی طرف گئی تاکہ اسے بند کر دے۔ وہ محسوس کر رہی تھی اس کے پاؤں ڈگمگا رہے ہیں اور اس کے گھٹنے بج رہے ہیں۔ اس نے اپنے سر کو اِدھر اُدھر جھٹکا اور رومال کو ایک اوزار کی طرح ہاتھ میں لے کر کبھی یہاں اور کبھی وہاں گرد جھاڑنے لگی۔ وہ اپنے خیالات میں ڈوبی ہوئی تھی اس لیے کئی دفعہ ایک ہی جگہ واپس آ کر پھر گرد جھاڑنے لگ جاتی۔ بلا ارادہ اس نے کرسیوں کو سیدھا رکھا اور دوسری اشیا کو ٹھکانے رکھ کر کمرے سے باہر نکلی۔ وہ کانپ رہی تھی۔ کمرا صاف ستھرا تھا اور خط کے ٹکڑے اس نے ایک جگہ محفوظ کر دیے تھے۔ وہ انھیں پھینکنے کی طاقت نہ رکھتی تھی۔ اب اسے خیال آیا کہ بوڑھے کو دیکھے، گویا کسی بیرونی طاقت نے اس کی توجہ اس طرف مبذول کروادی۔ وہ پنجوں کے بل چلتی ہوئی میت والے کمرے میں گئی۔ مدھم زردی مائل روشنی میں اس نے بوڑھے کے سر کو سفید تکیے پر پڑا دیکھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور چہرہ ناک مُنھ کی طرف دھنسا

ہوا تھا جیسے پرانے چمڑے میں ہلکی ہلکی جھریاں پڑی ہوں۔ کانوں کے پاس خال خال سفید بال تھے جو بے چمک چاندی کے تاروں کی طرح دکھائی دیتے تھے۔

جو کچھ اس نے اس دنیا میں برداشت کیا اس سے تو اسے کچھ بھی سزا نہیں ملی۔ بظاہر اس کی زندگی خوشحال ہی نہیں بلکہ امارت کے درجے تک پہنچتی ہوئی تھی۔ اس کا بڑھاپا بغیر بیماری کے گزرا۔ اس کے حواس تیز رہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ وہ اکثر مذاق کے طور پر شکایت کیا کرتا تھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے بہرا ہونے کی بجائے اس کی قوتِ سماعت اور بھی تیز ہو چکی ہے اور اسے غیب کی آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں۔ تو اس نے کون سی آواز سنی ہوگی اور اسے کس نے پکارا ہوگا کہ اس کا دو ٹکڑوں میں پھاڑا ہوا خط، جو اس کا راز افشا کر رہا ہے، اس کے ہاتھوں سے گر پڑا۔ نہیں اسے اس دنیا میں پوری سزا نہیں ملی۔

پھُپھی آدیلے کے جسم میں ایک سرد لہر دوڑ گئی جب اس نے سوچا انسان دوسروں کے ساتھ سال ہا سال تک اکٹھے رہتے ہوئے بھی ان کے متعلق صحیح علم حاصل نہیں کر سکتا۔

۲۳

دوسرے روز اوتیلی ستاین ہک فان ہالینڈ[1] پر پہنچ گئی۔ اس کے ساتھ ایک تیس سالہ انگریز لڑکا تھا جو بہت خوب رو تھا اور اس کی داڑھی اور مونچھیں صفاچٹ تھیں۔ اس کے بال سکے اور سفری ٹوپی کے نیچے اس کا چہرہ سرخی مائل تھا اور وہ اپنی نکراور کوٹی میں بہت وجیہ نظر آرہا تھا۔ دونوں ڈن ہاخ جانے والی ریل گاڑی میں بیٹھ گئے۔

اوتیلی ستاین مغموم اور خاموش بیٹھی تھی۔ اس کا گمان تھا کہ تکمہ اس کا والد تھا اور وہ اس سے باپ کی طرح ہی محبت کرتا تھا۔ وہ اپنے بیٹے ہیوگ سے مخاطب ہو کر بولی، ''وہ میرے لیے انتہائی طور پر مہربان تھے۔ مَیں ان کی جدائی بہت محسوس کروں گی۔'' ہیوگ نے ہچکچائے بغیر جواب دیا۔

''وہ تیرا باپ تھا نا؟''

''بالکل نہیں،'' اوتیلی بولی۔ ''ہیوگ تجھے بھلا کیا علم ہے، لوگ یونہی باتیں بناتے ہیں۔ اس نے تو تجھے انگلینڈ جانے کے لیے کرایہ بھی دیا تھا...''

اوتیلی کو علم کیوں نہ تھا، مگر وہ ہیوگ کے ساتھ لت کی نسبت سنجیدگی سے بات کیا کرتی تھی۔ اسے دونوں بیٹوں سے محبت تھی۔ لت سے اس لیے پیار کرتی تھی کہ وہ اس سے محبت بھرا سلوک کرتا تھا اور ہیوگ سے اس لیے وہ بہت خوب صورت اور وجیہ وجسیم تھا جس سے اسے اپنا خاوند تریولی یاد آجاتا تھا جو اسے تینوں خاوندوں میں سے سب سے زیادہ پیارا تھا۔

اوتیلی نے لت کو کبھی نہ بتایا تھا کہ بوڑھے میاں اس پر اتنے مہربان ہیں، مگر ہیوگ کو بعض دفعہ کہہ چکی تھی۔ وہ بہت خوش تھی کہ ہیوگ کے پہلو میں بیٹھ کر سفر کر رہی ہے، مگر پھر بھی ہیوگ کے ساتھ آجانے سے اسے تسلی نہ تھی۔ وہ کبھی ڈن ہاخ نہ آیا تھا اور اس موقعے پر اس کے

---

[1] ہک فان ہالینڈ: (Hoek Van Holland) لفظی ترجمہ تو ''ہالینڈ کا موڑ'' ہے، مگر یہ ہالینڈ کی ایک بندرگاہ ہے۔

ساتھ آجانے سے ستاین کی طرف سے مشکلات پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔

''ہیوگ،'' وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولی، '' تیرے ساتھ آنے کی وجہ سے مَیں بہت خوش ہوں کیوں کہ تجھے دیکھنے کا کم ہی موقعہ ملتا ہے، مگر شاید بہتر ہوتا تُو ساتھ نہ آتا۔''

ہیوگ نے لاپروائی سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہا، '' اچھا۔''

''ستاین کی وجہ سے۔ جیسا کہ تُو جانتا ہے۔''

''مَیں تو اس شخص کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ مَیں تیرے مکان میں قدم بھی نہ رکھوں گا۔ مَیں کسی ہوٹل میں رہوں گا، کیا تُو خیال کرتی ہے مَیں اس کمبخت ستاین کو دیکھنا چاہتا ہوں، اس بدمعاش کو جس کی خاطر تُو نے میرے باپ کو چھوڑ دیا تھا۔ یہ تو تُو جانتی ہی ہے کہ مَیں اپنے حقوق کی خاطر ساتھ جا رہا ہوں۔ معلوم کرنا ہے کہ تجھے بوڑھے سے کتنا ورثہ ملتا ہے۔ جب مجھے اس بات کا پتا چل جائے گا تو واپس چلا جاؤں گا۔''

ماں ٹکٹکی باندھے سامنے دیکھتی رہی، جیسے کوئی بچہ نصیحت سُننے کے بعد چپ چاپ بیٹھا ہو۔ ریلی گاڑی کے ڈبے میں وہ اکیلے ہی تھے۔ وہ پیار بھرے لہجے میں بولی، '' میرے بچے، میرے لختِ جگر، تجھے ماں سے ایسی باتیں نہیں کہنا چاہیں۔ مجھے تجھ سے بہت محبت ہے۔ تُو اپنے باپ سے مشابہ ہے۔ اور مَیں تیرے باپ سے ستاین سے کہیں زیادہ محبت کرتی تھی۔ ستاین نے تو میری زندگی تباہ کر ڈالی ہے۔ کاش مَیں تیرے والد کے ساتھ، تم سب کے ساتھ ہی رہتی۔ بچے، ایسی سخت کلامی زیبا نہیں دیتی۔ اس کی وجہ سے مجھے تکلیف پہنچتی ہے۔ اپنی ماں کے ساتھ ذرا محبت اور پیار سے رہ۔ اب تو اس کے پاس کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ لت کی شادی ہو چکی ہے اور بڑے میاں فوت ہو گئے ہیں۔ اگر تُو بھی میرے پاس نہ ہوا تو مجھ سے محبت کرنے والا کوئی بھی نہ ہوگا۔ ماضی میں تو سبھی مجھ پر فریفتہ تھے۔ ہاں، پرانے وقتوں میں۔'' یہ کہہ کر اس نے رونا شروع کر دیا۔ ایک وجہ تو بوڑھے کی وفات تھی اور دوسری لت پر غصہ اور ایلی سے حسد جنہوں نے شادی کر لی تھی۔ اس نے بچے کی طرح ہیوگ کا مضبوط ہاتھ ٹٹولنا شروع کیا۔

بیٹے کی محبت نے جوش مارا تو اسے بازوؤں میں لے کر بولا، '' اِدھر آ، نہ رو، اِدھر آ۔'' اور

اس نے اسے اپنی طرف کھینچ لیا اور اس نے ایک بچے کی طرح اپنا سر اس کی چھاتی پر رکھ دیا۔ ہیوگ اس کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا اور جب اس نے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تو وہ بہت خوش ہوئی۔

''تُو کس ہوٹل میں ٹھہرے گا؟'' اس نے پوچھا۔

''توی سیدن ہوٹل میں۔ کیا تُو مجھے کچھ اور رقم دے سکتی ہے؟''

''نہیں، ہیوگ،'' وہ بولی۔ ''مَیں نے روانہ ہوتے وقت سب کچھ تیرے سپرد کر دیا تھا۔ ٹکٹ کے لیے اور...''

''کیا یہی کچھ تیرے پاس تھا؟''

''ہاں، بچے، اب تو میرے پاس ایک دمڑی بھی باقی نہیں، مگر اب مجھے ضرورت بھی نہیں، جو باقی بچا ہے اپنے پاس ہی رکھ لے۔

''ہیوگ نے اپنی جیب ٹٹول کر کہا،'' زیادہ تو نہیں بچا۔ ڈن ہاخ پہنچ کر کچھ اور دے دینا اور بعد میں جب مَیں امیر ہو جاؤں گا تو تُو میرے پاس آ کر رہ سکے گی اور تیرا بڑھاپا آرام سے گزرے گا۔''

وہ خوشی سے مسکرا اٹھی اور اس نے اس کے رخساروں پر ہاتھ پھیر کر اس طرح بوسہ دیا کہ ایسا اس نے لت کو بھی نہ دیا ہوگا۔ دراصل وہ اس پر ایک طرح سے عاشق تھی اور وہ تھا بھی اس کا چہیتا بیٹا۔ وہ ہمیشہ ہی اس جگہ اپنی شکست مان لیتی تھی جہاں وہ مردانگی کا دور دورہ دیکھتی تھی اس لیے وہ اپنے اس بیٹے کے سامنے بھی ایسا ہی کرتی تھی۔

ڈن ہاخ پہنچ کر وہ اس سے رخصت ہوئی اور وعدہ کیا کہ اسے صورتِ حال سے آگاہ کرتی رہے گی اور اسے نصیحت کی کہ آرام سے رہے اور کسی قسم کی الجھن پیدا کرنے کا موجب نہ بنے اور وہ وعدہ کر کے رخصت ہو گیا۔

گھر پہنچ کر اس نے دیکھا کہ خاوند موجود ہے۔ اس نے پوچھا بوڑھے میاں کیسے فوت ہوئے؟

اس نے بالاختصار ساری بات بتا دی اور بولا: ، مجھے وہ وصیت کے مطابق عمل کروانے

کے لیے مختار بنا گئے ہیں۔''

''تجھے؟'' اس نے حیرانگی سے پوچھا۔ ''لت کو، جو ایلی کا خاوند ہے، کیوں نہیں بنایا؟''

''مجھے علم نہیں بڑے میاں نے ایسا فیصلہ کیوں کیا؟ علاوہ ازیں مَیں سب کچھ لت کے ساتھ مل کر ہی کروں گا جو پرسوں یہاں پہنچے گا۔ مرحوم کو آج تابوت میں بند کریں گے اور کل تدفین ہوگی۔''

''کیا لت کا انتظار نہیں کیا جا سکتا؟''

''ڈاکٹر تیلنس کے نزدیک ایسا کرنا صحیح نہیں ہے۔''

اس نے ستاین کو ہیوگ کے ساتھ آنے کی اطلاع نہ دی اور کافی پینے کے بعد ماورتس کادے پہنچی اور آدیلے تکمہ سے گلے ملی۔

اوتیلی نے اس سے پوچھا، ''کیا مَیں بڑے میاں کو آخری دفعہ دیکھ سکتی ہوں؟'' اور اس نے ہلکی روشنی میں اس کا بوڑھا چہرہ سفید تکیے پر پڑا دیکھا جب کہ اس کے سر پر پتلے پتلے سفید بالوں کا جالا نظر آ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں ۔ وہ آہستہ آہستہ رونے لگی۔ وہ اس سے محبت کرتی تھی اور وہ بھی اس پر مہربان تھا۔ وہ اسے اپنا باپ سمجھتی تھی۔ اس نے اپنے باپ کو نہیں دیکھا تھا۔ اگر اسے مالی مشکلات پیش آتیں تو وہی اس کی مدد کرتا تھا۔

شام کے وقت وہ ستاین کے ساتھ واپس آئی ۔ ڈاکٹر تیلنس بھی وہاں پہنچ گیا تا کہ وہ بوڑھے کو صندوق میں ڈالتے وقت موجود ہو۔

پھُپھی آدیلے ضبط کیے رہی ۔ اس نے ڈاکٹر رولفس کا نہایت اطمینان سے استقبال کیا۔ ڈاکٹر کا سانس چڑھا ہوا تھا اور وہ آہ و بکا کر رہا تھا۔ پہلے تو وہ دفنانے کے لیے ساتھ جانے کا ارادہ رکھتا تھا، مگر بعد میں اس کی طاقت نہ پا کر آدیلے کے پاس ٹھہر گیا۔

خاندانِ دیریکس کے سب مرد و زن وہاں موجود تھے، مگر عورتیں پھُپھی آدیلے اور ڈاکٹر رولفس کے پاس ہی ٹھہری رہیں۔ جنازہ چلے جانے کے بعد عورتیں باتیں کرنے لگیں کہ دادی اماں کے ساتھ کیسا افسوسناک سانحہ ہوا ہے۔ اس پر ڈاکٹر اور بھی آہ و بکا کرنے لگا۔ آدیلے آرام

سے چپ چاپ بیٹھی رہی۔ اُدھر اوتیلی ستاین بھی وادیلا کر رہی تھی جسے دیکھنے والا فوراً اندازہ لگا سکتا تھا کہ وہ اپنے والد کی جدائی پر بین ڈال رہی ہے، لیکن کسی نے بھی کچھ نہ کہا۔

اگلے روز ستاین نے مصدق الاسناد سے ملنا تھا۔ جب وہ گھر آیا تو اس نے اپنی بیوی کو بتایا کہ آدیلے کے حق میں تیس ہزار کی اور تیرے اور ایلی کے حق میں ایک ایک لاکھ سے ذرا زیادہ کی وصیت ہے۔''

یہ سُن کر اوتیلی نے رونا شروع کر دیا۔ ''ہائے وہ کتنا نیک آدمی تھا، وہ کتنا نیک آدمی تھا،'' اس نے ہچکیاں لیتے ہوئے کہا۔

''اوتیلی مصدق الاسناد کا اور میرا خیال ہے کہ جہاں تک ہو سکے ماں کے سامنے ورثے کے متعلق کوئی بات نہ ہو۔''

''کیا بڑے میاں اقرار کرتے تھے مَیں ان کی بچی ہوں؟''

''اقرار کی کوئی بات نہیں۔ انھوں نے اپنی جائیداد کا نصف حصہ تمہارے لیے چھوڑا ہے۔ تُو ایلی کے ساتھ، آدیلے کا حصہ نکالنے کے بعد، جو کچھ بچے اس میں برابر کی شریک ہوگی مَیں نے اس کے ہی کھاتے میں دیکھا ہے کہ وہ اکثر تجھے روپے دیتا رہتا تھا۔ بہرحال اس ضمن میں اندراجات موجود ہیں، یعنی: ''اس کے لیے۔''

اس پر اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ بولی، ''مجھے بتانے کی ضرورت نہیں۔''

''نہیں، مگر تُو تو کہا کرتی تھی کہ تجھے الماری میں پڑے پیسے مل گئے ہیں اور تُو پہلے سے بھی زیادہ بے پروا ہوتی تھی۔''

''بڑے میاں نے مجھے نصیحت کر رکھی تھی کہ کسی سے بھی اس رقم کے متعلق بات نہ کروں۔''

''تب تو تُو نے بہت اچھا کیا۔ مَیں صرف یہ کہہ رہا تھا اگر تُو چاہے تو اس کے متعلق اب بھی خاموشی اختیار کر سکتی ہے۔''

''مجھے تیرے مشورے کی کوئی ضرورت نہیں ہے،'' وہ سٹ پٹا کر بولی، لیکن اتنے میں وہ

باہر جا چکا تھا اور وہ پیچھے بولتی ہوئی اسے گھونسے دکھا رہی تھی ۔"مَیں تیری آواز کی وجہ سے تجھے سے نفرت کرتی ہوں۔" وہ اس کی بھاری آواز اور بجھے تلے الفاظ کو برداشت نہ کر سکتی تھی، دل میں کہنے لگی ، اگر مَیں اس کے چہرے پر طمانچہ رسید کر دیتی تو دیکھتی وہ کیا کرتا ہے۔ ہاں ، مجھے اس کے چہرے پر طمانچہ کس ہی دینا چاہیے تھا تا کہ دیکھتی کہ...

وہ اس سے دن بہ دن زیادہ سے زیادہ نفرت کرنے لگی ۔ وہ اس قدر متنفر تھی کہ اسے بد دعائیں دینے لگی تھی اور اس کی موت کی خواہاں تھی۔ وہ دل میں کہنے لگی کہ مَیں بوڑھے کی نعش کے پاس زار و قطار روئی تھی ، مگر اپنے خاوند کی نعش کے پاس لطف اٹھاؤں گی، مَیں انتہائی خوشی محسوس کروں گی اگر اسے ٹریفک کے حادثے میں اپنے سامنے مرا ہوا پاؤں یا اس کے دل میں خنجر کی کاری ضرب یا اس کی کنپٹی پر بندوق کی گولی لگے کیوں کہ یہ نہایت بے مہر ہے اور صرف سرد الفاظ ہی مُنھ پر لاتا ہے اور کبھی بھی محبت بھرے الفاظ کہتا ہے اور نہ ہی مجھ سے محبت کرتا ہے۔ پھر وہ سوچنے لگی ایک لاکھ کی رقم بہت بڑی رقم ہے ، مگر کاش بوڑھے میاں کچھ اور زندہ رہتے اور مجھے کبھی کبھی صرف چند سو گلڈر ہی عطا کرتے رہتے۔

۲۴

دفنانے کے ایک روز بعد لت اور ایلی سفر کی تھکن سے چور اور غمگین گھر پہنچے۔ آدیلے فوراً نہ جان سکی کہ آیا وہ ماورتس کا دے پر قیام کریں گے۔ دن صبر و تحمل سے گزارنے کے بعد وہ روتے ہوئے اس طرح ایلی کے گلے لگی کہ ایلی نے اسے یوں کبھی نہ دیکھا تھا اور جب اس نے رونے پر قابو پایا تو غش کھا کر گر پڑی۔ نوکرانی کہنے لگی اسے[1] آخری دنوں بہت کام کرنا اور بہت مصیبت جھیلنا پڑی ہے۔ کیتھے نے اس بات کی تصدیق کی اور ایلی کے ساتھ اسے ہوش میں لے آئی۔

وہ ہوش میں آئی تو بولی، ''بچی، مَیں بالکل ٹھیک ہوں، فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔ آؤ ہم کھانے کے کمرے میں بیٹھتے ہیں۔ میرا خیال ہے تم لوگوں کو کھانے کی خواہش ہوگی۔''

وہ ابھی تک سسکیاں لے رہی تھی اور کوشش کر کے اپنے جذبات پر قابو پا رہی تھی کیوں کہ ابھی تک دورے کا اثر باقی تھا۔ اس نے میز کے سامنے بیٹھے ایلی اور لت کے چہرے پر بھی غم واندوہ کے آثار دیکھے۔ ایلی نے کہا: ''دادا جی کو کل دفن کیا گیا تھا؟''

''ہاں، بچی۔''

''تب تو ہمارا آنا بے فائدہ ہوا'' لت لرزتے ہونٹوں سے بولا اور اس کے چہرے پر، جو عام طور پر نرم اور ملائم دکھائی دیتا تھا، سختی اور ترشی کے آثار نمایاں تھے۔

''ہم نے تمھیں تار دلوایا تھا،'' پھُپھی نے روتے اور آہیں بھرتے ہوئے کہا، ''کیوں کہ ایلی کو فوراً اپنے مالی معاملات کی دیکھ بھال کرنا تھی۔''

ایلی بولی: ''ان معاملات کے لیے تو میرا اکیلی کا آنا ہی کافی تھا۔''

پھُپھی نے آہستگی سے جواب دیا: ''ستاین کو وصیت کے مطابق عمل کروانے کا مختار بنایا

---

[1] اسے: آدیلے کو

گیا ہے۔''

''ستاین؟'' ایلی نے کہا۔ ''لت کو اس کام پر کیوں مقرر نہیں کیا گیا؟''

''بچی، بڑے میاں نے یہ فیصلہ خود کیا تھا۔ اسے مقرر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اوتیلی کا خاوند ہے اور اوتیلی بھی تیرے ساتھ وارث ہوگی۔

''کیا ماں؟'' لت نے پوچھا۔

''ہاں۔'' پھُپھی نے شرماتے ہوئے جواب دیا۔ وہ سمجھ گئے اور انھوں نے مزید سوال نہ کیا۔ دونوں کے چہروں پر تھکاوٹ اور ناراضگی کے آثار نمایاں تھے۔ پھر آدیلے نے بتایا،'' آپ لوگوں کی ماں آج شام ملنے یہاں آئے گی۔''

ایلی نے منفی انداز میں سر اِدھر اُدھر ہلاتے ہوئے کہا،''مَیں تو تھک کر چور ہوگئی ہوں۔ آج شام ماں جی کو نہیں مل سکوں گی۔ مَیں سونے جاتی ہوں، پھُپھی جان۔''

''مَیں ماں کا انتظار کروں گا۔'' لت نے کہا۔

ایلی فوراً اٹھ کر اوپر چلی گئی۔ پھُپھی اس کے پیچھے پیچھے گئی اور لت دوسرے کمرے میں ہاتھ مُنھ دھونے کے لیے چلا گیا۔ ایلی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے روتے روتے بھرائی ہوئی آواز میں بولی،'' آہ، میرا بے چارہ بوڑھا دادا مجھ سے رخصت ہوگیا۔''

کمرے میں پہنچ کر پھُپھی نے اسے سہارا دیتے ہوئے کہا،'' بچی، کیا بات ہے؟ تیرے چہرے پر ایسے سختی نظر آرہی ہے جو مَیں نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ بچی، بتا تو سہی کیا تُو خوش بھی ہے؟''

ایلی ذرا مسکرا کر کہنے لگی: ''پھُپھی، شاید مَیں اتنی خوش نہیں جتنا خیال کیا کرتی تھی۔ لیکن مَیں خوش نہیں تو یہ میرا اپنا قصور ہے۔''

ایلی نے کپڑے بدل لیے تھے اور بستر میں جالیٹی۔

''بچی، اب مَیں جاتی ہوں،'' آدیلے نے کہا۔

ایلی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ اس کے لیے ماں کی بجائے تھی۔ اس کا دل درد سے بھر

آیا اور وہ بولی، ''پھُپھی، ذرا بیٹھیں، جب تک ماں اوتیلی نہیں آجاتی۔''

''بچی، تُو اس وجہ سے تو ناراض نہیں اوتیلی تیرے ساتھ ورثے میں شریک ہے؟ تمھیں معلوم ہونا چاہیے وہ اس کی بیٹی ہے۔''

''ہاں، پھُپھی، مجھے علم ہے اور مَیں اس وجہ سے ناراض نہیں ہوں۔ مَیں صرف تھکی ہوئی ہوں، تھک کر چور ہوگئی ہوں کیوں کہ ... کیوں کہ ہم جو کام بھی کرنے کا ارادہ کرتے ہیں بے فائدہ ہی ثابت ہوتا ہے...''

پھُپھی نے اس کی بات نامکمل ہی سُنی اور بولی، ''مَیں بھی بہت تھکی ہوئی ہوں۔ کاش مَیں کہنے کی جرأت کرتی...''

''کیا؟''

''نہیں، میری بچی، مَیں ایسا کہنے کی جرأت نہیں کرسکتی۔''

''بتائیں تو سہی آخر کیا بات ہے؟''

''نہیں، میری پیاری بچی، مَیں ابھی کہنے کی جرأت نہیں کرتی۔ شاید بعد میں... سُن، ادھر گھنٹی ہورہی ہے۔ ماں اوتیلی ہوگی... ہاں، مجھے ستاین کے بولنے کی آواز بھی آرہی ہے۔ اچھا، اب مَیں نیچے جاتی ہوں۔''

''ایلی بہت تھکی ہوئی تھی اس لیے۔ بستر میں چلی گئی ہے۔ اگر مَیں تمھاری جگہ ہوں تو اسے آج اکیلا چھوڑ دوں،'' نیچے جاکر آدیلے نے کہا۔ وہ بذاتِ خود افسردہ تھی اور محسوس کررہی تھی کہ وہ بھاری راز جو اس کی روح کو چکنا چور کردے گا اسے ضرور کسی نہ کسی کو بتا کر اس میں شریک کرلینا چاہیے۔ وہ ستاین سے مخاطب ہوئی، ''جب تک لت اپنی ماں سے بات کرنے میں مشغول ہے ممکن ہو تو مَیں آپ سے ذرا بات کرنا چاہتی ہوں۔''

''یقیناً،'' ستاین نے جواب دیا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

ستاین نے پوچھا، ''کیا اوپر؟''

''جی ہاں،'' آدیلے نے کہا۔ ''بڑے میاں کے کمرے میں۔''

وہ اسے اوپر لے آئی۔ وہاں سردی تھی اس لیے اس نے آتشدان گرم کر دیا اور بولی،
''ستاین، مَیں بکھرے ہوئے کاغذات سمیٹنا چاہتی تھی کیوں کہ بہت گند پڑا تھا اور فرش پر...
ایک خط تھا۔ ایک پھاڑا ہوا خط۔ آخری خط جو وہ پھاڑنا چاہتا تھا۔ مَیں نے بلا ارادہ خط اٹھا کر
پڑھنا شروع کر دیا۔ کاش مَیں دنیا جہان کی ساری دولت کے بدلے وہ خط نہ پڑھتی، لیکن مَیں
اس خط کا علم اپنے تک محدود نہیں رکھ سکتی۔ مجھے ڈر ہے اس کی وجہ سے کہیں مَیں پاگل نہ ہو
جاؤں۔ یہ لو وہ خط، مَیں نہیں جانتی ایسا کرنا صحیح ہے یا نہیں۔ بہتر ہوتا مَیں اسے پھاڑ ہی دیتی
کیوں کہ بوڑھے کی بھی یہی خواہش تھی۔'' اس نے پھاڑے ہوئے خط کے چاروں پرزے اس
کے ہاتھ میں دے دیے۔

ستاین بولا، ''بہتر ہوگا مَیں یہ خط ضائع کر ڈالوں۔''

یہ کہہ کر اس نے ایسا کرنے کے لیے حرکت کی، لیکن آدیلے نے اسے ایسا کرنے سے
روک دیا اور بولی، ''یوں تو مَیں اکیلے ہی اس بات کو دل میں چھپائے اِدھر اُدھر ماری ماری
پھرتی رہوں گی۔ ایسا نہیں ہوسکتا۔ ستاین، اسے پڑھو تاکہ تم بھی میرے ساتھ اس راز میں شریک
ہو جاؤ۔''

ستاین نے خط پڑھا۔

کمرے میں خاموشی تھی، موسمِ سرما کی ٹھنڈی خاموشی اور افسردگی، صرف گیس جلنے کی
ساں ساں سنائی دیتی تھی۔

'' یہ بہت خوفناک اور ہیبت ناک بات ہے۔ کسی اور کو اس کا علم تو نہیں؟'' ستائن نے
پوچھا۔

''نہیں، یہ صرف ہم دونوں تک محدود ہے،'' آدیلے نے کہا۔

'' ہمیں یہ خط نہیں پڑھنا چاہیے تھا،'' ستاین پریشان ہوکر بولا۔

''مَیں نہیں جانتی مَیں نے ایسا کیوں کیا؟'' آدیلے نے کہا۔'' کوئی چیز مجھے ایسا کرنے
پر مجبور کر رہی تھی اور مجھے نہیں علم کون سی چیز۔ مَیں طبعاً متجسّس نہیں ہوں۔ مَیں خط پھاڑ کر

پھینک دینا چاہتی تھی۔''

ستاین نے چار ٹکڑوں کے آٹھ کر دیے۔''

''کیا کر رہے ہو؟'' آدیلے نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

''مَیں خط ضایع کر رہا ہوں،'' ستاین نے جواب دیا۔

''لت کو نہیں دکھاؤ گے؟''

''نہیں، بالکل نہیں۔ بھلا لت کا اس کے ساتھ کیا تعلق؟'' اس نے خط پھاڑ کر ردّی کی ٹوکری میں پھینک دیا۔ اسے بوڑھے کا کمرا سنسان اور ٹھنڈا محسوس ہونے لگا جہاں صرف گیس جلنے کی ساں ساں سُنائی دے رہی تھی۔

''ہاں،'' آدیلے بولی۔ ''بہتر یہی ہے کسی اور کو اس کا علم نہ ہونے پائے ... ہمارے سوا... اور، ستاین، اس سے مجھے سکون آگیا ہے کہ اب تم بھی جانتے ہو۔ زندگی کتنی بھیانک ہے جس میں ایسی چیزیں وقوع پذیر ہوتی ہیں۔''

ستاین کا بلند و بالا جسم کپکپا رہا تھا۔ وہ بولا، ''اب ہم بھی نیچے جاتے ہیں۔'' آدیلے نے کانپتے ہوئے آگ بجھا دی اور وہ وہاں سے چل دیے۔

۲۵

بوڑھی انا نے آہ بھر کر کہا: ''ہم اس بات کو ہمیشہ کے لیے بیگم صاحبہ سے نہیں چھپا سکتے۔''

وہ اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا کر بلی کو باورچی کی طرف بھیج رہی تھی۔ ڈیوڑھی پہلے ہی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی کیوں کہ عینا دی ہر برخ اپنی لڑکی للّی فان ویلی کے ساتھ، اس کے دو بچوں کو بچہ گاڑی میں ڈالے، آ پہنچی تھی۔ للّی اور خادمہ بچہ گاڑی دھکیل کر بیٹھک میں لے گئیں جسے انا نے رشتہ داروں کے بیٹھنے کے لیے اچھی طرح گرم کیا ہوا تھا۔ جب للّی اور خادمہ بچوں کے ساتھ مشغول تھیں تو عینا نے انا کے ساتھ بڑے میاں کی وفات کے متعلق بات چیت شروع کر دی: ''ابھی تک بیگم صاحبہ کو اس بات کا ذرا بھی علم نہیں، مگر ہم اس بات کو ان سے ہمیشہ کے لیے مخفی نہیں رکھ سکتے۔''

انا اپنے ہاتھوں کو ایک دوسرے میں لیتی ہوئی بولی: ''کیا ہی پیارے بچے ہیں۔ بیگم صاحبہ بہت خوش ہوں گی کہ بیگم للّی انھیں بچے دکھانے آئی ہے۔ اچھا مَیں بیگم صاحبہ کو اس کی اطلاع دیتی ہوں۔''

عینا نے للّی کو مشورہ دیا: ''تو پہلے ستیف کو اوپر لے جا اور مَیں بعد میں نیتی کو لے کر آتی ہوں۔''

للّی نے بچہ بچہ گاڑی سے نکالا اور ایک نوجوان ماں کی طرح مسکراتی ہوئی اسے لے کر اوپر گئی۔

عینا نے دروازہ کھول رکھا تھا اور بڑھیا باہر کی طرف جھانک رہی تھی۔ وہ تخت کی مانند اونچی کرسی پر، سیدھی کمر کے پیچھے تکیہ رکھے، بیٹھی تھی۔ قبل دوپہر موسمِ سرما کی روشنی میں وہ اور بھی نازک اور نحیف دکھائی دیتی تھی۔ اس کا سدا انتظار میں ایک ہی جگہ رک کر مسکراتا ہوا چہرہ

چینی مٹی کی ایک ایسی مورت کی طرح معلوم ہوتا تھا جس پر جھریوں کے نشانات نمایاں ہوں۔ جالی دار ٹوپی کے نیچے اس کے کھردرے سیاہ بناوٹی بالوں کی لٹ تھی۔ جب للّی بچے لے کر اندر داخل ہوئی تو بڑھیا نے اپنے لرزتے ہوئے اور اکڑے ہوئے چوکور ہاتھ، جن کی انگلیاں سلاخوں کی طرح سخت تھیں، بہ مشکل اوپر اُٹھائے۔

''بچی، یہ تم نے اچھا کِیا جو بچے کو میرے پاس لائی ہو... مجھے اسے ایک نظر دیکھنے دو... اوہ، اوہ... کِیا ہی خوب صورت بچہ ہے۔''

للّی پڑنانی کو بچہ اچھی طرح دکھانے کی خاطر اسے ہاتھوں میں لیے تکیے پر گھٹنے رکھ کر بیٹھ گئی۔ بچہ اس سرخی مائل روشنی میں غیر حقیقی سطح والے جھریوں بھرے چہرے سے ڈر کر ایک طرف کو ہٹا، مگر اس کی والدہ اسے دلاسا دینے میں کامیاب ہوئی۔ وہ رویا تو نہ تھا، مگر ایک ہی طرف نظر باندھے دیکھتا رہا۔ للّی اپنی پڑنانی کو نانی اماں کہا کرتی تھی، وہ بولی:

''نانی اماں، یہ آپ کا پڑدوہتا ہے۔''

''ہاں، ہاں،'' بڑھیا نے کہا جس کے ہاتھ ابھی تک فضا میں لرز رہے تھے۔ وہ خود بھی اسے چھونے سے ڈر رہی تھی۔ ''مَیں اس کی پڑنانی ہوں، ہاں چھوٹے بچے، مَیں تمھاری پڑنانی ہوں۔''

''نیچے نیتی بھی ہے،'' للّی نے کہا۔ ''مَیں اسے بھی لاتی ہوں۔''

''تیرے چھوٹی بچی؟ وہ بھی یہاں ہے؟''

''ہاں، کیا آپ اسے بھی ابھی دیکھنا چاہتی ہیں؟''

''ہاں... مَیں دونوں کو اکٹھے دیکھنا... دونوں کو اکٹھے، اکھٹے...''

بچہ اب پُرسکون تھا اور جھریوں بھرے چہرے کو جیسے مشکوک نگاہوں سے حیران و ششدر ہوکر دیکھ رہا تھا، مگر وہ روتا نہ تھا۔ وہ اس وقت بھی نہ رویا جب پڑنانی نے اس کے رخساروں کو اپنی انگلیوں سے پیار کرتے ہوئے چھوا۔ اچھا ہوا کہ اتنے میں عینا نیتی کو لے کر اوپر آ گئی جس سے توجہ ہٹ گئی۔

بچی ایسے دِکھائی دیتی تھی جیسے سفید کپڑوں کے بنڈل میں چہرہ گلاب کا سا اور آنکھیں گہرے فیروزی رنگ کے دو قطرے ہوں۔

''بچی، مجھے از حد خوشی ہوئی ہے کہ مَیں اپنے پڑدو ہتوں کو دیکھ سکی ہوں،'' بڑھیا بولی۔ ''ستیف بڑا ہو گیا ہے اور نیتی بہت ہی پیاری بچی ہے۔''

اب رخصت کا وقت آ پہنچا تھا۔ لِلّی نے سفید بنڈل کو اٹھا کر نوعمر ماں کی طرح مسکراتے ہوئے کہا: 'بچوں کو اب گھر جانا چاہیے۔'' عینا اپنی جگہ پر بیٹھ چکی تھی۔

''مَیں بہت خوش ہوں،'' بڑھیا نے پھر اپنے الفاظ دہرائے۔ ''پچھلے چند دنوں سے مَیں بہت اداس ہوں۔ دس دنوں سے مَیں نے تکمہ کو نہیں دیکھا۔ عینا مَیں نے یقیناً دس دنوں سے تکمہ کو نہیں دیکھا۔''

''دادی جی، ابھی اتنا عرصہ تو نہیں ہوا؟''

''وہ کب سے بیمار ہے؟''

''شاید چھ سات روز سے۔''

''میرا تو خیال تھا کہ دس دن کا عرصہ ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر رولفس بھی شاذ ہی آتا ہے۔ کھڑکی کے پاس والی کرسی ہفتہ بھر سے خالی پڑی ہے۔ مَیں تو سمجھ رہی تھی دس دن سے خالی پڑی ہے۔ اب تو موسم بھی ٹھنڈا اور بے رونق سا ہے، مگر مَیں تو کچھ بھی محسوس نہیں کرتی۔ اگر وہ تندرست ہو گیا تو بھی بہت دنوں کے بعد ہی ہو گا اور پھر سردی کی وجہ سے نہیں آ سکے گا۔'' اس کی عمر رسیدہ آنکھوں میں آنسو تو خشک تھے، مگر اس کی بھرائی ہوئی آواز سے رونا ظاہر ہو رہا تھا۔

عینا کے پاس بتانے کے لے کافی کچھ تھا اس لیے وہ ابھی جانا نہ چاہتی تھی۔ وہ بچوں کے ساتھ اس لیے آئی تھی تا کہ دادی سے کچھ سُن سکے۔ سب سے پہلے تو اسے وہ بات معلوم کرنا تھی جو آج سے ساٹھ سال قبل پیش آئی تھی۔ اسے یقین تھا دادی کو اس کا علم ہو گا، مگر وہ دادی کے ساتھ بات کرتے ہوئے ڈرتی تھی۔ چناں چہ وہ بعد دوپہر آنے والوں کا انتظار کرنے لگی۔ ابھی اور بہت کچھ جاننے والا باقی تھا۔ یہ کہ ایلی کو کُل کتنا ورثہ ملے گا اور پھپھی اوتیلی کو بھی

ورثے میں سے کچھ ملتا ہے یا نہیں؟ سب کچھ دھند کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے پھر رہا تھا، مگر حقیقت سے وہ ابھی تک بے بہرہ تھی اور اسے وہ آج ہی معلوم کر لینا چاہتی تھی لہٰذا وہ آرام سے بیٹھی رہی۔ بڑھیا کبھی کبھی کوئی بات کر لیتی تھی۔ وہ تنہائی کو پسند نہ کرتی تھی اور خوش تھی کہ عینا اس کے پاس بیٹھی ہے۔ عینا نے جب دیکھا کہ اتنی دیر تک کوئی بھی نہیں آیا تو اس نے اُٹھ کر الواع کہا اور نیچے چلی گئی اور کچھ دیر تک بیٹھک میں بیٹھ کر انا سے کہنے لگی: ''انا، تم بھی بیٹھ جاؤ۔''

بوڑھی نوکرانی ادب سے کرسی کے ایک کونے پر بیٹھ گئی اور دونوں بڑے میاں کے متعلق باتیں کرنے لگیں۔

''بیگم ایلی تو اب امیر ہوگئی ہے۔ انا، تجھے علم ہے بڑے میاں کتنا ورثہ چھوڑ گئے ہیں؟''

مجھے کوئی علم نہیں۔ میرے خیال میں بیگم اوتیلی کو بھی کچھ حصہ ملے گا،'' آنا نے کہا اور ذرا آنکھ جھپکی۔ ٹھیک اس وقت گھنٹی بجی۔ کیا دیکھتے ہیں ستیفانی دی لادرس پھدکتی ہوئی اندر آرہی ہے۔ وہ سرگوشی کرتے ہوئے پوچھنے لگی:

''ماں جی کو ابھی تک کچھ علم نہیں؟''

انا باورچی خانے میں چلی گئی تھی۔ عینا بولی، ''دادی کو ابھی کچھ پتا نہیں، مگر وہ غمگین ہو کر بوڑھے کی خالی کرسی کو دیکھتی رہتی ہے۔''

''اس کے پاس اوپر کوئی نہیں ہے؟''

''نہیں۔ صرف خادمہ ہے۔''

''میرے پاس ایک اہم خبر ہے،'' ستیفانی نے کہا۔ عینا کے کان کھڑے ہوگئے اور وہ چوکنی ہوگئی۔

''پھُپھی، کیا خبر ہے؟''

''ذرا تصور تو کرو، مجھے پھُپھی تھیریس کا خط آیا ہے۔''

''پھُپھی تھیریس کا، پیرس سے؟''

''ہاں۔ پھُپھی فان درستیف لکھتی ہے وہ ڈن ہاخ آرہی ہے کیوں کہ اسے دعا کرتے

وقت وحی نازل ہوئی ہے۔ ذرا دیکھو تو رومن کیتھولک کی دعائیں۔ اسے کہا گیا ہے کہ ڈن ہاخ جا کر ماں جی کو دیکھے۔ وہ سال ہا سال سے یہاں نہیں آئی اور نہ ہی اس نے ماں جی کو دیکھا ہے جب کہ ایسا کرنا مناسب نہ تھا۔ اب شاید وہ ماں جی کو ان کے بڑھاپے میں پوپ کے مذہب کا پیروکار بنانا چاہتی ہو۔''

یہ واقعی اہم خبر تھی اس لیے عینا کی نگاہیں چمک رہی تھیں۔ وہ کہنے لگی: ''کیا، کیا پھپھی تھیریس یہاں آ رہی ہے؟ اسے کچھ علم ہے؟''

''کسی بات کے متعلق؟''

''اسی بات کے متعلق جس کے بارے میں کچھ عرصہ ہوا ہم آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔''

ستیفانی لگاتار اپنے ہاتھ ہلا کر اس کی تردید کرتے ہوئے کہنے لگی: ''مجھے اس بات کا علم نہیں کہ تھیریس اسے جانتی ہے یا نہیں، مگر، عینا، مَیں اپنی روح کو ماضی کے تمام نا مناسب کاموں اور گناہوں سے دور رکھنا چاہتی ہوں۔ انسان کے لیے تو حال کے گناہوں سے بھی سبکدوش ہونا مشکل ہے۔ نہیں، بچی، مَیں اس کے متعلق کچھ نہیں سننا چاہتی۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی پرندوں کی سی چمک دار آنکھیں بند کر لیں اور پرندوں جیسا لرزتا ہوا سر دھننے لگی یہاں تک کہ اس کا بڈھیوں والا ٹوپ اس کے ہلکے بالوں پر لرزتے ہوئے ایک طرف کو ہو گیا اور وہ بلی کے ساتھ قریباً ٹھوکریں کھاتے، گرتے سنبھلتے فوراً سیڑھیاں چڑھ گئی۔ عینا باورچی خانے میں انا کے پاس چلی گئی۔

''اوہ! تو آپ ہیں، بیگم صاحبہ! کیا آپ بیٹھیں گی؟''

''ہاں، شاید بیگم اوتیلی آ جائے۔ مَیں اس کے ساتھ بات کرنا چاہتی ہوں۔''

انا نے سوچا ممکن ہے بیگم اوتیلی آج آئیں، مگر جب گھنٹی بجی تو اس نے باہر جھانک کر دیکھا اور بولی:

''نہیں، یہ تو دان صاحب ہیں۔''

دان دیریکس جلدی سے اپنا طوطے جیسا چہرہ دروازے میں سے نکال کر عینا کو دیکھ کر
بولا، ''مَیں ایک بُری خبر لے کر آیا ہوں۔''
''بری خبر؟'' عینا نے چونکتے ہوئے پوچھا۔ ''کیسی بری خبر، چچا؟''
''ڈاکٹر رولفس فوت ہو گیا ہے۔''
''اوہ نہیں۔''
''ہاں، ایسے ہی ہے،'' چچا دان نے کہا۔ عینا اور انا بے اعتنائی سے اس کی طرف دیکھنے لگیں۔
''ڈاکٹر رولفس کو دل کا دورہ پڑا تھا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا اور چوں کہ میرا مکان اس کے قریب ہے اس لیے انھوں نے پہلے مجھے ہی اطلاع دی۔ دراصل اس پر تکمہ کی موت کا اثر ہوا ہے۔ اب اور بھی مشکل آن پڑی ہے۔ مَیں نے تمہارے والد کو پیغام بھیجا ہے اور ان کا یہاں انتظار کروں گا تا کہ مشورہ کریں کیا کِیا جائے۔ شاید کچھ اور لوگ بھی آ جائیں۔''
انا ''او خدایا، او خدایا'' کہہ کر آہیں بھرنے لگی اور پھر اس نے آتشدان کی طرف دیکھا جس میں دھیمی آگ جل رہی تھی۔ یہ خیال کر کے کہ آج، بہت سے لوگ آئیں گے اس نے آگ کی لَو تیز کر دی۔
''آہ!'' عینا بولی۔ ''اب ان کے بعد دادی ماں بھی زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہیں گی۔ چچا، کیا آپ کو پتا ہے پھُپھی تھیریس ڈن ہاخ آ رہی ہے... پھُپھی ستیفانی کو خط آیا ہے۔ کاش وہ دادی کو دیکھ سکے۔ چچا، کیا وجہ ہے جب سے آپ ہالینڈ آ کر اباجی سے ملے ہیں وہ اتنے افسردہ اور غمگین نظر آتے ہیں؟''
''جب سے مَیں ہالینڈ آیا ہوں؟''
''ہاں، چچا۔ آپ یقیناً کسی ضروری کام کے لیے ہالینڈ آئے ہیں اور کوئی نہ کوئی ایسی بات ہے جس کی وجہ سے اباجی غمزدہ ہیں۔''
''بچی، مجھے اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔''

''یقیناً آپ کو اس کا علم ہے۔ مَیں تجسس کی خاطر نہیں بلکہ اباجی کی خاطر پوچھ رہی ہوں تا کہ ان کی مدد کر سکوں اور تفکرات میں ان کی شریک ہو سکوں۔ شاید روپے پیسے کی بات ہے؟''

''نہیں، بچی، روپے پیسے کی بات نہیں ہے''

''تو پھر کیا بات ہے؟''

''بچی، کچھ نہیں، کوئی ایسی اہم بات نہیں ہے۔''

''چچا جان، یقیناً کوئی بات ہے۔''

''اچھا، بچی، تو پھر اپنے والد سے ہی پوچھ۔''

''ابا جان اس کے متعلق بالکل بات نہیں کرنا چاہتے۔''

''تو پھر مَیں اس کے متعلق کیوں بات کروں؟'' چچا نے عینا کے سوالوں کی یورش کے بعد خبردار ہو کر کہا۔ ''شاید روپے پیسے کی ہی بات ہو، مگر تجھے بالکل فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ سب کچھ درست ہو جائے گا۔''

عینا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، ''چچا، دوسروں کے مالی معاملات سے میرا کوئی تعلق نہیں، مَیں تو باپ کی محبت کی وجہ سے بعض باتوں کی وضاحت چاہتی تھی۔''

''ہم سب جانتے ہیں کہ تو اس کی بہت نیک لڑکی ہے۔ لو وہ آ رہا ہے، وہ گھنٹی بجا رہا ہے،'' اس سے پہلے کہ انا دروازے کے پاس جاتی وہ دروازہ کھول کر ہیرلڈ کو اندر لا چکا تھا۔

''ڈاکٹر رولفس فوت ہو گیا ہے؟''

دان نے کہا، ''ہاں، وہ فوت ہو گیا ہے۔'' ہیرلڈ درد برداشت نہ کرتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گیا۔ عینا نے پوچھا، ''اباجی، آپ کی طبیعت تو خراب نہیں؟''

''ہاں، بچی۔ اب مجھے پہلے سے ذرا زیادہ درد شروع ہو گیا ہے، مگر یہ کوئی بات نہیں... کوئی ایسی بات نہیں... کیا ڈاکٹر رولفس فوت ہو گیا ہے؟ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے بدقسمت رات کے دوران موسلا دھار بارش کا منظر دیکھنے لگا جب وہ تیرہ برس کا تھا اور اس نے تین افراد کو نعش اٹھا کر لے جاتے دیکھا تھا اور دوسرے روز ڈاکٹر رولفس نے نعش کا معائنہ کرنے کے بعد

تصدیق کی تھی کہ ڈوب جانے سے موت مواقع ہوئی ہے۔

''ماں جی کوتو اس کا علم نہیں؟''

''نہیں،'' دان نے جواب دیا۔'' مگر ہیرلڈ تجھے یہ بات ماں جی کو بتانی ہے۔''

''کیا مجھے یہ خبر دینی ہوگی،'' ہیرلڈ نے دہشت زدہ ہو کر کہا۔''مَیں تو یہ نہیں کر سکتا کیوں کہ یہ تو ماں کوقتل کر ڈالنے کے مترادف ہوگا اور مَیں ماں کونہیں مار سکتا۔''

''کیا کوئی ماں کے پاس ہے؟'' آنتون نے اندر داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔

''پھُپھی ستیفانی،'' عینا نے جواب دیا۔ وہ اسے مضطرب اور بے قرار دیکھ کر دریافت کرنے لگا:'' کیا بات ہے؟''

'' ڈاکٹر رولفس فوت ہوگیا ہے''

'' کیا وہ مر گیا ہے؟''

دان نے اسے مختصر الفاظ میں بتایا اور پھر بڑ بڑاتے ہوئے بولا،'' ہم سب نے مرنا ہے، لیکن ماں جی کے لیے یہ بات بہت شاق ہوگی۔''

'' آنتون ، ہم مشورہ کر رہے تھے کہ دادی کو یہ خبر کون پہنچائے،'' عینا بولی۔'' شاید تو ہی ایسا کر سکے۔''

''مَیں ایسا نہیں کروں گا،'' آنتون نے جواب دیا۔ وہ دل میں کہنے لگا: نہیں، اس بات کا انھیں خود فیصلہ کرنا چاہیے۔ مَیں ان باتوں میں کیوں دخل دوں جن کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں۔ مَیں تو ہفتے میں ایک بار ماں سے ملاقات کے لیے آتا ہوں اور یوں اپنے بیٹے ہونے کا فرض ادا کرتا ہوں۔ ستیفانی نے پہلے ہی مجھے بہت تکلیف دی ہے اور پچھلے چند دنوں سے اس بات پر آمادہ کرتی معلوم ہوتی ہے کہ مَیں اپنی دولت نیتی فان دیلی کے نام لگا جاؤں جس کا مجھے ولی بنایا گیا ہے، مگر مجھے تو اس کی کوئی خواہش نہیں۔ مَیں اپنا روپیہ اس کے نام لگانے کی بجائے دریا میں پھینک دینے کو ترجیح دوں گا۔ ہیرلڈ اور دان انڈونیشیا میں اکٹھے کاروبار میں شریک تھے۔ ان کے ساتھ اس کا کوئی خاص تعلق نہ تھا بلکہ اس کے لیے تو وہ اجنبی ہی تھے۔

''نہیں، مَیں ایسا نہیں کروں گا۔ یہ ایک افسوسناک خبر ہے۔ اوپر ستیفانی کے علاوہ اور کوئی نہیں۔ تب مَیں بھی اوپر جاتا ہوں، انا۔'' اور وہ سیڑھیوں کی طرف چلا گیا۔

کیا آنتون کو کچھ پتا ہوگا؟ عینا نے سوچا۔ بعض اوقات یہ بہت افسردہ اور خود میں گم نظر آتا ہے۔ اس کے ساتھ بات کروں؟ وہ فوراً ڈیوڑھی میں جا کر آنتون کے قریب پہنچ گئی۔ اس نے انا کو باورچی خانے کی طرف بھیج کر دریافت کیا: ''چچا، بتائیں تو سہی کیا ہوا ہے؟''

''کیا اور کب؟'' آنتون نے پوچھا۔

''ساٹھ سال قبل جب آپ پندرہ سال کے تھے اس وقت کچھ ہوا تھا کہ...''

آنتون نے اس کی طرف حیران ہو کر دیکھا اور کہا، ''تُو کس کے متعلق باتیں کر رہی ہے؟''

''کوئی واقعہ ہوا ہوگا، آپ کو یقیناً یاد ہوگا'' اس نے دہرایا۔ ''کوئی ایسی بات جسے ابا جی اور چچا جانتے ہیں، جس کا ابا جی کو ہمیشہ سے علم تھا اور جس کی وجہ سے چچا دان ہالینڈ سے آئے ہیں۔''

''مَیں کچھ یاد کر سکتا ہوں؟، اگر غور کروں تو کچھ یاد پڑتا ہے... تم ٹھیک کہتی ہو، اس وقت مَیں پندرہ سال کا تھا۔''

''کیا آپ کو کچھ یاد پڑتا ہے؟ کیا آپ اماں جی کی نوکرانی کو جانتے ہیں؟''

''ہاں، مَیں یقیناً اسے جانتا ہوں۔''

''اس کا نام مابوتون تھا؟''

''ہو سکتا ہے یہی نام ہو۔''

''اسے کوئی خاص بات معلوم تھی؟''

''ممکن ہے اسے کسی بات کا علم ہو۔''

''چچا، وہ کیا بات تھی؟''

''بچی، بعض باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جنھیں نہ جاننا جاننے سے بہتر ہوتا ہے۔ جو باتیں ساٹھ سال پہلے پیش آئیں انھیں معلوم کرنے کی سعی نہیں کرنی چاہیے۔''

ماں کے کمرے میں داخل ہونے سے پہلے ستیفانی کی بلند آواز سنائی دی۔ وہ دل ہی دل میں کہنے لگا۔ یہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ میرا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں۔ جب تک مجھے آرام سے پائپ پینے اور کتابیں پڑھنے دیں مجھے ان باتوں کی کوئی پروانہیں۔''

وہ اندر داخل ہوا اور جب اس نے اپنی ماں کو پردوں میں سے چھن کر آنے والی روشنی میں دیکھا تو اسے بہت بوڑھا اور نازک پایا۔ وہ ذرا جھجکا اور ڈرتے ڈرتے اس کے قریب پہنچا۔

۲۶

دروازے کی گھنٹی بجنے پر انا نے، جو ڈاکٹر کی ناگہانی موت سے سخت گھبرائی ہوئی اور پریشان تھی، آہیں بھرتے اور خدایا خدایا کہتے ہوئے دروازہ کھولا تو اوتیلی ستاین اور آدیلے تکمہ کو سامنے کھڑے پایا۔ عینا ڈیوڑھی میں ان کا استقبال کرنے آئی۔ انھیں ڈاکٹر کی وفات کی خبر نہ تھی۔ جب انھیں پتا چلا اور دان اور ہیرلڈ کو بیٹھک میں دیکھا تو ماں کے اوپر ہونے کی وجہ سے انھوں نے سوالات کرتے ہوئے اپنی آوازوں کو دھیما کر لیا۔ سب مشورہ کرنے لگے کہ آیا یہ خبر ماں کو دی جائے یا نہیں۔ اوتیلی بولی: ''ہم یہ بات ہمیشہ کے لے ماں سے نہیں چھپا سکتے۔ ماں کو ابھی تک تکمہ کہ وفات کا علم نہیں ہے اور یہ ایک اور سانحہ ہو گیا ہے۔ آدیلے، کیا تو اوپر جائے گی؟''

''نہیں،'' آدیلے نے جوب دیا۔ ''نہیں، اوتیلی، مَیں گھر واپس جاتی ہوں۔ ماں جی کے پاس بہت ملاقاتی ہو جائیں گے۔''

وہ بڑھیا کو دیکھنے سے خوف کھاتی تھی۔ وہ تو یونہی اوتیلی کے ساتھ اندر آ گئی تھی۔ دان دیریکس نے اپنی بہن سے کہا: ''اوتیلی، تو ہی ڈاکٹر رولفس کے متعلق ماں کو خبر دے۔''

''مَیں؟'' اس نے بڑے اچنبھے سے کہا۔ عین اس وقت کوئی شخص سڑک پر کھڑا ہو کر کھڑکی میں سے اندر جھانکتا ہوا دکھائی دیا۔ ہیرلڈ نے کہا، ''ستاین ہے۔''

جب گھنٹی بجی اور دروازہ کھولا گیا تو واقعی ستاین ہی تھا اور وہ اتنے جوش میں تھا کہ اس سے پہلے کسی نے بھی اسے ایسے نہیں دیکھا تھا۔ وہ بغیر سلام دعا کیے سیدھا اپنی بیوی کی طرف گیا اور بولا:

''میرا خیال تھا کہ تُو یہیں ہوگی۔'' ''مَیں نے تیرے لڑکے کو، جو تیرے ساتھ لندن سے آیا ہے، دیکھا ہے۔''

اوتیلی نے کہا،'' تو پھر کیا؟''

''تُو نے مجھے اس کی آمد کی اطلاع کیوں نہیں دی؟''

'' تجھے بتانے کی بھلا کیا ضرورت تھی کہ ہیوگ میرے ساتھ آیا ہے؟''

''اور اس کے آنے کی کیا وجہ ہے؟''

'' تجھے اس سے کیا؟ اسی سے پوچھ؟''

''اس کے آنے کی وجہ پیسہ ہی ہوگی۔''

''اگر اس کے آنے کی وجہ پیسہ ہی ہے تو بہر حال وہ تیرا پیسہ نہیں۔'' وہ ایک دوسرے کی طرف نظریں باندھ کر دیکھنے لگے۔ ستاین اس وجہ سے غصے میں تھا کہ اس کی بیوی کا لڑکا ماں کے مال کی طرف تاک لگائے بیٹھا ہے۔

ہیرلڈ نے ستاین کا ہاتھ پکڑ کر کہا،'' فرتس، ڈاکٹر رولفس بھی فوت ہو گیا ہے۔'' ستاین گھبرا کر بولا،'' ہیں، کیا وہ فوت ہو گیا ہے؟''

'' اوتیلی، تجھے ہی یہ بات ماں کے گوش گزار کرنی چاہیے کہ ڈاکٹر رولفس فوت ہو گیا ہے۔'' اس کے نرم لہجے سے اوتیلی کا غصہ کم ہو گیا اور وہ کہنے لگی:

''ہیرلڈ اگر مَیں ہی اس قابل ہوں کہ ماں کو بتا سکوں تو مَیں اوپر جا کر بتانے کی کوشش کروں گی، لیکن گفتگو کے دوران مجھے یہ کہنے کا موقعہ نہ ملا تو پھر یہ بات ... تو پھر یہ بات نہیں کہوں گی۔''

وہ ایک مغموم بچے کی طرح اوپر چلی گئی، مگر اسے معلوم نہ تھا کہ ساٹھ سال قبل اس کی ماں قتل کے جرم میں شریک تھی اور اس نے بہرے اور بوڑھے ڈاکٹر کا مُنھ بند کروائے رکھا تھا۔ اسے یہ تو پتا تھا کہ تکمہ اس کا باپ تھا، مگر یہ پتا نہ تھا کہ وہ اس کی ماں کے ساتھ اس کے دوسرے بہن بھائیوں کے باپ کے قتل میں شریک تھا۔ وہ اوپر گئی۔ آنتون اور ستیفانی اُٹھ کھڑے ہوئے تاکہ زیادہ بھیڑ نہ ہو جائے۔

ایسا معلوم ہوتا تھا ماں نے بیٹی کے خیالات پڑھ لیے ہیں۔ کرسی کی طرف اشارہ کر کے

پوچھنے لگی، ''کیا تکمہ بیمار ہے؟''

''جی ہاں، ماں جی۔''

''شاید مَیں اسے ان سردیوں میں نہ دیکھ سکوں؟''

''وہ بہت جلد اچھے ہو جائیں گے...''

''اگر وہ اچھا ہو بھی جائے تو اسے باہر نکلنے کی اجازت نہ ہوگی...''

اوتیلی نے اچانک کہا، ''ماں جی، آپ کو معلوم ہے اور کون بیمار ہے؟''

''نہیں؟''

''ڈاکٹر رولفس۔''

''رولفس۔ ہاں، مَیں نے اسے بھی چند دنوں سے نہیں دیکھا۔''

''ماں جی، یہ نہایت افسوسناک ہے مگر...''

''نہیں، وہ یہ بات نہ کہہ سکتی تھی۔ اس نے اپنی بات کی تصحیح کرنا چاہی، مگر بڑھیا نے اس کے چند الفاظ کو فوراً دبوچ لیا، اور پوچھا، ''کیا وہ فوت ہو گیا ہے؟''

اس کی آواز اوتیلی کے سینے کو چاک کر گئی۔ انکار کرنے کی سکت نہ رہی اور اس نے کہا، ''ہاں۔''

بڑھیا نے آزردہ ہو کر سرد آہ بھری اور تکمہ کی کرسی کی طرف نظر لگا کر دیکھنے لگی۔ وہ اپنی کرسی پر سیدھی بیٹھی نظریں جمائے دیکھ رہی تھی اور ماضی اس کے سامنے لہریں مارتا ہوا گزر رہا تھا جس کی گونج وہ سُن رہی تھی۔ ''وہ کب فوت ہوا؟''

اوتیلی بولے بغیر ماں کا ہاتھ پکڑے روتی رہی۔ اب اندھیرا چھا چکا تھا۔ خادمہ نے آ کر لیمپ جلا دیے۔ ہَوا خطرناک آوازیں پیدا کر رہی تھی اور موسلادھار بارش کی بوچھاڑیں کھڑکیوں کو جھٹکے دے رہی تھیں۔ کمرے کی چپکنی نمنا کی سے اوتیلی نے تکلیف محسوس کی کیوں کہ کمرے کو زیادہ گرم کرنا بڑھیا کو نہ بھاتا تھا۔ میز پر لٹکتے ہوئے لیمپ سے ایک دائرہ سا بنا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ خادمہ کے جانے کے بعد بڑھیا نے دفعتاً پوچھا: ''اور ... اور تکمہ کے متعلق

بتا؟''

''کیا... وہ بھی... یا کیا وہ بھی... بیمار ہے؟''

''بیمار؟'' ہاں وہ بھی بیمار ہے ماں جی...'' اس نے فقرہ پورا نہ کیا۔

بڑھیا نظریں جمائے خالی کرسی کی طرف اشارہ کرتی رہی اور تھتھلاتے ہوئے بولی،'' وہاں... وہاں... وہاں۔''

اوتیلی نے آہستگی سے گھنٹی بجادی۔ خادمہ فوراً اندر داخل ہوئی۔ نیچے بیٹھے لوگوں نے کچھ ہل چل سُنی جس سے ان پر غمگینی چھا گئی۔ پھرانا کی'' خدایا، خدایا'' پکارنے کی آوازیں سُنائی دینے لگیں ۔ عینا، دان اور ستیفانی سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر گئے ،مگر کمرے میں داخل نہ ہوئے کیوں کہ خادمہ نے اشارے سے کہہ دیا تھا کہ ایسا کرنے کی ضرورت نہیں۔

پھرانا اور خادمہ نے اسے بستر میں لٹا دیا۔

بڑھیا نے دل میں محسوس کرلیا تھا کہ تکمہ، جسے وہ سب سے زیادہ چاہتی تھی، اب اس دنیا میں نہیں ہے۔

۲۷

"آؤ، ہم ذرا عقلمند انسانوں کی طرح بات چیت کریں۔ اٹلی سے ہمیں کھینچ لانا ہم دونوں کی تلخ مزاجی کا باعث ہوا ہے، کیوں کہ اس طرح ہم کام کرنے سے محروم کیے گئے ہیں۔ یہ ہماری بے وقوفی تھی کہ ہم نے کبھی خیال بھی نہ کِیا کہ ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ دادا جی بہت بوڑھے تھے، مگر ہمارا خیال تھا وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ ایلی، ستاین نے بتایا ہے کہ تمام انتظامات کیے جا چکے ہیں۔ آؤ، ہم عقلمندوں کی طرح اپنا لائحۂ عمل مرتب کریں۔ اس مکان میں تُو رہنا نہیں چاہتی کیوں کہ یہ بہت بڑا، بہت پُرانا اور غمگین سا ہے۔ رہا ماں کے ساتھ رہنا تو مَیں نے ایک دفعہ اس طرف اشارہ کیا تھا، مگر معلوم ہوتا تھا ماں ایسا نہیں کرنا چاہتی۔ اور اب، جبکہ ہیوگ بھی آ گیا ہے، تو مَیں اپنی اس تجویز کے حق میں نہیں کیوں کہ آگے بھی ہیوگ اور پیچھے بھی ہیوگ۔ وہ اسی کی تعریفیں کرتی رہتی ہے۔ لیکن ہمیں کیا کرنا چاہیے، ایلی؟ ہمیں کوئی چھوٹا سا مکان ڈھونڈ کر اسے سجانا چاہیے یا ہمیں سفر پر ہی رہنا چاہیے؟ کیا ہم اٹلی چلے جائیں؟ تُو نے وہاں بہت لطف اٹھایا تھا اور ہم خوش وخرم کام کِیا کرتے تھے۔ ایلی، ہم اکٹھے بہت خوش تھے نا؟"

اس کی آواز اس کی عادت کے مطابق نرم تھی۔ اس میں انکسار نمایاں تھا۔ اس کی طبیعت سخت واقع نہ ہوئی تھی۔ اس کے نکے سنہری بال کنپٹیوں کے پاس قدرے سفیدی مائل ہو چکے تھے۔ اس کی طبیعت میں افسردگی پائی جاتی تھی، لیکن اس میں شوقین مزاجی اور بانکاپن بھی تھا۔ وہ دوسروں کی بات مان لیتا اور دوسروں سے محبت کرتا تھا۔ ایلی کے ساتھ اٹلی میں اِدھر اُدھر گھومنا اور اسے لطف اٹھاتے دیکھنا اس کے لیے نہایت مسرت بخش تھا اور پھر فلورنس واپس آ کر اس کی تجویز کے مطابق مشہور خاندانِ اطباء کے زمانے کی تاریخ کا مطالعہ کرنا بھی پُر لطف رہا تھا۔ وہ اپنے خیالوں میں ڈوب گیا: ہم نہایت دل چسپی سے کتابوں کی جانچ پڑتال کرتے اور اقتباسات نوٹ کر کے شام کو خوشی خوشی انھیں لکھنے میں مشغول ہو جاتے تھے۔ ہم اپنے بورڈنگ

ہاؤس کے کمرے میں بہت محبت محسوس کرتے تھے۔ اس کمرے میں دو لیمپ تھے جن میں سے ایک ایلی اور دوسرا میرے کاغذات کو منور کرتا تھا اور ہمارے پاس گلدانوں میں پھول مہک رہے ہوتے تھے اور دیواروں پر تصویریں عجائب گھروں کے مناظر پیش کرتی تھیں۔ اس ملک کی مختصر خوب صورت سر زمین اور ہنرمندی پھر سورج کی چمک دمک اور بے پایاں خوشی سے، جو مجھے وہاں حاصل ہوتی تھی، مجھ پر ذرا کاہلی سوار ہوگئی تھی۔ مَیں نے کئی دفعہ تجویز پیش کی کہ ملک کے اندرونی علاقوں میں سیر و سیاحت کی جائے، فیسول اور ایما[1] کی طرف پیدل جائیں تاکہ بازاروں میں شہریوں کی زندگی کا جائزہ لے کر لطف اندوز ہوں۔ پرانے سرکاری کاغذات کے دفتر میں تو میرا دم گھٹا جاتا تھا کیوں کہ وہ بہت گرد آلود کام تھا اور مَیں ویسے بھی کام میں لگاتار دل لگا کر مشغول رہنے کا عادی نہ تھا۔ شام کے وقت کھڑکی سے باہر آرنو[2] کی طرف دیکھنے اور سگریٹ پینے میں لطف محسوس کرتا تھا۔ تب ایلی بھی کتابیں بند کر دیتی تھی کیوں کہ شام کو روشنی میں اطباء کی تحریریں ٹھیک سے نظر نہ آتی تھیں..

پہلے تو مجھے معلوم نہ ہوا کہ وہ ناراض ہے، مگر جب پتا چلا تو مَیں اسے کوئی رنج پہنچانا نہ چاہتا تھا۔ اور پھر جب مَیں دوبارہ مطالعہ کرنے کی کوشش کرتا تو ایسا نہ کرسکتا تھا۔ یہی حال میرا اسکول کے زمانے میں تھا۔ اگر کوئی سوال حل کرنا ہوتا تو اس میں نہ تو پہلی بار اور نہ دوسری بار کامیابی ہوئی تھی۔ اس کی بجائے میرے اندر مختصر مضامین لکھنے کی امنگ پائی جاتی ہے۔ ایلی نے ایک دفعہ کہا تھا جو مواد ہم جمع کر چکے ہیں اسے چھوٹے موٹے مضامین میں تقسیم کرنا مناسب نہیں۔ وہ خود مردانہ وار مستقل مزاجی سے مطالعے میں مگن رہتی تھی۔ وہ ایک تاریخی کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتی تھی، مگر یہ بھی سوچتی تھی محض اس کی فن کاری اس عظیم کام کو سرانجام دینے کے لیے کافی نہ ہوگی اور اگر مَیں تھوڑی سی توجہ دوں تو ہم دونوں مل کر ایک نہایت اچھی کتاب لکھ سکیں گے، مگر مَیں دن بہ دن کاہل سے کاہل تر ہوتا جا رہا تھا۔ ایلی نے زیادہ زور تو نہ دیا، مگر اس کا دل

---

[1] فیسول اور ایما: (Fiesole and Ema)۔ اٹلی کے شہر فلورنس کے قریب دو قصبے۔
[2] آرنو: (Arno)۔ فلورنس میں بہتے دریا کا نام۔

ٹوٹ گیا۔ پھر انھوں نے کبھی کتابوں کو کھول کر نہ دیکھا اور جو نوٹس لکھے گئے تھے وہ اسی طرح بند پڑے رہے۔ اس وجہ سے ان کے درمیان ایک خلا سا پیدا ہو گیا۔

ایلی کی مایوسی دن بہ دن بڑھتی گئی اور اس کے لیے دردناک ہوتی گئی۔ اس کا خیال تھا کہ یہ درد اس کے لیے اس درد سے بدرجہا بڑھ کر ہے جو اسے نوعمری کے زمانے میں پہلی منگنی ٹوٹنے کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ ایک ایسی عورت تھی جو اپنی ذات کی نسبت دوسروں کی خاطر زیادہ تکلیف محسوس کرتی تھی۔ اسے غم تھا کہ وہ لت کو کسی بڑے کام پر آمادہ کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔ اس کی محبت لت سے پہلے تو نفسانی خواہشات کی وجہ سے تھی، مگر اب اس کی وجہ روحانی تھی۔

انھوں نے کبھی ایک دوسرے کو کوئی تلخ لفظ نہ کہا، مگر جب وہ آرام سے اکٹھے بیٹھتے تو ایلی خود کو بے فائدہ اور بے مقصد شے خیال کرتی۔ وہ غور فکر کرنے والی طبیعت نہ رکھتی تھی۔ اٹلی کے مختلف شہروں میں گھوم کر اور عجائب گھروں کی خوب صورت تصویریں دیکھ کر اسے اطمینان قلب نہ ہوتا تھا۔ وہ عمل کی محتاج تھی۔ کام میں اچانک خلل پڑنے کی وجہ سے ایلی کی ناراضگی بڑھ گئی تھی۔ اب اسے کوئی مقصد نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ بوڑھے سے بہت محبت کرتی تھی۔ اسے دادا کی بجائے باپ سمجھتی تھی، لیکن اسے آخری دفعہ اس کا مُنھ دیکھنا بھی نصیب نہ ہوا اور ورثے سے متعلق معاملات تو مصدق الاسناد کی ہدایت کے مطابق بآسانی سرانجام دیے جا سکتے تھے۔

''ہمیں آپس میں داناؤں کی طرح بات کرنی چاہیے۔ کیا ہم واپس اٹلی چلے جائیں؟''

''نہیں، لت، مجھے خوشی ہے کہ مَیں تیرے ساتھ وہ ملک دیکھ چکی ہوں اور اب ہمیں فوراً ہی واپس جانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

'' تو کیا ہم ڈن ہاخ میں بود و باش اختیار کر لیں یا سردیاں گزرنے کے بعد کہیں باہر گھر بنائیں؟''

ایلی نے اس کی منکسرانہ آواز کی وجہ سے نظر اٹھا کر دیکھا۔ وہ اس لیے یوں بات کر رہا تھا کہ اسے اپنے ہاتھوں سے کوئی قیمتی چیز پھسلتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ ایلی کا دل بھر آیا اور اس نے اس کے سینے پر لیٹ کر اسے بازوؤں میں لے لیا اور کہنے لگی: ''اے میرے دلربا، میرے

پیارے، مَیں تجھ سے دل کی گہرائیوں سے محبت کرتی ہوں۔''

''ایلی، میری پیاری، ایلی، مَیں تو تجھ سے اس قدر محبت کرتا ہوں کہ شاید ہی کسی اور کو اس قدر چاہ سکوں، لیکن میرا خیال ہے تُو خوش نہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟''

''لت، بھلا اس کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟''

''کہ جو تو پسند کرتی ہے مَیں وہ کرنے کے قابل نہیں۔''

''ہاں، لت، مَیں اسے ایسے ہی قبول کرتی ہوں اور مَیں بے چارے خاندانِ اطباء کی وجہ سے ناراض نہیں۔''

''تُو دیکھے گی کہ مَیں اپنے نوٹس اور یادداشت سے سلسلہ وار مضامین سپرِدِقلم کروں گا۔ یہ بہت اچھا کام ہوگا۔''

''اچھا تو پھر ایسا ہی کر۔''

''تُو بھی اس میں دل چسپی لے گی؟''

''لوں گی۔''

''آ، اب ہم سوچیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کہاں رہنا ہے؟''

''بہتر ہے کہ ہم فی الحال کسی جگہ بھی مستقل رہنے کا انتظام نہ کریں۔ جب تک یہ گھر بک نہیں جاتا یہیں رہیں اور پھر دیکھیں کیا ہوتا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔''

''ہم نے ابھی تک نانی جی سے ملاقات نہیں کی۔ آج دوپہر انھیں دیکھنے چلیں؟''

''میرا خیال ہے وہ بستر سے ابھی نہیں اٹھیں، لیکن ہمیں خبر لینے کے لیے تو جانا چاہیے۔''

ایلی نے اسے محبت بھرا بوسہ دیا۔ معلوم ہوتا تھا اختلافات پیدا ہونے کے بعد انھوں نے صلح کر لی ہے۔ وہ اپنے آپ پر قابو پا کر، روح کی بے اطمینانی کو دباتے ہوئے، دل میں کہنے لگی کہ مَیں خود کو اس کے لیے وقف کردوں گی اور شاید بعد میں اس کے بچوں کے لیے اور ایسا کرنا ایک عورت کے اطمینان کے لیے کافی ہے۔ مَیں اس کی خوشیوں کو اپنی خوشیاں بنالوں گی اور پھر سے

مٹی سے چیزیں بنانا شروع کردوں گی۔ اگر کوئی اپنے خاوند سے خوش ہے تو ایسا ممکن ہے اور مَیں اپنے خاوند سے خوش ہوں۔ دوپہر کے کھانے کے وقت وہ زیادہ خوش نظر آ رہی تھی جس سے پھُپھی آدیلے کی طبیعت بھی بہتر ہوگئی۔ یہ عورت کچھ عرصے سے کسی بڑے بوجھ کے نیچے جُھک کر چلتی معلوم ہوتی تھی۔ وہ اس لیے بھی خوش نہ تھی کہ لت اور ایلی کی شادی کامیاب معلوم نہ ہوتی تھی، مگر اب ایلی کے خوش و خرم دکھائی دینے سے وہ خوش دکھائی دینے لگی اور اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور وہ حسبِ عادت جلدی جلدی حرکتیں کرتے ہوئے بول رہی تھی۔ اس روز بعد دوپہر لت اور ایلی اکٹھے نانی کے پاس گئے۔

۲۸

اس شام سے، جب اوتیلی ڈاکٹر رولفس کی موت کی خبر چھپا نہ سکی، بڑھیا بستر سے نہ اُٹھی۔ ڈاکٹر تیلنس ہر روز آ کر اسے یقین دلاتا کہ اسے بڑھاپے کے سوا اور کوئی روگ نہیں ہے۔ وہ اس کی سوجھ بوجھ اور جسم کی مضبوط ساخت کی بے حد تعریف کرتا۔

ناساؤں لان پر جب انا نے لت اور ایلی کے لیے دروازہ کھولا وہ ڈیوڑھی میں کھڑی ستاین سے باتیں کر رہی تھی۔

''تشریف لائیں، جناب،'' انا بولی۔ ''کمرا گرم ہے۔'' نوکرانی نے بلی کو باورچی خانے کی طرف بھیج دیا۔ وہ ڈیوڑھی میں کھڑے ہو کر باتیں کرنا پسند نہ کرتی تھی۔ اگر رشتہ دار ملنے آتے تو وہ بیٹھک میں ہی انتظار کیا کرتے اور وہ ان کی شراب میں لگے پھلوں سے تواضع کرتی تھی۔ اس نے یہی لت اور ایلی کو پیش کرتے ہوئے کہا: ''یہ بہت مزیدار ہیں۔ بیگم صاحبہ تو بستر سے نہیں اٹھیں ۔ شاید یہ ان کے آخری دن ہوں، مگر ڈاکٹر تیلنس مطمئن ہے۔ اوپر بیگم تھیریس بھی موجود ہے۔''

لت نے کہا: ''وہ کب آئی ہے؟''

''کل ۔ بیگم صاحبہ نے اسے فوراً اوپر بلالیا تھا اور مَیں کہوں گی وہ بہت اچھی عورت ہے۔ وہ سارا دن بیگم صاحبہ کے بستر کے قریب بیٹھی دعا میں مصروف رہتی ہے۔ پتا نہیں یہ بات بیگم صاحبہ کو پسند ہے یا نہیں کیوں کہ وہ گرجے تو جایا نہیں کرتی تھیں اور پھر رومن کیتھولک والوں کی دعا بہت وقت لیتی ہے۔

اتنی لمبی دعا...'' یہ کہہ کہ انا اوپر چلی گئی۔

''آپ لوگوں نے ابھی تک اپنے مستقبل کا فیصلہ نہیں کیا؟'' ستاین نے پوچھا۔

''نہیں،'' لت نے جواب دیا۔

''ہم مکان کے فروخت ہونے تک ماؤرتس کا دے پر قیام کریں گے،'' ایلی بولی۔
'' آپ لوگوں سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے۔ آج مَیں نے آپ کی طرف آنا تھا،'' ستاین نے کہا۔

''لت، مَیں تم سے بات کرنا چاہتا تھا۔ خیر، یہیں کر لیتا ہوں۔''

'' کیا بات ہے؟''

''مَیں تمھیں اپنے فیصلے سے آگاہ کرنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے اس سے تمھیں تکلیف پہنچے، مگر مَیں ایسا کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کرسکتا۔ جہاں تک ممکن تھا مَیں نے تیری والدہ کے ساتھ نبھاہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اب مَیں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔''

'' تم طلاق حاصل کرنا چاہتے ہو؟'' لت نے پوچھا۔

'' مجھے اس کی پروا نہیں۔ اگر تیری والدہ چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لت، تُو نے مجھے ایک دفعہ ''بے فائدہ قربانی'' کے متعلق کچھ کہا تھا جو مَیں تیری والدہ کے ساتھ رہنے کی وجہ سے کر رہا تھا۔''

''میرا مطلب تھا...''

''مَیں جانتا ہوں تو کیا کہہ رہا تھا۔ مَیں زیادہ دیر تک قربانی نہیں دینا چاہتا۔ جب سے تُو شادی کر کے گیا ہے ہمارا گھر جہنم کا نمونہ بنا ہوا ہے۔ اب تیری والدہ کے پاس کافی روپیہ ہے اس لیے ہیوگ بھی اس کے پاس رہ رہا ہے۔ مَیں نے اسے مشورہ دیا تھا کہ جہاں تک ہوسکے ورثے کے متعلق کوئی بات نہ کرے، مگر اس نے ہیوگ کو سب کچھ بتا دیا ہے۔''

'' مجھے علم ہے،'' لت بولا۔ ''مَیں نے ہیوگ کو دیکھا تھا تو وہ کہہ رہا تھا ماں جی کو کافی ورثہ ملا ہے۔''

''مَیں ڈن ہاخ چھوڑ کر سفر پر نکل جاؤں گا۔ شاید تجھے دیر تک دوبارہ نہ دیکھ سکوں۔ لت، پیارے بچے، مجھے کچھ پتا نہیں۔ بیس سال تک مَیں نے صبر کیا اور گھر میں میری خوشی کا

باعث صرف تُو ہی تھا۔ گو ہم دونوں کی طبیعتیں مختلف ہیں میرا آہستہ آہستہ تجھ سے پیار ہوا تھا۔ مَیں تیری دوستی کی وجہ سے تیرا بہت مشکور ہوں۔ اب مَیں جاتا ہوں، مگر پیاری یادیں ساتھ لے کر۔ جب مَیں نے تیری ماں کے ساتھ شادی کی تھی تیری عمر اٹھارہ برس تھی، لیکن ہمارے درمیان کبھی تُو تُو مَیں مَیں نہ ہوئی اور اس کا سرسہرا اور باعث صرف تُو ہے۔ تیرے شادی کر لینے سے شاید مجھے تیری والدہ سے بھی زیادہ تکلیف ہوئی ہے۔ ایلی ناراض نہ ہونا کہ مَیں ایسا کہہ رہا ہوں۔ اچھا تو شاید ہم پھر کسی اور جگہ ایک دوسرے کو دیکھ سکیں... لت، رونے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے لت کو اپنے بازوؤں میں لے کر اسے بوسہ دیا جس طرح باپ بیٹے کو دیتا ہے اور اسے دیر تک اپنے سینے سے لگائے رکھا اور پھر جوش سے ہاتھ ملایا اور اسے کہا: ''ارے لت، میرے پیارے دوست... بہادر بنو۔''

''آہ، بے، چاری ماں،'' لت بولا اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا گئیں۔ اس نے ستاین سے پوچھا، ''تم کب روانہ ہو گے؟''

''کل صبح۔''

''کتنے بجے؟''

''نو بجے، پیرس کو۔''

''مَیں آؤں گا اور تجھے الوداع کہوں گا۔''

''مَیں بھی، ستاین،'' ایلی بولی۔ اس نے اسے بوسہ دیا۔

وہ روانہ ہوا ہی چاہتا تھا کہ گھنٹی بجی اور انا سیڑھیوں سے نیچے اتری۔ ''مَیں نے آپ کی خالہ تھیریس کو بلانے کی جرأت نہیں کی۔ وہ عبادت میں خشوع وخضوع کے ساتھ مشغول تھی... اور دیکھیں، لت صاحب، آپ کی والدہ اور انگریز بھائی صاحب آئے ہیں۔''

''خدا کی لعنت،'' ستاین نے دانت پیستے ہوئے دبی آواز میں کہا۔ ''مَیں اسے دوبارہ دیکھنا نہیں چاہتا۔''

انا نے دروازہ کھولا تو ماں اوتیلی اور ہیوگ اندر داخل ہوئے اور ستاین کو ڈیوڑھی میں ملے انھوں نے ایک دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھا۔ ہیوگ نے تکریم کے طور پر اپنی ٹوپی پر ہاتھ دھرا جیسا کہ کسی اجنبی کے سامنے کیا جاتا ہے اور بغیر بولے گزر گیا۔ ستاین باہر جا چکا تھا۔ اس نے بیوی کو مڑ کر بھی نہ دیکھا۔

اوتیلی نے ایلی اور انا کو کہا: ''مَیں ماں جی کی خبر لینے آئی ہوں اور ہیوگ کی بھی نانی کو دیکھنے کی بڑی خواہش تھی۔ انا، ماں جی بستر میں ہیں نا۔'' وہ بیٹھک کے اندر آئی اور سلام دعا کر کے پوچھنے لگی: ''بچے، کیا بات ہے؟''

''ماں جی، کوئی بات نہیں۔''

''تُو اتنا افسردہ کیوں دکھائی دے رہا ہے؟ کیا تُو رو رہا تھا؟''

''نہیں، ماں جی، یہ محض اعصابی کم زوری کے باعث ہے۔ ہیلو، ہیوگ۔''

''لت، تُو ماں سے مشابہت رکھتا ہے،'' ہیوگ بولا۔

''مَیں ماں سے بہت ملتا جلتا ہوں۔''

اوپر سے اچانک دو دفعہ گھنٹی کی آواز آئی جو خادمہ کو بلانے کے لیے تھی۔

''خالہ تھیریس اوپر ہے؟'' ایلی نے پوچھا۔

''مَیں اس سے ابھی نہیں ملی،'' ماں نے جواب دیا۔ ''کیا بات ہے؟''

انا بلی کو چھوڑ کر باورچی خانے سے ''خدایا، خدایا'' پکارتی ہوئی نکلی اور کہنے لگی: ''بیگم صاحبہ کو پھر دورہ پڑ گیا ہے۔''

جب سے اسے ڈاکٹر رولفس کے مرنے کی خبر ملی تھی اور جب سے اس نے تکمہ کو مرا ہوا محسوس کر لیا تھا وہ اپنے بستر سے بالکل نہ اُٹھی تھی۔ اس نے غیر متوقع طور پر یہ خوشی دیکھ لی کہ تھیریس اس کے بستر کے پاس کھڑی ہے۔ تکمہ کی موت کے متعلق کسی نے بھی اس کے ساتھ کوئی بات نہ کی تھی۔ بڑھیا کو علم نہ تھا کہ تھیریس کو حقیقت کا علم ہے۔ وہ اپنے بخار کے ایام کو بھول چکی تھی جب کئی برس قبل بخار کی وجہ سے بدحواسی کے عالم میں تھریس کے بازوؤں میں

پڑی کافی کچھ بتا چکی تھی اور اب مرتے وقت سمجھ رہی تھی کہ خدا تعالیٰ اس پر بہت مہربان رہا ہے کہ باوجود اس قدر گناہ گار ہونے کے کسی کو بھی اس بات کا علم نہیں ہو سکا، حتیٰ کہ اس کے بچوں کو بھی نہیں۔

جب عمر رسیدہ عورت کا سانس ختم ہو رہا تھا اور وہ لمبی لمبی آہیں بھر رہی تھی تو باہر کھڑکیوں کے ساتھ برف پگھل کر آنسو بہا رہی تھی اور کمرے میں اوتیلی کی چیخیں نکل رہی تھیں۔ بڑھیا دھیرے دھیرے اس جہان کو چھوڑ گئی۔ انا بھی آہیں بھر رہی تھی۔

ہیوگ نے دروازہ کھولا تو ہیرلڈ، دان، فلو، ستیفانی، آنتون، عینا دی ہر برخ اور فان ویلی یکے بعد دیگرے اندر داخل ہوئے۔ لت انھیں پڑوسیوں کے گھر سے جا کر فون کر آیا تھا کہ نانی اماں جان کنی کی حالت میں ہیں۔ پھُپھی بھی آئی۔ وہ اوپر پہنچی اور بستر کے پیچھے سے بڑھیا کو دیکھ کر پھر نیچے چلی گئی۔

نیچے کمرے میں ہیرلڈ دیریکس کرسی میں دھنس کر بیٹھا تھا۔ انتہائی درد کی وجہ سے اس کا چہرہ بٹا ہوا معلوم ہوتا تھا اور وہ اپنے سامنے اپنا بستر مرگ دیکھ رہا تھا۔

دان دیریکس اس کے سامنے آ کھڑا ہوا اور اس نے آہستہ سے کہا: ''ہیرلڈ، ماں کا مرنا ہی بہتر ہے۔ معلوم ہوتا ہے وہ بڑی تسکین سے دم دے رہی ہے۔''

سب لوگ اوتیلی کی سسکیاں سن رہے تھے۔ خادمہ نے نیچے آ کر دیکھا تمام عمر رسیدہ لوگ جمع ہیں۔

بوڑھوں نے آہستہ آہستہ ایک دوسرے کے گلے لگ کر رونا شروع کیا۔ چچی فلور دھاڑیں مار مار کر روتے ہوئے کہنے لگی: ''بے چاری نیک اماں رخصت ہوگئی۔''

اس موت کی وجہ سے، جو آئی اور چلی گئی، سارے گھر میں افسردگی پھیلی ہوئی تھی۔ ہیرلڈ دیریکس ایک طرف نظریں جمائے دیکھتا رہا۔

''او، میرے خدایا،'' عینا بولی۔ ''ابا جی پر تو غشی طاری ہو رہی ہے۔'' اور اس نے انھیں بازو سے پکڑ کر تھاما۔ بچوں نے یکے بعد دیگرے اوپر جا کر ماں کا چہرہ دیکھا۔ وہ موت کی آغوش

میں آرام سے پڑی ہوئی تھی۔ اس کا چینی مٹی جیسا جھریوں والا چہرہ سفید تکیے پر بلاحرکت پڑا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ دعا کے لیے باندھنے کی سعی میں فوت ہوگئی تھی جبکہ اس کے بستر کے قریب تھیریس دوزانو بیٹھی دعا کر رہی تھی۔

۲۹

کمرا ہلکا سا گرم کیا ہوا تھا اور پردے نصف اٹھائے گئے تھے۔ لت سخت بخار کے کم ہونے کے بعد پہلی بار آرام کی نیند سویا تھا۔ بیدار ہوکر ذرا آرام کرنے کے بعد وہ ایلی کا خط ڈھونڈ نے لگا جو اس نے سینٹ پیٹرس برگ سے لکھا تھا۔

اس نے لفافے سے خط نکال کر بار بار پڑھا۔ وہ بہت خوش تھا کہ اس نے مفصل خط لکھا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا وہ حوصلے اور عزم سے کام میں مشغول ہے۔ پھر اس کا ہاتھ ٹھنڈ کی وجہ سے نیچے گر گیا جسے اس نے کمبل کے اندر چھپالیا۔

لت خود کو ہَوا میں اُڑتا ہوا محسوس کرنے لگا۔ وہ اپنی بیماری بھول چکا تھا۔ باہر موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ اس کے پاس میز پر پانی کا گلاس اور کونین کی گولیاں دھری تھیں اور تھال میں بہت عمدہ قسم کے انگور تھے، قریب ہی گھنٹی رکھی تھی۔ اس نے کچھ انگور اٹھا کر چکھے اور گھنٹی بجادی۔ اوتیلی ڈرتے ڈرتے اندر داخل ہوئی۔

''لت، تو بیدار ہوگیا ہے؟''

''جی، ماں جی۔''

''نیند آئی تھی؟''

''ہاں، اب مَیں خود کو تندرست پاتا ہوں۔''

''لت، کل اور پرسوں تیری حالت بہت خراب تھی۔ تو حواس باختہ ہوکر اپنے باپ اور ایلی کو بلا رہا تھا۔ مجھے پتا نہ چلتا تھا کیا کروں اور کیا نہ کروں۔ میرے بچے، آخر کار......''

''ہاں، مجھے سردی لگ گئی تھی، مگر اٹلی پہنچ کر مَیں جلد ہی ٹھیک ہو جاؤں گا۔''

''ابھی اٹلی کا خیال نہ کر۔''

''جونہی مَیں صحت یاب ہوا مَیں پہلے نیس میں اوتیلی اور آلدو کے پاس سورج کی

دھوپ سے لطف اندوز ہونے جاؤں گا اور پھر روم چلا جاؤں گا۔''

''تُو اکیلا وہاں کیا کرے گا؟''

''وہاں میرے پرانے دوست ہیں اور مَیں وہاں کام کروں گا، کیا ہیوگ گھر پر ہے؟''

''ہاں، وہ اپنے کمرے میں ہے۔ ستاین والا کمرا اسے دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ مَیں اسے کوئی اور کمرا نہ دے سکتی تھی۔ اب ستاین کے سفر پر ہونے کی وجہ سے مَیں اپنے بیٹے کو اپنے پاس ٹھہرانے کی مجاز ہوں۔''

''مَیں ہیوگ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اسے میرے پاس بھیج دیں۔''

''لت، اس سے تجھے تکان نہ ہو جائے گی؟''

''نہیں۔''

''کیا تُو ہیوگ کے ساتھ تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہے؟''

''جی ہاں۔''

''کس کے متعلق؟''

''آپ کے متعلق۔''

''تو کیا مجھے پاس رہنے کی اجازت نہیں؟''

''نہیں، اور دروازے کے پیچھے کھڑے ہو کر سُننے کی بھی نہیں۔ وعدہ کریں کہ ایسا ہی کریں گی۔''

''کیا تجھے بالکل یقین ہے کہ اب تجھے بالکل بخار نہیں۔'' پھر وہ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر دیکھنے لگی اور کہا، ''پہلے تُو تھرمامیٹر لگا۔'' دس منٹ بعد دیکھا تو کہنے لگی، ''چھتیس ڈگری ہے۔''

وہ لیت ولعل کرتی چلی گئی۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھی جب اسے بخار تھا تو وہ ایلی اور اپنے والد کو پکار رہا تھا جس کی وجہ سے اس نے ہیوگ کو بھیج کر تا رد لوا دیا تھا، مگر جب وہ اسے دیکھنے آیا تو پہچان نہ سکا۔ اتنا بیان کرنا مشکل سمجھتے ہوئے وہ بغیر کچھ کہے چلی گئی۔ چند منٹوں بعد

ہیوگ اندر داخل ہوا۔

''لت، اب تُو بہتر ہے؟''

''ہاں، اب مَیں بہت حد تک بہتر ہوں۔''

''میرے چھوٹے بھائی، تجھے معلوم ہے ہم ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ مل جل کر رہتے رہے ہیں۔''

''ہاں، ہمیشہ ہی۔''

''شاید اس لیے کہ مَیں نے تیرے راستے میں کبھی کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کی۔''

''تو تو ہمیشہ بہت اچھا انسان ثابت ہوتا رہا ہے۔''

''شکریہ۔''

''ہیوگ، مَیں تجھ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔''

''کیا؟''

''کیا ماں جی تیرے ساتھ لندن جائیں گی؟''

''وہ میرے ساتھ جانا چاہتی ہیں کیوں کہ جان اور مَیں تو اسے شاذ ہی دیکھتے ہیں اور اب میری بھی انڈونیشیا سے واپس آ رہی ہے۔''

''وہ اپنے دوسرے بچوں کو بھی دیکھنا چاہتی ہے۔ مَیں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کے ساتھ محبت بھرا سلوک کیا جائے۔''

''کیا مَیں ایسا نہیں کرتا؟''

''بس اسی طرح کرتے رہو۔ وہ ایک بڑی عمر کی بچی ہی ہے۔ اسے محبت کی بڑی ضرورت ہے۔''

''بہت بہتر۔ مَیں یقیناً ایسا ہی کروں گا۔''

''ہیوگ، مہربانی کر کے مجھے آئینہ دو۔'' ہیوگ نے ایسا ہی کِیا۔ ''اور پردہ ذرا اونچا کردو۔'' اس نے فوراً اس کی تعمیل کردی اور لت آئینے میں، اپنا چہرہ دیکھنے لگا اور بولا، ''مَیں

بہت لاغر ہو گیا ہوں اور داڑھی نہ منڈوانے کی وجہ سے بظاہر بدصورت دکھائی دیتا ہوں۔ ہیوگ، اگر تُو بائسایکل پر باہر جائے تو فیگارو[1] سے کہہ دینا آ کر میری داڑھی بنا جائے۔"

"بہت اچھا، لت۔"

لت نے آئینہ نیچے رکھ دیا۔

"لت، ایلی کا کوئی خط آیا ہے؟"

"ہاں، وہ جو کچھ کرتی ہے بڑی بہادری سے کرتی ہے۔"

"یہ درست ہے،" ہیوگ نے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ "وہ بالکل انگریز عورت معلوم ہوتی ہے۔"

"ہاں،" لت نے آہستگی سے کہا۔ "یقیناً ایک انگریز عورت کی طرح۔"

نچلی منزل سے آواز سُنائی دی۔ لت نے کان لگا کر سُنا تو اسے تعجب ہوا کہ یہ اس کے والد پاؤس کی آواز ہے جو خادمہ کے ساتھ باتیں کر رہا ہے۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور اس نے پوچھا، "لگتا ہے یہ میرے والد صاحب ہی ہیں؟"

ہیوگ نے لاابالیانہ انداز میں جواب دیا، "میرے خیال میں ایسا ہی ہے۔"

"کیا یہ والد صاحب ہیں؟ وہ یہاں کیسے آئے؟"

ہیوگ کہنے لگا: "اب تو تُو مرد معلوم ہو رہا ہے، مگر پرسوں بخار کے جوش میں انھیں پکار رہا تھا۔ انھیں تار دے کر بلا لیا گیا۔ وہ تھوڑی دیر تیرے بستر کے پاس کھڑے رہے تھے، تو نے انھیں پہچانا نہیں تھا۔"

"مَیں اس قدر بیمار ہو گیا تھا؟" لت نے پوچھا۔ اسے چکر آنے لگے، مگر اس نے دیکھا کہ پاؤس صاحب بڑی احتیاط سے کمرے میں داخل ہو رہے ہیں۔

"میرے بچے..."

"اباجی..."

---

[1] فیگارو: حجام کا نام۔

پاؤس جلدی سے بستر کے قریب پہنچا، اس نے لت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور تھوڑی دیر خاموش کھڑا رہا۔

"آپ نے ماں جی کے ساتھ بات کی ہے؟"

"نہیں۔"

"آپ نے انھیں دیکھا ہے؟"

"نہیں۔ جب مَیں پرسوں جا رہا تھا خادمہ نے کہا تھا اگر تیری حالت زیادہ خراب ہوگئی تو وہ مجھے ہوٹل میں اطلاع کر دے گی اور کل جب مَیں آیا تو تُو سو رہا تھا۔ ایلی کہاں ہے؟"

"آپ کو علم نہیں؟"

"کس بات کے متعلق؟"

لت نے پھر آنکھیں بند کر لیں اور بوڑھا پاؤس بغیر بات کیے لت کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر خاموش رہا۔ کمرے میں دیر تک خاموشی طاری رہی۔ بوڑھے نے اپنی تیز نظروں سے کمرے میں اِدھر اُدھر دیکھا اور سکھ کا سانس لیا کہ لت کی جان نہیں گئی۔ اس نے سال ہا سال سے اوتیلی کو نہیں دیکھا تھا اور اب بھی وہ اس کے سامنے نہیں ہوئی۔ بہر صورت اس نے دروزے کے پیچھے سے اس کی آواز سُن لی۔ پرانے دنوں کی آواز نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔

اس نے لت کو لیٹے رہنے دیا۔ اپنے رومال سے اس کے مُنھ پر آئے پسینے کو پونچھا وہ معلوم کرنا چاہتا تھا ایلی کہاں ہے، لیکن لت کو جگانا بھی نہیں چاہتا تھا۔

لت نے آنکھیں کھولیں، لیکن وہ پوچھنے کی جرأت نہ کر سکا۔

"کیا اب تُو بہتر ہے؟"

"جی، اباجی۔ آپ کے آنے سے مجھے خوشی ہوئی ہے۔ اب مَیں آپ کو جانے نہیں دوں گا۔

آپ سامان ساتھ نہیں لائے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ نیا خرید لیں گے۔ ماں کو یہ پسند نہ ہو تو آپ اسے دیکھیں بھی نہیں۔"

"بچے، اتنی باتیں نہ کر۔"

"ابھی تو مجھے آپ کو بہت کچھ بتانا ہے۔ ماں اب زیادہ دیر یہاں نہیں رہے گی۔ وہ ورثے میں ملنے والی دولت لے کر ہیوگ کے ساتھ انگلینڈ جا رہی ہے۔ جب تک یہ رقم ختم نہیں ہو جاتی ..."

"مگر تُو..."

"مَیں نیس جا کر دھوپ تاپوں گا اور پھر اٹلی چلا جاؤں گا۔"

اتنے میں خادمہ نے حجام کی آمد کی اطلاع دی۔ تھوڑی دیر بعد حجام مُسکراتا ہوا اندر آیا۔

"صاحب، اب طبیعت کیسی ہے؟ مَیں نے آپ کو ایک ہفتے سے نہیں دیکھا۔"

"اب مَیں بہتر ہوں، فیگارو۔ میری داڑھی مونڈ دو، ان بالوں کی ساتھ مَیں خود کو گندہ محسوس کرتا ہوں۔"

حجام کے جانے کے بعد لت نے کہا، "اب مَیں ایک دوسرا انسان لگتا ہوں۔ ابا جی، ذرا میری کمر دبا دیں اور انگور بھی چکھیں۔ ہاں، مَیں یہ بتانا تو بھول ہی گیا کہ ایلی سینٹ پیٹرس برگ میں ہے۔"

"وہ وہاں کیا کر رہی ہے؟ کیا جھگڑا ہو گیا تھا؟"

"نہیں۔ وہ میدانِ جنگ میں گئی ہے۔"

"کم بخت چھوکری۔"

"ابا جی، ایسا نہ کہیں،" لت نے باپ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"یہ عورتیں ہوتی ہی ایسی ہیں۔ اس کی جگہ اس کے خاوند کے پاس ہے جب کہ وہ بیمار بھی ہے۔ اسے تار دے کر بلاؤ۔"

"ابا جی، مَیں حوصلے سے کام لینا جانتا ہوں۔ ماں ہیوگ کے ساتھ چلی جائے گی۔ اس کا بھی غم نہیں۔"

پاؤس کولت کے حوصلے نے حیران کر دیا۔ "میرے بچے، مَیں تجھے چھوڑ کر نہیں جاؤں

گا، لیکن مَیں یہاں، اس گھر میں، نہیں رہ سکتا۔ مَیں برسلز میں تیرا انتظار کروں گا اور ہم جنوبی علاقوں کی طرف اکٹھے سفر کریں گے۔"

وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

گا، لیکن مَیں یہاں، اس گھر میں، نہیں رہ سکتا۔ مَیں برسلز میں تیرا انتظار کروں گا اور ہم جنوبی علاقوں کی طرف اکٹھے سفر کریں گے۔“

وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

۳۰

نیپلز[1] میں اپریل کے آخری دنوں کا سورج چمک رہا تھا۔ لت ہوٹل کے کمرے کی کھڑکی میں سے باہر کھجوروں کے درختوں اور نیلے سمندر کو دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے ستاین سے باتیں کرتے کرتے وہ تھک چکا تھا اور اب ستانا چاہتا تھا۔

ستاین کے آنے سے وہ خوش ہوا تھا کیوں کہ اس کا باپ دو ماہ اس کے ساتھ گزارنے کے بعد برسلز واپس جا چکا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا اچھا ہوا ہے کہ ستاین ابا جی کے جانے کے بعد آیا ہے۔ ماں کے دو خاوند ایک دوسرے کے آمنے سامنے آنے سے بچ گئے ہیں۔ ستاین کے آنے سے وہ محسوس کرنے لگا تھا گویا وہ اپنے عزیزوں کے ساتھ ہی رہ رہا ہے۔

تنہائی اور بُڑھاپے سے اسے شروع سے ہی خوف آتا تھا۔ اب ستاین بھی جا چکا تھا اور ایلی دور تھی۔ وہ میدانِ جنگ میں اس کے پاس خواہش کے باوجود نہیں جا سکتا تھا۔ نہ جانے وہ وہاں کیسے گزر بسر کرتی ہوگی؟ میدانِ کارزار... زخمی... ہسپتال...وہ کیسے اس ہنگامہ آرائی کی تاب لاتی ہوگی؟ لیکن مصیبت تو میرے لیے ہے۔ جس سے مَیں نے محبت کرنا سیکھا وہی میرے پہلو میں موجود نہیں۔ تنہائی نے میرے گرد گھیرا ڈال رکھا ہے۔ خدایا! مَیں جوانی میں اس دنیا کو چھوڑ جانا چاہتا ہوں۔ اب تو ماں بھی میرے پاس نہیں ہے۔ وہ لندن سے ہیوگ کے خلاف شکایت بھرے خط لکھ رہی ہے کہ وہ لڑکیوں کے پیچھے پاگل ہوا جا رہا ہے اور مجھے تنہا چھوڑ جاتا ہے۔ میری اور جان کبھی کبھی آتے ہیں... ماں کو دراصل یہ دکھ تھا کہ ہیوگ صرف پیسے لینے کے لیے اس کے پاس آتا ہے۔ آہ، بے چاری ماں! جب تک پیسہ ہے وہ اس کے پاس رہے گی، رقم ختم ہو جائے گی تو میرے پاس آجائے گی اور ایلی سے حسد کرے گی۔ ایلی یقیناً واپس آئے گی۔ وہ کام کرتے کرتے تھک کر چور ہو چکی ہوگی اور آ کر میرے بازوؤں میں چین کی نیند

---

[1] نیپلز: (Napels)، اٹلی کے ایک شہر کا نام۔

سوئے گی۔

اب شام ہو چکی ہے۔ مَیں کہیں نہیں جاتا۔ یہیں کھانا کھا لیتا ہوں۔ لیمپ جلا کر آرام سے کام کیا جائے۔ زندگی ایسی ہی ہے۔ انسان کو خود پر زیادہ غم فکر لادنے کی کیا ضرورت ہے؟ دنیا میں بہت سی دل چسپ چیزیں ہیں۔ اٹلی خوب صورت ملک ہے۔ جنوب کا موسمِ بہار... زیادہ کام کرنے سے انسان کملا کر خشک ہو جاتا ہے، مگر اس طرح تفکرات اس کے پاس نہیں آتے۔ بہر حال، بڑھاپا ہے ایک تکلیف دہ چیز!

اگر مَیں دونوں بوڑھوں اور انڈونیشیا میں وارداتِ قتل کے متعلق ایک افسانہ لکھ دوں تو کیسا رہے؟ پھر وہ خود ہی بول اٹھا، ایسا نہیں ہو سکتا۔ نہیں، اسے انہی لوگوں تک محدود رہنا چاہیے ورنہ مَیں بھی افسانہ بن کر ان کے ساتھ شریک ہو جاؤں گا۔ ہاں، مَیں سلسلہ وار مضامین لکھوں گا۔

غروبِ آفتاب کے وقت کی خنکی ستاروں بھری رات کی سردی میں ڈھل چکی تھی۔ اس نے اپنے لکھے ہوئے اوراق کھولے اور وہ طویل سانس لے کر لیمپ کے پاس بڑی میز کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ اپنے خوب صورت چہرے اور سکے بالوں والے سر کو جُھکا کر ان اوراق کو پڑھنے لگا۔ لیمپ کی روشنی میں اس کی کنپٹیوں پر ذرا ذرا سے سفید بال نظر آ رہے تھے۔

سلسلۂ مطبوعاتِ ولندیزی تراجم، ۵

اس سلسلے میں اُردو میں ترجمہ کیے گئے دیگر ناول:

۱) میکس ہافلار از ملتا تولی۔

طبعؑ اوّل ولندیزی، ۱۸۶۰ء۔ طبعِؑ اوّل اُردو، ۱۹۸۳ء۔ مترجم، غلام احمد بشیر ۔ مدیر، فاروق خالد۔

۲) بوڑھے لوگ، چیزیں جو گزرتی ہیں از لوئی کو پیرس۔

طبعؑ اوّل ولندیزی، ۱۹۰۶ء، طبعؑ اوّل اُردو، ۱۹۸۵ء، مترجم، غلام احمد بشیر۔ مدیر، فاروق خالِد ۔ طبعؑ دوم اُردو، جنوری ۲۰۱۶ء، مترجم، غلام احمد بشیر۔تدوین وحواشی، فاروق خالد۔

۳) ایلینا فیئر از لوئی کو پیرس۔

طبعؑ اوّل ولندیزی، ۱۸۸۹ء۔ طبعؑ اوّل اُردو، ۱۹۸۶ء۔ مترجم وحواشی، فاروق خالد۔

۴) چھوٹا یوہنس از فریدرک فان ایدن۔

طبعؑ اوّل ولندیزی، ۱۸۸۷ء تا ۱۹۰۵ء، طبعؑ اوّل اُردو، ۲۰۰۸ء۔ مترجم وحواشی، طبعؑ دوم اُردو، ۲۰۰۹ء۔ مترجم وحواشی، فاروق خالِد ۔

۵) موت کی ٹھنڈی جھیلیں از فریدرک فان ایدن۔

طبعؑ اوّل ولندیزی، ۱۹۰۰ء۔ طبعؑ اوّل اُردو، ۲۰۱۵ء۔ مترجم وحواشی، فاروق خالِد ۔

Series of Dutch Literary Translation,5

Other Dutch novels translated in to Urdu in the same series:

1) Max Havelaar by Multatuli

1st Dutch edition , 1860. 1st Urdu edition 1983. Translator , Gulam Ahmed Bashir. Editor, Farooq Khalid

2) Van Oude Mensen , De dingen , die Voorbijgaan by Louis Couperus

1st Dutch edition , 1906. 1st Urdu edition 1985. Translator, Gulam Ahmed Bashir. Editor, Farooq Kahlid. 2nd Urdu edition , January 2016. Translator, Gulam Ahmed Bashir. Editing and foot notes, Farooq Khalid

3) Eline Vere by Louis Couperus

1st Dutch edition , 1889. 1st Urdu edition 1986. Translator and editor, Farooq Khalid.

4) De Kleine Johannes by Frederk Willem Van Eeden

1st Dutch edition , 1887 to 1905. 1st Urdu edition 2008. Translator and foot notes, Farooq Khalid. 2nd Urdu edition 2009. Translator and foot notes, Farooq Khalid.

5) Van de koele Meren des Doods by Frederiks Willen Van Eeden

1st Dutch edition , 1900. 1st Urdu edition , 2015.

Translator and foot notes, Farooq Khalid.



سرورق: ناول پر مبنی فلم (ہدایت کار، والٹر فان در کمپ) میں او تیلی دریکس (اداکارہ، کاروفان
آ ئنک) اور ایمل تکمہ (اداکار، پاؤل ستین برخن) محوِ گفتگو ہیں۔

شہرزاد
SCHEHERZADE

ISBN: 978-969-568-122-5

9 789695 681220

Pak Rs. : 300/-